شہر دل
اُم مریم

مسلسل روکتی ہوں اس کو شہر دل میں آنے سے
مگر وہ کوہ کن رُکتا نہیں دیوار ڈھانے سے

بھلا کیا دُکھ کے آنگن میں سلگتی لڑکیاں جاتیں
کہاں چھپتے ہیں آنسو آنچلوں میں منہ چھپانے سے

تجھے تنہا محبت کا یہ دریا پار کرنا ہے
ندامت ہوگی اس کے حوصلوں کو آزمانے سے

ابھی تو عشق میں آنکھیں بجھی ہیں دل سلامت ہے
زمین بانجھ ہوتی ہے کبھی فصلیں جلانے سے

تجھے بھی ضبطِ غم کے شوق نے پتھر بنا ڈالا
تجھے اے دل بہت روکا تھا رسم و راہ نبھانے سے

☆☆☆

پیش لفظ

"شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے"
"تمام تر لازوال، بے مثال تعریفوں کے لائق ہے وہ پاک ذات جو تمام جہانوں کی خالق و مالک ہے۔"

پھول ہی پھول ہیں تا حد نظر
آتشی، آسمانی، گلابی، کاسنی، چمپئی، ارغوانی
کتنے مشتاق ہاتھوں نے
کتنی یاسمیں، یاسمیں انگلیوں نے
اس طرح سے سجایا سنوارا انہیں
اور پھر اہل نظر اور تحسین چشم نگاراں ملی
کس نے سوچا کسی نے کہ شاخ نے گل سے ٹوٹ کر
حسن کے اس سفر میں
کس طرح کی اذیت اُٹھائی
ہم کہ جو لکھنے والے ہیں نوک قلم سے
فکر کے پھول مہکا رہے ہیں
اپنی سوچوں کی تابندگی سے عارض وقت چمکا رہے ہیں
ایک وقت ایسا بھی آ رہا ہے جبکہ دیوان اپنے
آبنوس اور مرمر کے شلفوں میں
پھر کی مانند سج جائیں گے
یاسمیں، یاسمیں، انگلیاں شعر کے لمس سے بے خبر
ان کی ترتیب دیں گی
کتنی نرگسی نرگسی آنکھیں
حسن ترتیب کی داد دیں گی
اس حقیقت سے نا آشنا
حسن تخلیق کے اس سفر میں
ہم نے کیسی اذیت اُٹھائی ہے روز و شب

☆☆☆

ڈیئر قارئین!

آپ کی خدمت میں اپنی ایک اور کاوش "شہرِ دل" لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ اُمید کرتی ہوں اپنے رب کریم سے کہ پہلے کی طرح یہاں بھی میری تحریر کو پذیرائی، چاہت اور پسندیدگی سے نوازے گا۔ اور کسی مصنف کو اس سے بڑھ کر اور کچھ چاہیے بھی نہیں ہوتا کہ اس کی تحریر کو یہ احساس مل جائے۔ اور الحمدللہ ثم الحمدللہ "تیری چاہ میں تیری راہ میں" کے بعد "میرے ساحر سے کہو" کی بے پناہ پذیرائی یہ مجھ تک آپ کے احساسات پہنچتے رہے ہیں۔ الحمدللہ آپ میری کوئی تحریر معیار کے لحاظ سے پہلی سے کمتر نہیں پائیں گے۔

"شہرِ دل" کے بارے میں صرف یہ کہوں گی کہ اس میں آپ کی دلچسپی اس لئے بھی بڑھے گی کہ یہ ناول کسی ڈائجسٹ میں شائع کرائے بغیر بک کی صورت شائع ہوا ہے۔ یہ ایک ایسی لڑکی کی کہانی ہے جو محبت کو کھونے سے خائف ہے۔ یہ تحریر بھی محبت کے خاص اہم اور حساس موضوع پر لکھی گئی ہے۔ ایسی کیفیات کے بیچ جب میرا دل اس احساس کے ساتھ ملول تھا کہ دُنیا سے محبت اُٹھتی جارہی ہے جو کہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ میں سمجھتی ہوں محبت کا زمین سے اُٹھنا، ربّ کی رحمت کا اُٹھنا ہے۔ محبت رب کی رحمت کا ہی ایک خوب صورت روپ ہے۔ کسی بھی رنگ میں ہو، کسی بھی انداز کے ساتھ، یہ ہمیشہ خاص، پیاری اور اہم ہوتی ہے۔ اس لئے اسے خود سے بچھڑنے مت دیں۔ بس یہی میرا پیغام ہے۔

مجھے لکھتے ہوئے پانچ سال ہونے والے ہیں اور ان پانچ سالوں میں، میں نے بے تحاشہ اور بہت لکھا ہے مگر تشنگی کا عالم یہ ہے کہ جیسے ابھی کچھ بھی نہیں لکھا۔

بقول شاعر ؎

بہت کچھ اور لکھنے کی تمنا تھی
مگر میں کیا کروں کہ موسم جاں کو
ہنرمندی کے لیے کم میسر تھے
ابھی میں نے قلم پکڑا تھا ہاتھوں میں
ابھی تو پیاس بھی قرطاس کی بجھنے نہ پائی تھی
ابھی لفظوں کو میرے آئینہ پوشاک ہوکر

تیرگی کی بدگماں دہلیز پر
خورشید کی صورت اُترنا تھا
ابھی تو میری تحریروں کو
تازہ روشنی بن کر بکھرنا تھا
مگر میں کیا کروں کہ موسم جاں کو
ہنرمندی کے لیے کم میسر تھے۔

تشنگی کا یہ عالم ہے، مجھے میری کچھ فرینڈز نے جنونی رائٹر کا ٹائٹل بھی دیا ہے، جو شاید اتنا غلط بھی نہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ میرے لئے دُعا کیجئے گا کہ خدا میرے قلم کو باوقار نکھار بخشے، آمین!

کسی بھی کتاب کو کامیاب بنانے کے لیے جتنی کوشش رائٹر کو کرنی پڑتی ہے۔ اتنی ہی کوشش پبلشر کو کرنی پڑتی ہے۔ پچھلے کچھ عرصہ میں میری کتابوں کے حقوق اشاعت حاصل کرنے کے بعد ادارہ علم و عرفان پبلشرز نے اس ذمہ داری کو میری توقعات سے زیادہ بہتر طور پر ادا کیا ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قارئین میری اس رائے سے اتفاق کریں گے۔

اُمِ مریم

☆☆☆

شہرِ دل

ہوا تھمی تھی ضرور لیکن
وہ شام جیسے سسک رہی تھی
کہ زرد پتوں کو آندھیوں نے
عجیب قصہ سنا دیا تھا
کہ جس کو سن کے تمام پتے
سسک رہے تھے، بلک رہے تھے
جانے کس سانحے کے غم میں
شجر جڑوں سے اکھڑ رہے تھے
بہت تلاشا تھا ہم نے تم کو
ہر ایک وادی، ہر ایک رستہ
کہیں سے تیری خبر نہ آئی
تو یہ کہہ کے ہم نے دل کو ٹالا
ہوا تھمے گی تو دیکھ لیں گے
ہم اس کے رستے کو ڈھونڈ لیں گے
مگر ہماری یہ خوش خیالی
جو ہم کو برباد کر گئی تھی
ہوا تھمی تھی ضرور لیکن
بڑی ہی مدت گزر گئی تھی

سرسبز لان میں موجود درختوں کے پار سورج دھیرے دھیرے غروب ہو رہا تھا۔ ایک اور دن تمام تر مصروفیات الجھنوں سمیت پردۂ مغرب میں ڈھلنے جا رہا تھا۔ اس کے اندر بھی رخصت ہوتی اسی شام میں ویرانی پنجے گاڑھ کر بیٹھ گئی تھی۔ کل شام جب وہ لان میں کین کی کرسی پر بیٹھی ہیڈ سیٹ کانوں پر چڑھا کر میوزک انجوائے کر رہی تھی، پپا کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی۔ اس نے سرسری سے نگاہ ڈالی اور فضہ کا بیک کیا

ہوا کیک کھانے میں مشغول ہو گئی تھی۔

پپا ان کی سمت آنے کی بجائے گاڑی سے نکل کر سیدھے اپنے بیڈ روم میں چلے گئے تھے۔ یہ کوئی ایسی چونکا دینے والی بات تو نہیں تھی۔ کم از کم اس کے لئے مگر مما ضرور پریشان ہوئی تھیں جبھی اپنا چائے کا مگ چھوڑ کر خود بھی ان کے پیچھے چلی گئی تھیں۔

"مجھے لگتا ہے کوئی پرابلم ہے......؟"

فضہ نے اٹھ کر اس کے سر سے ہیڈ سیٹ اتار کر رکھتے ہوئے اپنی تشویش کا اظہار کیا تھا۔ ایمان نے خفگی سے اسے دیکھا اور نفرت سے سر جھٹک دیا تھا۔

"تم پاکستانی عوام ہونے کا پورا پورا ثبوت دیا کرو۔ ہر بات میں تشویش، ہر بات میں گھبراہٹ......؟"

وہ فطرتاً بے نیاز تھی اور کچھ بے حس بھی۔ یہ دوسرا خالصتاً فضہ کا خیال تھا۔ فضہ کے ساتھ مما بھی کچھ دنوں سے پپا کو پریشان محسوس کر رہی تھیں مگر مما کے کریدنے پہ بھی انہوں نے کچھ بتا کر نہیں دیا تھا، سوائے اس کے کہ آفیشل پرابلم ہے۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے بہت پریشان تھے اور اپنا اضطراب ظاہر کرنے سے گریزاں تھے۔ مگر یہ بھی صحیح تھا کہ ان کی پریشانی ان کی ہر ادا سے چھلکتی تھی۔ وہ راتوں کو سوچیں پال رہے تھے۔ ناشتہ کھانا معمول سے کہیں کم ہو کر رہ گیا تھا۔ گم سم اپنی سوچوں میں کھوئے ہوئے۔ کوئی ان سے بات کرتا تو وہ یوں بڑبڑاتے۔ غرض وہ پریشان تھے اور پریشانی کی نوعیت بہت سنگین تھی۔ یہ اندازہ ان کو سمجھنے والا بآسانی لگا سکتا تھا۔

"میں دیکھوں اندر جا کے......؟ شاید پاپا کی طبیعت ٹھیک نہ ہو......؟"

فضہ کی بے چینی عروج پہ جا پہنچی۔ ایمان نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

"ماما کے آنے کا تو انتظار کرو۔ صبر تو تم میں ہے ہی نہیں۔"

وہ اطمینان سے کہاوں سے انصاف کر رہی تھی۔ فضہ گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی۔ مگر جب خاصی دیر تک ماما بھی باہر نہیں آئیں تو فضہ کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ اٹھی تھی اور آہستگی سے چلتی اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی۔ ایمان کی پکار کو نظر انداز کرتے ہوئے۔ ایمان کو اس کی اس بے اعتنائی پہ غصہ سا آیا تھا مگر کاندھے اچکا کر وہ اپنے گود میں رکھے سیل فون کی سمت متوجہ ہو گئی جس پہ اس کی فرینڈ نیہاں کا میسج آ رہا تھا۔ نیہاں اس سے کل کالج آنے یا نہ آنے کے متعلق پوچھ رہی تھی۔ وہ اسے جواب لکھنے بیٹھ گئی۔

"میں نہیں آؤں گی تم بھی مت جانا۔"

"کیوں......؟ کل تم ڈولی چڑھ رہی ہو کیا......؟ آرام سے چلی آؤ ورنہ اغواء کروا لوں گی۔"

نیہاں نے اگلے ہی لمحے پھر سے دوبارہ میسج بھیج دیا۔ وہ پڑھ کر مسکرانے لگی۔

"بے چین روح ہو تم...... بہر حال ڈولی نہ بھی چڑھنا ہو، میں نہیں آ رہی۔ ہمیں ایگزیم کی تیاری کے لئے کہا گیا ہے، پھر کالج جا کے جھک مارنے کی کیا ضرورت ہے......؟"

"اور گھر پہ میوزک سن کر، مووی دیکھ کر مروں سے شرط باندھ کر سو کر تم جتنی پڑھائی کر رہی ہو۔ مجھے سب پتا ہے۔"

نیہاں نے اسے کال کر لی تھی اور اب برس رہی تھی۔ وہ جواباً ہنسنے لگی۔

"تمہیں تو پتا ہے تھوڑا بہت پڑھ کر بھی ٹاپ کر لیتی ہوں، تمہاری طرح کوڑھ مغز نہیں ہوں۔"

"بکو مت..... ! مجھے اشعر سے ملنا ہے۔ بس تم آ رہی ہو۔"

نیہاں کے لہجے میں دھونس بھری تیزی تھی وہ چلبلا اٹھی۔

پھر تو ہرگز نہیں آؤں گی۔ سخت زہر لگتا ہے مجھے تمہارا وہ مائیکل جیکسن.....؟"

اسے سوکھا سڑا، بانس سا اشعر، ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا، مگر نیہاں اس سے زیادہ اس کی شاعری پر ریجھ گئی تھی۔ اشعر کا دعویٰ تھا وہ آنے والے وقتوں میں بہت بڑا شاعر بننے والا ہے۔

"بکواس مت کرو..... ! خبردار جو اسے کچھ کہا ہو تو.....؟"

نیہاں حسب توقع بھڑک اٹھی۔ وہ زور زور سے ہنسنے لگی اسے چڑا کر ایمان کو ہمیشہ ہی بہت لطف آیا کرتا تھا۔

"اگر تمہاری یہ فضول گوئی ختم ہو گئی ہو تو میری بھی سن لو.....!"

فضہ تقریباً پچھلے پانچ منٹ سے اس کے سامنے کھڑی گویا اس کی توجہ کی منتظر تھی۔ بالآخر تنگی سے بولی۔ ایمان نے ایک نگاہ غلط انداز سے ڈالی اور گفتگو کو سمیٹنے کی غرض سے بولی تھی۔

"اوکے نیہاں..... ! میں چلوں گی تمہارے ساتھ کل کالج۔ کیا یاد کرو گی.....؟ کس سخی سے پالا پڑا ہے۔"

انداز احسان جتلانے والا تھا۔ نیہاں کھی کھی کرنے لگی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے کل کالج جانے کی.....؟"

فضہ نے اسے سیل فون ٹیبل پہ رکھتے دیکھ کر کسی قدر تلخی سے کہا تو ایمان نے چونک کر اس کی صورت دیکھی جہاں خفگی کے ساتھ تلخی و پریشانی کا عکس بھی بہت واضح تھا۔

"غصہ کس بات پہ آ رہا ہے.....؟ ماما نے ڈانٹ تو نہیں دیا.....؟ میں نے منع بھی کیا تھا۔ انتہائی غیر معقول حرکت کی مرتکب ہوئی ہو، میاں بیوی کی پرسنل گفتگو کو سننے کی کوشش میں.....؟"

وہ اس غیر سنجیدگی سمیت مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے شرارتی انداز میں کہہ رہی تھی۔ فضہ نے بہت جھلاہٹ آمیز نظروں اسے گھورا تھا۔

"فار گاڈ سیک..... ! ایمان..... ! کبھی تو سنجیدہ بھی ہو جایا کرو۔"

اس نے جیسے ماتھا پیٹ لیا تھا۔ ایمان نے منہ بنالیا۔

"کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے آخر.....؟ کچھ بتاؤ بھی.....؟"

"پہاڑ تو واقعی ہی ٹوٹا ہے۔ اب جو بیتے گی وہ مجھ پر، اکیلی پہ نہیں بیتے گی۔ ماما کا موڈ سخت آف ہے۔"

"تم سسپنس پھیلانا موقوف کرو اور مجھے اصل بات بتاؤ.....!"

ایمان نے اب کی مرتبہ اسے ٹوک دیا تھا۔ فضہ نے ایک ملول قسم کی سانس بھری پھر آہستگی سے بولتی تھی۔

"پاپا کو بزنس میں کسی پریشانی کا سامنا ہے۔ زیادہ تفصیلی مسائل تو شیئر نہیں کئے ہم سے، بس یہ کہہ رہے ہیں، ہم لوگ ماما سمیت گاؤں چلے جائیں اور کچھ عرصہ وہیں رہیں۔"

"واٹ.....؟ گاؤں کیوں.....؟"

وہ زور سے چیخی تھی۔

"پتہ نہیں..... ! مجھے جتنا معلوم ہو سکا، تمہیں بتا دیا ہے۔ ماما بہت اپ سیٹ ہیں۔ مجھے تو پاپا نے بلا کر اپنی پیکنگ وغیرہ کرنے کا کہا ہے، کل ہمیں یہاں سے جانا ہوگا۔"

فضہ بتا رہی تھی اور ایمان کے اندر بھونچال سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"ایسی کون سی قیامت آ گئی ہے آخر کہ ہم یہاں نہیں رہ سکتے.....؟ تاؤ جی کے گھر کیوں رہیں ہم آخر.....؟ امپاسبل..... ! میں خود پاپا سے بات کرتی ہوں۔"

وہ تن فن کرتی اٹھ گئی تھی۔ مگر پاپا سے بات کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ وہ صورت سے ہی اتنے پریشان لگ رہے تھے کہ وہ کچھ اور الجھ گئی تھی۔ مختلف سوال پوچھ ڈالے جن کے آدھے ادھورے، غیر مطمئن جواب ملے تھے۔ وہ ذہنی خلجان کا شکار ہونے لگی۔

"آپ جانتے ہیں پاپا..... ! میرے لئے وہاں رہنا کس قدر دشوار ہوگا.....؟"

وہ اداس سی ہونے لگی تھی۔

"آئی نو بیٹا..... اگر میں کوشش کروں گا حالات جلدی سنبھال سکوں۔ پھر میں آپ کو واپس بلا لوں گا۔"

انہوں نے اپنی بے حد چہیتی بیٹی کو ایک ایسی تسلی دی جس پر انہیں خود بھی یقین نہیں تھا۔

"میری اسٹڈی بہت متاثر ہوگی۔ میں وہاں پڑھ نہیں پاؤں گی۔ تاؤ جی کے گھر کا ماحول بہت ان کمفرٹیبل ہے۔"

اس کے پاس لاتعداد جواز تھے۔

"بیٹا..... ! ابھی آپ کالج سے فری ہو۔ ایگزیم کے دنوں میں آپ کو شہر بلوا لوں گا۔"

انہوں نے پھر اسے ڈھارس دی تھی۔

"اپنے پاپا کی مجبوری کا خیال کرو بیٹا..... ! پاپا آل ریڈی بہت اپ سیٹ ہیں۔ پلیز.....!"

انہوں نے جتنی ہمت سے یہ بات کی تھی، پھر بھی وہ ان سے سخت خفا ہو گئی تھی۔ رات بھی اس نے کھانا نہیں کھایا تھا اور اب ناشتہ کرنے کو بھی نیچے اتر کر نہیں آئی۔ حالانکہ پاپا نے ملازمہ کو بھیجا تھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

اس نے زود رنجی سے کہہ دیا تھا۔ اس کا خیال تھا پاپا ہمیشہ کی طرح اسے منانے آئیں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس کی خفگی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

نازنین اور ارتضٰی شاہ کی محبت کی شادی تھی۔ ارتضٰی شاہ گاؤں کا سادہ مزاج سا لڑکا تھا جسے اپنی اسی سادگی کی بنا پر اپنی بے پناہ وجاہت اور خوب صورتی تک کا بھی احساس نہیں تھا مگر نازنین کو اس کی یہی خوبروئی بھا گئی تھی۔ ارتضٰی کی سمت پہلا قدم اسی نے بڑھایا تھا اور پھر یہ فاصلے مٹتے چلے گئے تھے دونوں کی تعلیم مکمل ہوئی تو محبت اس انتہا پہ جا پہنچی تھی جہاں جدائی کا تصور بہت جان لیوا ہوا کرتا ہے۔ نازنین کسی بھی قیمت پہ ارتضٰی کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ بہت زیادہ امیر نہیں تھے، مگر کھاتے پیتے لوگوں میں شمار

ہوتا تھا۔

''تم اپنے پیرنٹس کو بھیجو ناں میرے گھر......؟''

نازنین کے اصرار پہ ارتضیٰ نے جھجکتے ہوئے اماں پہ اپنی پسند ظاہر کی تھی۔ اور اماں جو اپنی بھانجی کے لئے سوچے بیٹھی تھیں، اتنا گھبرائیں کہ رونے بیٹھ گئیں۔ ایسے میں بھابھو آگے بڑھیں تھیں ان کی مدد کو۔ بھابھو جو اماں کی بھانجی اور ناہید کی بڑی بہن تھیں۔

''پریشان مت ہو اماں......! اماں کو میں سمجھا لوں گی۔ ارتضیٰ پڑھ لکھ گیا ہے، اسے لڑکی بھی اس کے مطابق کی سجے گی۔''

''یہ کیا بات ہوئی......؟ میں نے تو ناہید......''

''اماں......! ہمیں اپنے بچوں کی خوشی کا خیال رکھنا چاہئے۔ ناہید کے لئے بھی رب سوہنا کوئی بہتر فیصلہ ہی کرے گا۔ وہ معاملہ جو گھمبیر ہو سکتا تھا، بھابھو کی نرم طبیعت اور معاملہ فہمی کی بنا پر چٹکیوں میں حل ہو گیا۔

''بہت شکریہ بھابھو......! میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔''

ارتضیٰ واقعی بہت مشکور ہو گئے تھے۔ بھابھو گود میں لیٹے اسید کو کاندھے سے لگا کر تھپکتے ہوئے ہنس پڑیں۔

''کملے......! شکریہ تو غیروں کا ادا کیا جاتا ہے۔ ہم تو تیرے اپنے ہیں۔''

اور انہوں نے یہ بات محض کہی نہیں تھی، نبھا کے بھی دکھا دی تھی۔ ارتضیٰ کو اکثر ایسا لگتا، جیسے بھابھو مصطفیٰ بھائی سے بھی زیادہ ان سب سے محبت کرتی ہیں۔ مصطفیٰ بھائی تو سارا دن کھیتوں پہ گزارتے تھے۔ بھابھو ہی اماں اور ابے کے ساتھ پیار کرتی اور جس طرح کا ان کا سلوک تھا دونوں ہی بہو کی تعریفوں میں رطب اللسان رہا کرتے تھے۔ ارتضیٰ کی شادی پہ اماں ابے اور بھائی کے ساتھ بھابھو نے بھی دل کھول کر ارمان نکالے تھے مگر نازنین چند دن کے بعد ہی اُکتا گئی تھیں۔ ارتضیٰ سے واپس شہر جانے کا مطالبہ کر دیا تھا۔

''چلیں گے بابا......! ابھی کچھ دن تو یہاں رہو۔ سب کیا سوچیں گے......؟''

ارتضیٰ کے سمجھانے پہ وہ جھٹکے سے اُکھڑنے لگی تھیں۔

''کیا سوچیں گے......؟ سب کو پتا ہے میں یہاں نہیں رہ سکتی۔''

''مگر کچھ دن تو......''

''کچھ دن بھی نہیں......! دیکھو کتنی گرد ہے یہاں۔ مجھے الرجی ہے گرد سے۔ اسکن دیکھو میری، چند دنوں میں کیسی رف ہو گئی ہے۔ ارتضیٰ......! میں تمہاری بھابھو کی طرح گاؤں کی عورت نہیں ہوں جو تین بچوں کے ساتھ جانوروں اور گھر کی بھی دیکھ بھال کر لیتی ہے۔''

نازنین کے لہجے میں حقارت کے ساتھ ساتھ تضحیک بھی در آئی تھی۔

ارتضیٰ کو بھابھو کے لئے اس کا یہ لہجہ پسند نہیں آیا تھا اور شادی کے محض پانچویں روز ان کی پہلی لڑائی ہوئی تھی۔ جس کے نتیجے میں اس وقت بیگ تیار کر کے نازنین جانے کو تیار ہو گئی تھیں۔

''یہ کیا کر رہی ہو نازو......! پاگل ہو گئی ہو کیا......؟''

ارتضیٰ صورت حال کو بگڑتے دیکھ کر بوکھلا گئے تھے۔

''تمہیں مجھ سے زیادہ اپنی بھاوج کا خیال ہے۔ رہو اس کے کھونٹے سے لگ کر۔''

انہوں نے پھنکار کر کہا تھا۔ ارتضیٰ اس کی بلند آواز پہ بوکھلا گئے اور اُٹھ کر کمرے کی واحد کھلی کھڑکی بند کی۔

''آہستہ تو بولو......! وہ اتنی اچھی ہیں۔ تمہیں پتا ہے کہ انہی کی وجہ سے ہماری شادی......''

''کیوں آہستہ بولوں......؟ میں تمہاری طرح نہ بزدل ہوں نہ کسی سے ڈرتی ہوں۔ اور ان کا احسان ہوگا کوئی، تو وہ تم پر ہوگا، مجھے......؟ میں بالکل لحاظ نہیں کروں گی۔''

وہ پہلے سے زیادہ بلند آواز میں پھنکار پھنکار کر بولیں۔ جس سے یہ ہوا تھا کہ ابے کے ساتھ اماں اور بھابھو نے بھی بہت کچھ سن لیا تھا۔ مگر کسی نے بھی ارتضیٰ سے کچھ نہ کہا۔ اماں نے بہت سبھاؤ سے بات کی تھی اور خوش دلی سے انہیں شہر میں جانے کی اجازت دے کر رخصت کر رہا تھا۔

ارتضیٰ کے دل پہ بوجھ تھا۔ شہر میں انہوں نے کاروبار شروع کیا تو پیسے کی ضرورت پیش آئی تھی کہ جس فیکٹری میں وہ منیجر تھے، اس کے اونر کا اچانک انتقال ہو گیا تھا۔ اس کا بیٹا فیکٹری کو اونے پونے بیچ کر خود انگلینڈ جانا چاہ رہا تھا۔ ارتضیٰ چاہتے تھے۔ یہ فیکٹری وہی خرید لیں۔ انہوں نے مصطفیٰ بھائی سے بات کی تو انہوں نے اپنے پاس جمع شدہ پیسہ دے دیا۔ مگر وہ بہت کم تھا۔ بینک سے لون لے کر بھی پوری نہیں پڑ رہی تھی۔

تب مصطفیٰ بھائی نے زمینوں سے ان کا حصہ انہیں دے دیا تھا جسے بیچ کر انہوں نے فیکٹری خرید لی تھی۔ پھر تو گزرتے دنوں کے ساتھ ان کے حالات بدلتے چلے گئے تھے اور اسی حساب سے نازنین کا نخرہ بھی۔ خود تو وہ گاؤں جاتی ہی نہیں تھیں، ارتضیٰ شروع شروع میں دونوں بچیوں کے ساتھ چکر لگا آتے۔

اماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ ابا بھی کبھار ایک آدھ دن کو آجاتے مگر نازنین کا رویہ ایسا تھا کہ ابا تو ابا، مصطفیٰ بھائی اور بھابھو نے بھی آنا بہت کم کر دیا تھا۔ اگر مصطفیٰ بھائی آتے بھی تو ارتضیٰ سے آفس میں ہی مل کر چلے جاتے۔

وقت کچھ اور آگے سرک گیا۔ بچے بڑے ہو گئے تھے۔ ارتضیٰ اپنی بے تحاشا مصروفیت کے باعث گاؤں کے لئے وقت ہی نہ نکال پاتے۔ مصطفیٰ بھائی موسم کا پھل اور سبزیاں وغیرہ باقاعدگی سے بھجوایا کرتے تو ساتھ میں خالص دیسی گھی، مکئی کا آٹا، ساگ وغیرہ بھی ہوتا۔ نازنین ہر مرتبہ اس سوغات کو پا کر ناک منہ ضرور چڑھایا کرتیں۔

''سو بار منع کیا ہے، مت بھیجا کریں۔ مگر عجیب ڈھیٹ لوگ ہیں، باز ہی نہیں آتے۔''

''ماما......! کسی کی محبت والے تحفے کو ناقدری اور نخوت سے نہیں ٹھکراتے۔ مجھے تو یہ سب کچھ بہت اچھا لگتا ہے۔''

فضہ جی جان سے ساری چیزیں وصول کرتے ہوئے کہا کرتی اور ماما کا موڈ سخت آف ہو جاتا کہ ان کی اس بیٹی کا مزاج اور عادتیں بالکل اپنے باپ جیسی تھیں۔ جیسی تڑپ ان کے اندر تھی اپنے رشتوں کی، ویسی ہی قدر فضہ کے دل میں تھی۔

''تو اب کی بار تمہارے تایا لے کر آئیں تو یہ سب انہیں اتنا ہی دے کر جایا کریں جتنا تم دونوں باپ بیٹی کھا سکو۔ میں اور ایمی تو منہ بھی نہیں لگاتیں ان فضول چیزوں کو۔''

وہ رعونت سے کہتیں اور فضہ منہ ہی منہ میں استغفر اللہ پڑھنے لگتی۔ اسے اکثر خوف آتا ماما کے غرور سے۔

''آپ کو کیا پتا یہ ساری چیزیں بھی کم پڑ جاتی ہیں۔ میری ساری فرینڈز کو ساگ، مکی کی روٹی، مکھن، گھی اور گنے وغیرہ کتنے پسند ہیں۔ مانگ کر لیتی ہیں مجھ سے۔ میرا تو کئی بار جی چاہا کہ تاؤ جی سے اور زیادہ کی فرمائش کروں۔''

وہ شوخی سے آنکھیں نچا کر بولتی تو ماما اسے گھورتیں ہوئیں اُٹھ جاتیں۔

اور اب جبکہ ارتضٰی نے یہ مژدہ سنا تھا کہ انہیں وہاں جا کے رہنا ہے تو انہیں لگ رہا تھا ان کی انا کی موت سے خروج ہوئی ہے۔ ان کا ارتضٰی سے بڑا زوردار جھگڑا ہوا تھا مگر وہ اپنی ضد اور موقف سے نہیں ہٹے تھے۔ ہار انہیں ہی ماننا پڑی تھی اور اس بار نے انہیں بہت شکستہ کر ڈالا تھا۔

☆☆☆

تمہیں، مجھ سے گلہ کیا ہے......؟

اچانک بے رخی اتنی

بتاؤ تو ہوا کیا ہے

مناؤں کس طرح تم کو......؟

مجھے اتنا تو بتلا دو

اگر اب ہو سکے تم سے

تو یہ احسان فرما دو

میری منزل محبت ہے

مجھے منزل پہ پہنچا دو

تمہاری آنکھ میں آنسو

مجھے اچھے نہیں لگتے

تمہارے نرم ہونٹوں پہ

گلے اچھے نہیں لگتے

تمہارے مسکرانے سے

میرا دل مسکراتا ہے

تمہارے روٹھ جانے سے

میرا دل روٹھ جاتا ہے

فضہ نے گنگناتے ہوئے اس کے گلے میں اپنے دونوں بازو حمائل کر دیئے تھے جنہیں اگلے ہی لمحے اس نے بہت زور سے جھٹک دیا اور آنسوؤں سے جل تھل آنکھوں میں شکایتیں لئے اسے دیکھا۔

''بات مت کرو مجھ سے، تم تو بہت خوش ہو گی۔''

''اف......! اتنی بدگمانی......؟''

فضہ کراہی۔

''یہ پکے جھپکے پیکنگ کرنا، یہ سولہ سنگھار کر کے تیار ہونا، کس سمت اشارہ کر رہا ہے......؟''

وہ پھولے ہوئے منہ کے ساتھ بولی اور فضہ نے کاندھے اُچکا دیئے۔

''میں قسمت اور حالات پہ شاکی ہونے کی بجائے ایڈجسٹمنٹ اور راضی بارضا رہنے پہ یقین رکھتی ہوں۔ کہتے ہیں ناں اللہ کے ہر کام میں ہمارے لئے مصلحت ہوا کرتی ہے، پھر بھی دیکھو ناں اس سارے ایڈونچر میں کتنی تھرل کا احساس ہے۔ گاؤں جانا، وہاں رہنا اور سنا ہے تاؤ جی کے تین تین بیٹے بھی ہیں۔ ہو سکتا ہے ہینڈسم بھی ہوں اور پڑھے لکھے بھی۔ بالکل کہانیوں، ناولز، فلموں کی طرح۔''

فضہ کی خباثت اور شرارت عروج پہ تھی۔ ایمان نے اس کی بڑائی کا لحاظ رکھے بغیر تاک کر اسے کشن کھینچ مارا تھا۔

''کتنے ہی ہینڈسم اور پڑھے لکھے ہوں، مگر میرا اسٹینڈرڈ اتنا نہیں گرا ہے، بہرحال......!''

اس کے لہجے میں تکبر کے ساتھ ساتھ بے اعتنائی اور اپنی ذات کا زعم بھی تھا۔ فضہ ٹھنڈا سانس بھر کے خاموش ہو رہی۔

''چلو مجھے ہی بتا دو، میں تمہاری پیکنگ کر دیتی ہوں۔ ویسے پاپا کا خصوصی آرڈر ہے کہ ڈھنگ کے کپڑے ہی وہاں پہن کر جائیں۔''

اسے آمادہ نہ دیکھ کر فضہ کو ہی اُٹھنا پڑا، مگر ساتھ ہی گویا حد بھی لگا دی۔ ایمان نے چونک کر اسے دیکھا۔ پیشانی پہ ناگواری کی بہت واضح شکنیں نمودار ہو گئی تھیں۔

''کیا مطلب ہے ان کا اس بات سے......؟''

وہ کس قدر بھڑک کر بولی تھی۔ فضہ جو اس کی وارڈ روب کھولے کھڑی تھی، اس کے کپڑے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''بھئی......! سیدھی سی بات ہے۔ پاپا نے وہاں تمام غیر اخلاقی لباس پہننے سے منع کیا ہے۔ صرف شلوار قمیص ہی لے جا سکو گی۔''

فضہ کی وضاحت پہ ایمان نے ہونٹوں کو باہم بھینچ لیا۔ اور ڈھونڈ ڈھانڈ کر اپنے دوپٹوں والے سوٹ نکالتی فضہ کو سلگتی نظروں سے گھورنے لگی۔

''تم رہنے دو، میں یہ کام خود کر لیتی ہوں۔''

اس نے درشتی سے ٹوک دیا۔

''ہائیں......؟ اتنی جلدی ہار مان لی......؟ کہیں کوئی خیال تاؤ جی کے کسی ہینڈسم بیٹے کا تو نہیں......؟''

فضہ کے شوخ لہجے میں شرارت ہی شرارت تھی۔ ایمان کا چہرہ ایک دم غصے کی سرخی سے دہک اُٹھا۔

''اب اگر تم نے یہ فضول بات دوبارہ کی تو میں سچ مچ تمہارا سر پھاڑ بیٹھوں گی۔''

وہ بولی نہیں، دھاڑی تھی۔ فضہ خائف سی ہو گئی۔

''اتنا غصہ کیوں کر رہی ہو......؟ اگر سچ مچ تمہارے دل نے تمہیں دغا دے دیا ہے تو یہ طنطنہ دھرا رہ

جائے گا۔"

وہ اب کی مرتبہ کسی قدر سنجیدگی سے گویا ہوئی تھی۔ مگر ایمان کا دماغ گھوم گیا تھا۔ منہ سے کچھ کہے بغیر اس نے فضہ کا ہاتھ پکڑ کر باہر دھکیلا تھا اور زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کر دیا تھا۔ فضہ کی ہنسی کی آواز اس کا دماغ سلگاتی رہی تھی۔

☆☆☆

اسے کہنا گلے ان ہی سے ہوتے ہیں
جو دل کے پاس ہوتے ہیں
شکایت ان سے ہوتی ہے
جو بے حد خاص ہوتے ہیں
میرا تجھ سے گلہ کرنا
تمہیں یوں ہی ولاسا دینا خفا کرنا
تیری تائید کے بدلے جفا کرنا
محبت کی علامت ہے
یہ الفت کی علامت ہے
محبت میں کبھی ہرگز اسے دل پہ نہیں لینا
اسے کہنا محبت کی توقع ان سے ہوتی ہے
کہ جن سے آس ہوتی ہے
گلے ان سے ہی ہوتے ہیں
جو دل کے پاس ہوتے ہیں

ٹرین کی چھکا چھک، بچوں کا شور، مسافروں کی دھکم پیل، پھیری والوں کی پاٹ دار آوازیں، کچھ بھی تو اس کے گیان دھیان کو نہیں توڑ سکی تھیں۔ وہ بے حد خفا، بے حد روٹھی ہوئی سی بیٹھی تھی کہ ٹرین میں ہونے والے اس سفر نے اس کی خفگی، شکایت اور افسردگی کو کتنا بڑھا دیا تھا۔

"کیا پاپا ایک دم اتنے قلاش ہو گئے ہیں کہ ہمیں گاڑی میں گاؤں نہیں پہنچا سکے......؟"

اس کے لاتعداد شکوؤں میں ایک اور شکوے کا اضافہ ہوا تھا۔ کھڑکی سے رُخ پھیر کر وہ آنسو بھی بہا چکی تھی اور اس کے یہی آنسو یقیناً کتاب پڑھتی فضہ کی زیرک نگاہ کی زد میں آ گئے تھے کہ وہ اسے سنانے کو یہ نظم زیرِ لب پڑھنے لگی تھی۔

اس کی مدھم آواز پہ ٹرین کی وسل کبھی غالب آ جاتی، کبھی کسی بیچی جانے والی چیز کی تعریف میں طلب گار اس کے ذوق کا ندارک۔ ایمان بھی کون سا سننا چاہتی تھی جبھی بے رُخی سے منہ پھیرے رہی۔

فضہ نے ایک نظر اسے دیکھا پھر اپنے ساتھ لایا ہوا ٹفن کھول لیا۔ گرما گرم سینڈوچ اور سموسوں کی خوشبو بہت سرعت سے ڈبے میں پھیلی ہوئی تھی۔ فضہ نے پلیٹ نکال کر سینڈوچ اور سموسوں کے ساتھ کیچپ کی بوتل بھی نکال لی، ساتھ میں پیپسی کے ٹن پیک۔ اس نے اس قسم کی صورت حال میں بھی بڑے اہتمام کے ساتھ گویا انہیں لنچ پیش کیا تھا۔

ایمان نے تو تروخے پن سے انکار کر دیا، البتہ ماما موڈ کی خرابی کے باوجود کھانے کی طرف متوجہ ہو گئیں کہ رات کے بعد صبح بھی وہ اس ٹینشن میں ڈھنگ سے کچھ کھا نہیں سکی تھیں۔ مگر کب تک......؟ پیٹ کی طلب تو اپنی جگہ تھی۔

"تم بھی کھا لو ناں......! کب تک یہ احتجاج منانے کا ارادہ ہے......؟"

فضہ نے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے اپنی سمت دیکھتے بچوں کو سموسے دیتے ہوئے نرمی و حلاوت سے اسے بھی سمجھایا تھا۔ مگر اس کی طرف سے جواب نہیں آیا۔

"ایمی......! پلیز، کھا لو ناں......! مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے تمہارے بغیر۔"

فضہ نے گویا منت کی تھی۔ اس نے کان نہیں دھرا۔ فضہ نے پلیٹ رکھی اور اس کے گرد اپنا بازو حمائل کر دیا۔

"کب تک خفا رہو گی......؟ تم نے کل سے کچھ نہیں کھایا ہے۔"

"مر لینے دو مجھے بھوکے......!"

اس کی جانب سے سلگتا ہوا جواب موصول ہوا تھا، وہ بھی بھرائی ہوئی آواز میں۔

"اچھا بس......! ایسی خوف ناک باتیں مت کرو۔ ہم کون سا ہمیشہ کے لئے جا رہے ہیں......؟ دعا کی تھی صبح میں نے، جو بھی مسائل ہیں، خدا انہیں جلدی سے سلجھا دے۔ ہم پھر اپنے گھر واپس آ جائیں گے۔"

فضہ نے نرمی و حلاوت سمیت سمجھایا تو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو برسنے لگے۔ فضہ کا اپنا دل بھاری ہونے لگا۔ وہ جانتی تھی ایمان بہت جذباتی ہے۔ وہ کبھی گاؤں نہیں گئی تھی۔ گاؤں سے اسے ماما کی طرح ہی چڑ تھی۔ مگر اب پتا نہیں یہ ان کی آزمائش تھی یا پھر ماما کے ہی تکبر کی سزا کہ جنہیں کبھی کسی قابل نہیں جانا تھا، وقت نے انہی کے در پہ لا پٹخا تھا......؟

فضہ نے ادھر اُدھر کی باتوں کے دوران اسے ایک سموسہ اور سینڈوچ کھلا دیئے۔

"چائے پیو گی......؟"

پیپسی کے ٹن کی سیل توڑ کر اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اس نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ ایمان کو بے اختیار ہی اس پہ ٹوٹ کر پیار آ گیا۔ کیسے وہ ماں کی طرح سے اس کا خیال رکھ رہی تھی۔ گو کہ اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا مگر محض اس کی خاطر اس نے سر کو اثبات میں جنبش دی تھی۔ اور واقعی فضہ بہت مطمئن انداز میں چائے مگوں میں نکالنے میں مصروف ہو گئی تھی۔

☆☆☆

پتا نہیں سفر اتنا طویل تھا ہی نہیں جو اتنی جلدی منزل بھی آ گئی تھی۔ کھانے پینے کے بعد اس پہ سستی سی طاری ہوئی تو وہ وہیں ماما کی گود میں سر رکھے سو گئی تھی۔ دوبارہ آنکھ فضہ کے جگانے پہ کھلی تھی۔

"اٹھو بھئی......! اسٹیشن آ گیا ہے۔ اُترو......! فٹافٹ کرو......! یہاں گاڑی زیادہ دیر رُکتی نہیں ہے۔"

فضہ عجلت بھرے انداز میں سامان سمیٹ رہی تھی۔ ماما بھی اُٹھ کر اپنا بیگ اٹھانے لگیں۔ ایمان نے سخت اُکتاہٹ بھرے انداز میں کھڑکی سے باہر دیکھا۔ غیر مصروف سا اسٹیشن تھا، جس کی عمارت بھی خستہ اور بوسیدہ تھی۔ اِکا دُکا کھوکھے تھے جن میں ایک پان سگریٹ کا، تو دوسرا نان پکوڑوں والا۔ تیسرے پہ غالباً پھل سجے ہوئے تھے۔ چند ایک اونگھتے ہوئے مسافر بھی ٹوٹی بنچوں پہ بیٹھے تھے۔ البتہ ٹرین کے اندر ایک ہنگامہ بپا تھا۔

سامان گھسیٹتے اُترنے والوں نے سر پہ اُٹھایا ہوا تھا جن میں ایک فضہ کا دھان پان سا وجود بھی شامل تھا اور اسی کوشش میں اس کی ایڑی کے نیچے کسی خاتون کا پیر آ گیا۔ پھر تو پنجابی لب و لہجے میں آہ و بکا اور گالیوں کا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ فضہ کی معذرت اسی طوفان میں گھٹ کر اپنی حیثیت کھو بیٹھی۔

"پتا نہیں یہ شہر کے لوگ تو پنڈ والوں کو کیڑے مکوڑے سمجھ لیتے ہیں۔ حد ہے بھئی......!"

خاتون کی لعنت و ملامت ابھی تھمی نہیں تھی کہ ایک اسٹوڈنٹ نے اپنا پف جھٹکتے ہوئے لقمہ دیا تھا۔ فضہ کی خجالت کچھ اور بڑھ گئی۔ ایمان بے زاری سے یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے پاپا تو کہہ رہے تھے ہمیں اسٹیشن پہ کوئی لینے آئے گا۔ فون کر کے بتا دیا ہے۔ پتا نہیں کوئی پہنچا بھی ہے کہ نہیں......؟"

ماما کی اپنی اُلجھن تھی۔

"السلام علیکم......! میں عاقب حسن ہوں۔ مصطفیٰ شاہ کا بیٹا۔"

ایک مہذب گھمبیر آواز پہ ان کی گردنیں یکا یک انداز میں مڑی تھیں۔ سفید کھدر کی شلوار [illegible] کرتا، بلیک لیدر کی چپل۔ وہ ایک دراز قد کا اچھا خاصا خوبرو سا لڑکا تھا۔

"وعلیکم السلام......! کیسے ہو......؟"

ماما نے گویا مروتاً ہی شوہر کے بھتیجے کا احوال دریافت کیا تھا۔ جبکہ ایمان اس کا سرتا پا جائزہ لینے میں مصروف رہی۔

"الحمدللہ......! آپ لوگوں کو سفر میں کسی قسم کی پریشانی تو نہیں ہوئی......؟"

وہ جھک کر ان کے بیگ اُٹھا رہا تھا۔ ایمان کے چہرے پہ تمسخر پھیل گیا۔

"اگر ہوئی بھی ہو تو کیا کریں گے آپ......؟"

ماما کے لہجے میں کاٹ دار طنز تھا، جہاں فضہ بے طرح گھبرائی تھی، وہاں عاقب حسن نے بہ [illegible] کر اسے گویا پہلی مرتبہ غور کر دیکھا تھا اور اس کے معصوم سے چہرے پہ موجود چھپی سی خفگی کو محسوس کر [illegible] داری سے مسکرا دیا۔

"ریلوے پولیس میں میرا کوئی عہدہ تو نہیں ہے، مگر [illegible] کی خاطر میں کسی سے بھی پنگا لے سکتا ہوں۔"

اس کے فریش لہجے میں خفیہ سی شرارت تھی۔ یقیناً وہ خوش [illegible] میں ہی بے تکلف ہونے والوں [illegible] سے ہوگا۔

"میری خاطر کیوں......؟"

وہ خواہ مخواہ چڑ گئی۔

"بھئی......! آپ میری کزن ہیں۔ آپ کی خاطر بھی اگر کوئی ایکشن نہ لوں تو فائدہ میرے اتنے جوان ہونے کا......؟"

جواباً وہ دانت نکال کر بولا۔ فضہ ہنس پڑی۔ جبکہ ایمان کا موڈ کچھ اور خراب ہو گیا تھا۔ وہ سامان اٹھائے ٹرین سے اُتر آئے۔ عاقب نے اتنا سامان اُٹھا رکھا تھا کہ ایمان کو اسے دیکھ کر اُلجھن ہونے لگی۔

"ماما......! قلی کر لیں بھئی......! مجھے لگ رہا ہے جیسے کسی گھوڑے پہ سامان لدا ہو۔"

ایمان کی ہنسی نکل گئی۔ فضہ نے اسے گھورا۔ اس کا خیال تھا عاقب نے لازماً مائنڈ کیا ہوگا۔ مگر اسے مسکراتے دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی تھی۔

"سوری......! یہ ایمی تھوڑا مذاق کی عادی ہے۔ آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا......؟"

فضہ کو ہر کسی کی فکر رہا کرتی تھی۔ ایمان اپنے بیگ سے چیونگم نکال کر لاپرواہی سے منہ میں ڈال رہی تھی۔

"نہیں بھئی......! ہم اتنے تنگ ذہن اور تنگ دل نہیں ہیں کہ ایسی باتوں سے مائنڈ کر جائیں۔ یہ تو ہماری ننھی سی بہن ہیں۔"

عاقب نے اس شائستگی سے کہا تو پہلی بار ایمان کو تھوڑی سی ہمت نے گھیرا تھا۔ ایسی ہی باتوں کے دوران وہ لوگ اسٹیشن کی عمارت سے نکل آئے۔ سامنے ایک ہی پکی سڑک تھی جس کے دونوں اطراف کھیت تھے۔ [illegible] ہواؤں نے ان کا استقبال کیا تھا۔ ایمان کا خیال تھا وہ انہیں تانگے میں لے کر جائے گا۔ مگر اسے ایک سائیڈ پہ کھڑی سفید کرولا کی طرف بڑھتے دیکھ کر اسے بے اختیار سکون کا احساس ہوا۔

فضہ اس رستے تاؤ جی، تائی ماں، دادا کے علاوہ ولید اور عاشر کی خیریت دریافت کر رہی تھی۔ عاقب انہیں سب کے متعلق تفصیل سے بتاتا رہا۔

"دادا بیمار رہنے لگے ہیں۔ اب آپ تو یقیناً ٹھیک ہو جائیں گے۔"

اس نے اپنی بات کے اختتام پہ قدرے شرارت سے ان کی سمت دیکھا۔

"اب کیسے......؟"

فضہ نے دلچسپی سے اس کی بات کو آگے بڑھایا۔ وہ ڈگی میں سامان رکھ کر انہیں پچھلی سیٹوں پہ بٹھانے کے بعد خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا تھا۔

ان کی شدید خواہشوں میں سے ایک خواہش اپنی پوتیوں کے ساتھ وقت گزارنے کی بھی رہی ہے ناں......! جب سے آپ کی آمد سے باخبر ہوئے ہیں، آدھی بیماری تب سے ہی رخصت ہو گئی ہے۔"

وہ ہنس کر وضاحت کر رہا تھا۔ ایمان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

"جانے کس کس کی خواہشوں اور دعاؤں نے آج ہمیں اس موڑ پہ لا کھڑا کیا ہے......؟"

وہ نئے سرے سے کھلنے لگی۔ جبکہ فضہ یقیناً خوش ہو گئی تھی تبھی اس کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور کھڑکی کی طرف رخ پھیر لیا۔

کھیت کھلیان پیچھے رہ گئے تھے۔ اب باغات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ امرود، مالٹوں اور سیب کے

"یہ گاڑی تمہاری اپنی ہے......؟"

ماما کی چپ ٹوٹی تھی اور انہوں نے پہلی بار کوئی سوال کیا تھا اور فضہ کے خیال میں انتہائی نامعقول۔

"نہیں، چچی جان......! یہ میرے دوست کی گاڑی ہے۔ آپ لوگوں کی سہولت کے لیے اس سے لایا ہوں۔ ہم پچھلے سال گاڑی لینا چاہ رہے تھے مگر ابا نے منع کر دیا۔ ہمارا ٹریکٹر بہت پرانا ہوگیا تھا۔ ابا چاہتے تھے گاڑی کی بجائے نیا ٹریکٹر لے لیا جائے، میں چلانے کے لئے۔"

وہ پھر تفصیل سنا رہا تھا۔ ایمان کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی......؟ وہ بے زاری سے باہر جھانکتی رہی۔ گاڑی اب ٹیوب ویل کے پاس سے گزر رہی تھی۔ ایک گدھا گاڑی جس پہ لکڑی کے کریٹ تھے، ان کی گاڑی کے آگے آ گئی تھی۔ عاقب نے رفتار ہلکی کر دی۔ ٹیوب ویل کا پانی سرعت سے نالوں سے ہوتا فصلوں کو سیراب کرتا جا رہا تھا۔

"تو کیا تم لوگ بھی بھائی مصطفیٰ کے ساتھ کھیتوں پہ کام کرتے ہو......؟"

ماما شاید سارا انٹرویو ابھی لینا چاہ رہی تھیں۔ فضہ نے عاقب حسن کے بیک ویو پر سے دکھائی دیتے چہرے پہ سادہ سی مسکان اُترتے دیکھی تھی۔

"جی......! میں تو شہر میں جاب کرتا ہوں۔ میرے پاس تو بہت کم وقت ہوتا ہے کہ ان کا ہاتھ بٹا سکوں۔ البتہ ولید اور اشعر چونکہ ابھی پڑھ رہے ہیں، تو وہ ضرور یہ کام دیکھ لیتے ہیں۔ یوں مل جل کے کام ہو ہی رہا ہے۔ شکر ہے اللہ کا......!"

فضہ نے بالخصوص محسوس کیا کہ اس کے لہجے و انداز میں ایک مخصوص قسم کی انکساری اور سادگی تھی۔

"افوہ......! اس کا مطلب، آج پھر آپ کو ہماری وجہ سے آف کرنا پڑا ہوگا......؟"

فضہ کو انجانی سی خفت نے گھیر لیا اور وہ اپنے فطری سادہ سے انداز میں ہنس پڑا۔

"ارے......! تکلیف کیسی......؟ میرے لئے تو یہ ہی بہت خوشی کی بات ہے کہ آپ لوگوں نے ہمیں اس قابل سمجھا کہ یہاں کچھ وقت گزارنے کے لئے آئے ہیں۔ آپ کا اپنا گھر ہے۔"

گو کہ عاقب کا انداز ہرگز بھی بہلانے والا نہیں تھا، اس کے باوجود ایمان کے دل میں ایک تیر سا پیوست ہوگیا۔ اس نے ایک بار پھر خود کو اسی یاسیت کے حصار میں گھرتے محسوس کیا تھا۔

☆☆☆

وہاں سب نے ان کا بہت پرتپاک استقبال کیا تھا۔ اتنی سردی کے باوجود تائی ماں نے ان کے لئے کولڈ ڈرنکس کا اہتمام کر رکھا تھا کہ گاؤں میں مہمان کو بوتل پلانا اس کی بہترین ضیافت کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔

"ارے......! نیک بخت......! چائے بنائی ہوتی۔ بچیاں ٹھنڈ سے آئی ہیں اور تم پانی پلا رہی ہو......؟"

تاؤ جی کے ٹوکنے پہ تائی ماں ہنس پڑی تھیں۔

"چائے بھی بناتی ہوں۔ انڈے اُبلنے کو رکھے ہیں، کیک پیسٹریاں اور بسکٹ نمکو تو میں نے صبح ہی ولی

سے منگوا لئے تھے۔ شہر سے لایا ہے۔ پیو پیو پتر......! تو اڈا اپنا گھر ہے۔"

تائی ماں، تاؤ جی کو مطمئن کرنے کے بعد محبت بھرے انداز میں فضہ اور ایمان کے سروں پہ ہاتھ پھیر کر لگاوٹ سے بولیں۔ ان کی نگاہوں میں اتنا والہانہ پن تھا، لہجے میں اتنی محبت کہ ایمان تو حیران رہ گئی تھی۔ ان کے چلنے پھرنے، بولنے، ہنسنے کے انداز سے ایک سرخوشی سی چھلکتی تھی۔

"یہ تائی ماں کے ہاتھ کون سا خزانہ لگ گیا ہے بھئی......! اتنی خوش لگتی ہے۔"

اس نے فضہ کے کان میں گھس کر تبصرہ کیا وہ جواباً اسے گھور کر رہ گئی۔

"شرم کرو......! بیچاری خوش ہو رہی ہیں، سادہ لوح ہیں، خوامخواہ شک مت کرو۔"

فضہ کے گھرکنے پہ اس نے جواباً دانت نکالے تھے اور راز داری سے بولی تھی۔

"مجھے تو کوئی گڑبڑ لگتی ہے۔"

"کیسی گڑبڑ......؟"

فضہ ٹھٹکی۔ اس نے کاندھے اُچکا دیئے۔

"فی الحال تو کچھ نہیں کہہ سکتی۔ مگر کوئی پس آئینہ حقیقت ضرور چھپی ہے۔"

اس نے تجسس پھیلایا۔ فضہ نے سر جھٹک دیا۔

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"آہ......! کاش میں بھی ایسی ہی بے حس، لاپرواہ ہوتی۔"

اسے حقیقتاً فضہ کے سکون نے شک میں مبتلا کر ڈالا تھا۔

☆☆☆

وہ کھانے کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ چائے پی اور وہیں سیدھی سیدھی لیٹ کر بے خبر ہوگئی۔ تھکان ایسی تھی کہ پھر کچھ ہوش ہی نہ رہا۔ اس کی نیند خراب نہ ہو، اسی لئے سب وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے تھے۔ ان کی آمد کی اطلاع پہ سب سے پہلے حرا آپا (تاؤ جی کی بیاہتا بیٹی) ان سے ملنے چلی آئی تھیں۔ سادگی، محبت، اپنائیت میں وہ بھی تائی ماں کا ہی عکس تھیں۔ ایسے ملیں گویا ہمیشہ سے میل ملاپ رہا ہو۔ لگتا ہی نہ تھا وہ پہلی بار مل رہی ہیں۔

"بھئی......! ایمان کہاں ہے......؟ اسے دیکھنے کا تو بھی بہت ہی شوق ہے۔"

انہوں نے فوراً اس کی کمی کو محسوس کر لیا تھا۔

"وہ اندر سو رہی ہے۔ تھوڑا نازک مزاج ہے، تھک گئی ہے۔"

فضہ ہنس کر بتا رہی تھی پھر جیسے کسی خیال کے تحت چونک کر گویا ہوئی تھی۔

"آپ ہمارے نام بھی جانتی ہیں۔ جبکہ ہم پہلی بار مل رہے ہیں۔"

حرا آپی اس کی بات پہ محظوظ ہوتی تھیں۔ پھر نرمی سے جواباً بولیں۔

"چاچو اکثر تم دونوں کا ذکر کرتے رہتے تھے جب بھی آتے، بلکہ دو سال پہلے جب وہ آخری بار ہم سے ملنے آئے، تب تم سب لوگوں کی تصویریں بھی لے کر آئے تھے، جواب بھی ہم نے بہت سنبھال کر رکھی ہیں۔"

"اور شکر ہے وہ صرف تصویریں ہی ہیں ورنہ اگر آپ ہوتیں تو یہ شاید آپ پہ بھی قبضہ جمانے کا سوچتیں۔"

عاقب حسن ہنستا ہوا اندر آیا تھا۔ فضہ نے اپنا ڈھلکتا ہوا۔ آنچل سرعت سے سنبھالا اور کسی قدر جھینپ گئی۔

"کوئی بات نہیں......! تب نہ سہی، ہم اب جوان پہ قبضہ جمانے والے ہیں۔"

حرا آپی کے لہجے میں محسوس کی جانے والی ذومعنیت تھی۔ فضہ چونک کر رہ گئی۔ اسے عاقب کی گرم نگاہوں کا احساس بہت شدت سے ہوا تھا۔

"ضروری تو نہیں ہے یہ قبضہ پسند بھی آئے......؟"

وہ سنبھل کر عاقب کی سمت متوجہ ہو گیا۔ فضہ کا دم اس معنی خیز قسم کی گفتگو میں کسی قدر الجھا۔

"بھئی......! زبردستی نہ سہی، ہم بھی محبت کے قائل ہیں، ڈونٹ وری......!"

حرا آپی کے لہجے میں اطمینان تھا۔ تبھی جینز اور شرٹس میں ملبوس دو لمبے تڑنگے لڑکے ایک دم اندر چلے آئے۔ مگر فضہ اور ماما پہ نگاہ پڑتے ہی وہ دونوں قدرے چونکے تھے۔

"السلام علیکم......! میں اشعر ہوں، آپ کے تایا جی کا چھوٹا بیٹا۔ اور یہ ولید بھائی ہیں، مجھ سے بڑے اور عاقب بھائی سے چھوٹے۔"

"سیدھی طرح کہو منجھلے......!"

فضہ نے بے تکلفی سے سلام کا جواب دے کر ہنستے ہوئے کہا تو جہاں اشعر خوشگوار قسم کی حیرت کا شکار ہوا تھا، وہاں ولید نے کسی قدر چونک کر بغور اس کی صورت دیکھی تھی اور اس کی متلاشی نگاہ لمحہ بھر میں پورے کمرے میں کسی کی کھوج میں بھٹک کر واپس جھک گئی، ایک عجیب سی نامرادی کے احساس کے ساتھ۔

فضہ نے بہت گہری نگاہوں سمیت اس کی آنکھوں کے بجھتے دیوں کا یہ منظر دیکھا تھا اور کچھ الجھ سی گئی۔

"آپ کیسے ہو ولید حسن......؟ سنا ہے آپ نے .... کر رہے ہیں......؟ آنے والے وقتوں میں پاکستان کی تاریخ کو دہراتے ہوئے ملک کی باگ دوڑ آپ کے ہاتھ میں نہ آ جائے، اس لئے ہم تو بھئی......! ابھی سے آپ سے بنا کر رکھنے کا سوچ چکے ہیں۔"

وہ ہنس رہی تھی۔ انداز کی اپنائیت اور بے تکلفی بامعنی تھی۔ ولید کے اعصاب کو دھچکا سا لگا۔ اس نے ایک بار پھر بہت دھیان سے فضہ کو دیکھا تھا۔

"بے فکر رہئے......! میرا آرمی میں نہیں پولیس میں جانے کا ارادہ ہے۔ اور پاکستان کی تاریخ میں فی الحال پولیس کی اتنی ترقی کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔"

جواباً اس کا لہجہ شائستہ اور دھیما تھا۔ فضہ محظوظ ہونے والے انداز میں ہنسنے لگی جس میں اس نے ہلکی سے مسکراہٹ کا ہی حصہ ڈالا تھا اور ماما کی سمت متوجہ ہو کر حال احوال دریافت کرنے لگا۔

پُر اثر، دھیما، اتنا گمبھیر اور متاثر کن لہجہ، اس پہ اس کی غضب کی مردانہ وجاہت۔ فضہ کی ہی نہیں، ماما کی نظروں سے بھی اس کے لئے پسندیدگی جھلک رہی تھی بلکہ وہ اس کی قابلیت کے بارے میں جان کر واضح طور پہ امپریس نظر آ رہی تھیں۔ وہ مختصری بات چیت کے بعد کمرے سے چلا گیا تھا۔

"ماشاء اللہ......! بھابھو......! آپ کے تینوں بچے ہی بہت قابل ہیں۔"

ماما کے لہجے میں حقیقی ستائش تھی۔

"اللہ کا احسان ہے......! اس کی عطا ہے۔"

تائی ماں کی انکساری کا وہی عالم تھا۔

ولید اپنے کمرے میں آیا تو پہلے ہی قدم پہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ وہ بہت گہری، پرسکون نیند کی آغوش میں تھی۔ چھوٹے چھوٹے زرد پھولوں والا آف وائٹ اور خوب صورت سی لیس سے مزین زرد کلر کے ہاف سلیو بلاؤز میں اس کا معصومیت بھرا نوخیز سراپا مدہم اندھیرے میں بھی جگمگا رہا تھا۔ دراز خمیدہ پلکوں کی جھالریں شہابی رخساروں پہ ساکن تھیں۔ لانبے گھنیرے سیاہ سلکتے بال بستر پہ بہت دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ وہ تو ایک نگاہ ڈال کر پچھتایا تھا کہ نگاہیں اس کے سراپے میں الجھ کر رہ گئی تھیں۔ مگر کسی مدھر کھنکار پہ وہ چونک کر متوجہ ہوا اور حرا آپا کو دیکھ کر بے تحاشا مضمحل ہو گیا۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ یہاں بھی......"

وہ خجل ہوا۔

"میرے کمرے میں کیوں سلا دیا انہیں......؟"

ایک فقرے کو ادھورا چھوڑ کر وہ دوسرے کو بمشکل مکمل کر پایا۔ انداز میں صاف کترایا پن تھا۔

"میں اسے ہی جگانے آئی ہوں، جب سے آئی ہے، سو رہی ہے، کھانا بھی نہیں کھایا۔"

آپی کی مسکان گہری ہو گئی تھی۔ وہ بولتی ہوئیں آگے بڑھ کر ایمان کے بال سہلا کر اسے جگانے لگیں۔

"ٹھیک ہے......! جگائیں انہیں، کھانا بھی کھلائیں، مگر براہ کرم آئندہ انہیں یہ بھی بتا دیجئے کہ یہ میرا کمرہ ہے۔"

اسے ان کی معنی خیز قسم کی مسکراہٹ نے جو تپش بخشی تھی، اسے بھلا کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ آپا نے پیچھے اس کی بات پہ کان ہی نہیں دھرا تھا اور دھیرے سے ایمان کو جگانے لگیں۔

☆☆☆

رات کا کھانا سر شام ہی کھا لیا گیا۔ کھانے پر خصوصی اہتمام تھا۔ چکن پلاؤ، چکن جل فریزی، تین قسم کے کباب، سلاد، سویٹ ڈش وغیرہ وغیرہ

فضہ نے یہ کھانا آپا کے ساتھ مل کر تیار کیا تھا اور اب اسی بے تکلفی سے کھا بھی رہی تھی۔ جبکہ ایمان کا جی پہلے نوالے سے ہی اوب گیا۔ اسے کھانے سے دھوئیں کی مہک آ رہی تھی۔

"کیا ہوا......؟ کھانا اچھا نہیں لگا بیٹا......؟"

تائی ماں کی نظریں گویا اسی پہ تھیں۔ اس کے چہرے کے بے زار کن زاویے کو ولید نے بطور خاص نوٹس کیا اور ناگواری سے چہرہ پھیر لیا۔ جبکہ وہ تائی ماں کے اس سوال پہ گڑبڑا گئی کہ تایا جی کے علاوہ دادا اور عاقب بھی ہاتھ روک کے سوالیہ نگاہوں سے اسے تکنے لگے تھے۔

"نہیں......! یہ بات نہیں، بس مجھے اتنی ہی بھوک تھی۔"

اس نے بات بنانا چاہی کہ جتنی بھی بے مروّت سہی، مگر بہرحال وہ ان پیارے لوگوں کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"لے.....! ابھی تو نے کھایا ہی کیا ہے.....؟ اتنے چڑی کا پیٹ بھرنے جتنے تو نے اپنی پلیٹ میں چاول نکالے، وہ بھی یوں ہی پڑے ہیں۔ کھا پتر.....! کھا، آرام سے۔"

تاؤجی نے خود اس کی پلیٹ بھر دی۔ کباب، دہی بھلے، سلاد، سالن، منٹوں میں اس کے آگے اتنی ساری چیزیں پیش کر دی گئیں۔ محض تاؤجی کا دھیان خود سے ہٹانے کی خاطر وہ کباب ٹھونسنے لگی اور پھر سب سے پہلے وہی دسترخوان سے اٹھی تھی۔

"آپ کی دلچسپی کس چیز میں ہے.....؟"

کچھ دیر بعد ہی اشعر اٹھ کر اس کے پیچھے آ گیا۔ وہ جو باہر برآمدے میں کھڑی گہری ہوتی رات اور آسمان پہ اُمڈتے بادلوں کو خاموش کھڑی دیکھ رہی تھی، ذرا سا چونکی اور پھر تلخی سے سر جھٹک دیا۔

"کچھ نہیں.....!"

اس کے انداز میں محسوس کیا جانے والا نخوت تھا، مگر اشعر نے پھر بھی کوئی تاثر نہیں دیا۔

"کچھ نہیں.....؟ یہ تو ممکن نہیں ہے۔"

پھر اس کے گھورنے پہ خفیف سا مسکراتے ہوئے گویا وضاحت دیتے ہوئے بولا تھا۔

"دیکھئے ناں.....! ہر انسان کو کسی نہ کسی چیز میں دلچسپی ہوتی ہے۔ جیسے مجھے کھیلوں میں، عاقب بھائی کو کتابوں میں، جبکہ ولی بھائی کو کمپیوٹر میں، اور ہماری آپا کو اپنے شوہر اور بچوں میں۔ اماں کو گھر داری میں، ابا کو اپنے کھیتوں اور فصلوں میں۔"

اس نے تحاشا گھورنے پہ دانت نکوستے ہوئے بے تکلفی سے کہا تھا۔

"بھئی.....! میں آپ کی بات کا جواب دے رہا تھا۔ ویسے اس وقت آپ کو یہاں کھڑے دیکھ کر پتا ہے مجھے کیا خیال آیا تھا.....؟"

وہ بڑی راز داری سے بولا۔ ایمان نے کسی قسم کا اشتیاق اور دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ تب بھی وہ اس ٹون میں بولتا رہا تھا۔ جیسے آسمان پہ تنہا اُداس چاند۔

"آپ ہمیشہ ہی اتنی خاموش رہتی ہیں.....؟ یہاں آنا اچھا نہیں لگا.....؟"

وہ پھر بے تکان سوال کر رہا تھا۔ ایمان نے اُچاٹ نظریں اس پہ جمائیں اور نروٹھے پن سے بولی تھی۔

"دوسری بات زیادہ صحیح ہے.....!"

اسے خبر بھی نہ ہوئی اور اس کے پیچھے دروازے پہ رُک کے کھڑے ولید حسن کی پیشانی پہ اس کے جواب نے ناگواری کے احساس کو یکلخت دوگنا کر دیا تھا۔

"اشعر.....!"

انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے کسی قدر بلند آواز سے پکارا تو دونوں ہی چونک کر مڑے تھے۔

"اپنے کمرے میں جاؤ.....! ابھی اسٹڈی پہ از خود بھی توجہ دے لیا کرو۔"

وہ برہمی سے کہہ کر لمبے ڈگ بھرتا صحن اور ڈیوڑھی کو عبور کرتا بیرونی دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ ایمان کو اس کا رویہ بہت شدت سے محسوس ہوا تھا۔ ایک تو توہین آمیز سا احساس اسے چھو کر گزر گیا۔

"چلتا ہوں.....! لگتا ہے بھائی کا مزاج آج گرم ہے۔ ویسے اگر آپ کو میری کمپنی کی ضرورت ہو تو میں دل و جان سے حاضر ہو جاؤں گا۔"

وہ کھلکھلاتا ہوا کہہ کر بیٹھک میں گھس گیا۔ ایمان وہیں کھڑی ہوئی ہونٹ چباتی رہی۔ ولید کے گھورنے پہ غور کرتی رہی تھی۔ گھر کے دیگر افراد کی طرح اس نے نہ تو اسے اہمیت دی تھی نہ ہی اس پر خصوصی توجہ۔ اس نے جانا تھا جیسے وہ اسے خصوصی طور پر نظر انداز کرتا رہا ہو۔

"مگر کیوں.....؟"

ایمان کی نازک طبع پہ ناگوار سا بوجھ پڑ گیا۔

"کیوں کر رہا ہے وہ میرے ساتھ ایسا.....؟ کیا ثابت کرنا چاہتا ہے کہ وہ بہت قابل ہے.....؟"

اس نے تنفر سے سوچا اور اگلے ہی لمحے وہ ٹھٹک گئی تھی۔

"کہیں اسے ہمارا یہاں آنا برا تو نہیں لگا.....؟ یقیناً یہی بات ہے.....!"

اس نے اپنی سوچ پہ خود ہی تصدیق کی مہر بھی ثبت کر والی۔ اس خیال کا پختہ ہونا تھا کہ اس پل گویا اس نے ولید سے ایک سر باندھ لیا تھا جو آنے والے وقتوں میں شدید تلخی کا باعث بن جاتا۔

☆☆☆

"ہائے.....! اینگری گرل.....!"

انہیں رہائش کے لئے بالائی حصہ دیا گیا تھا جس میں دو کمرے تھے۔ آگے برآمدہ، جسے یقیناً موسموں کی شدتوں سے محفوظ رکھنے کی غرض سے بھاری چقیں لٹکائی گئی تھیں۔ چھوٹا سا کچن بھی تھا، واش روم کی سہولت بھی موجود تھی، چھت پختہ تھی، دونوں کمروں کے بیچ دروازہ تھا جسے بند کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ ایک ہی کمرے میں فضہ نے سب کے سونے کا انتظام کر لیا تھا۔ دو سنگل نواری پلنگ موجود تھے۔ تائی ماں اپنا پلنگ بھی بچھوانا چاہ رہی تھیں، مگر فضہ نے منع کر دیا اور دوسرے کمرے میں بچھا میٹرس اٹھا کر اپنے سونے کا انتظام کر لیا۔

یہ ان کی آمد سے قبل یقیناً تینوں لڑکوں کے کمرے تھے۔ ایک اسٹڈی کے طور پہ استعمال ہوتا تھا، دوسرے میں سویا جاتا۔ فضہ نے ساری سیٹنگ ویسے ہی رہنے دی۔

پہلی رات تو ایمان کو سرے سے نیند نہیں آتی تھی۔ کروٹیں بدل بدل کر جب جسم اکڑ گیا تھا، اٹھ کر خاموشی سے ٹیرس پہ آ گئی۔ ٹیرس کا یہ دروازہ بیرونی گلی میں کھلتا تھا جس کے سامنے وسیع رقبہ پر پھیلے ہوئے کھیتوں کا سلسلہ تھا۔ اس کے آگے نہر بہتی تھی۔ ایمان کو یہاں سے نظارہ کرنا بہت بھایا تھا، جبھی وہ اکثر وہاں آ کھڑی ہوتی تھی۔

اس وقت بھی وہیں کھڑی تھی جب اشعر کی آواز پہ گردن موڑ کر سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا اور پھر سے اپنے سابقہ شغل میں مصروف ہو گئی۔

"کیا دیکھ رہی ہیں......؟"

وہ بڑھ کر اس کے مقابل آن کھڑا ہوا۔

"یہاں ہے ہی کیا ایسا قابل ذکر دیکھنے کو......؟"

اس کا لہجہ یہاں آ کر ایک مخصوص تلخی اور تمسخر کا شکار ہو رہا تھا۔

"لگتا ہے آپ کو ہمارا گاؤں بالکل پسند نہیں آیا......؟"

"مجھے تم بھی پسند نہیں آئے، صرف گاؤں کی بات مت کرو۔"

اس کا موڈ بے حد خراب تھا اور جب وہ اُداس ہوتی یا مزاج برہم ہوتا تب وہ یوں ہی بے حس ہی نہیں سفاک بھی ہو جایا کرتی تھی۔ یہ فضہ کا خیال تھا اور کسی قدر درست تھا۔

اشعر کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑ گیا مگر وہ بہت سرعت سے خود کو سنبھال چکا تھا۔

"دھیرے دھیرے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ویسے ہمارا گاؤں ابھی آپ نے دیکھا نہیں ہے۔ آیئے ناں......! میں آپ کو گاؤں دکھا کر لاؤں۔"

"مجھے نہیں دیکھنا۔"

اس نے اسی نخوت سے صاف انکار کر دیا۔

"میں کالج سے آتے ہوئے فرائی فش لایا ہوں۔ فضہ آپی نے اب تک پلیٹوں میں نکال لی ہوگی۔ میں آپ کو بلانے آیا تھا۔ دیکھئے......! باتوں میں بالکل بھول گیا۔"

وہ ماتھے پہ ہاتھ مار کر کہہ رہا تھا۔

"مجھے نہیں کھانا۔"

"لیکن آپ کو تو بہت پسند ہے۔"

وہ کسی قدر اچنبھے سے بولا۔

"تمہیں الہام ہوا ہے کہ مجھے پسند ہے......؟"

وہ جھلانے لگی۔ اب کی مرتبہ اشعر کے چہرے پہ خوب صورت سی مسکان بکھر گئی تھی۔

"جن لوگوں سے ہمیں محبت ہو، جن کی ذات سے دلچسپی ہو، ان کی پسند اور ناپسند کے بارے میں آگاہی حاصل کرنا اتنا مشکل کام تو نہیں ہے......؟"

"کیا مطلب ہے تمہاری اس بات سے......؟"

وہ بڑے جارحانہ انداز میں اسے گھور کر ڈانٹنے کے انداز میں بولیں تو اشعر ڈرنے کی اداکاری کرتا ہوا دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔

"بے فکر رہیں......! میں آپ کو اپنی بہن سمجھتا ہوں۔ قسم سے......!"

"گڈ......! ورنہ میں ابھی تمہارا چوکھٹا سینک کے رکھ دیتی۔"

وہ مسکراہٹ دبا کر بولی تو وہ اس کا موڈ بدلا ہوا پا کر بے ساختہ ریلیکس ہوا تھا۔

"مجھے بہت ہمدردی ہو رہی ہے اس بیچارے سے جس کا مستقبل آپ کے ساتھ تاریک ہونے والا ہے۔"

وہ شرارتاً بولا اور پھر زور سے ہنستا ہوا نیچے بھاگ گیا۔

"آ جائیں......! اگر فرائی فش کھانا ہے تو......؟"

وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے ہانک لگا رہا تھا۔ کچھ سوچ کر ایمان بھی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

آنگن میں خوشگوار سا شور تھا۔ فضہ، عاقب اور اشعر محلے کے دیگر بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے اور وہ اوپر اپنے کمرے کی کھڑکی سے کسی قدر خفگی سے فضہ کو دیکھے جا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ پیار کی جنم جنم کی پیاسی نہیں ہے۔

آپا اگلے دن چلی گئی۔ ہمیں جاتے ہوئے اپنی دعوت دے کر گئیں تھیں اپنے ہاں آنے کی۔ تب سے ان کی جگہ فضہ نے سنبھال لی تھی۔ کبھی آٹا گوندھ رہی ہے، کبھی سبزی بنا رہی ہے، کبھی چائے بنا کر سب کو پیش کر رہی ہے، کبھی گھر کی صفائی میں مگن۔ تائی ماں اسے روکتی رہ جاتیں، وہ اُلٹا خفا ہونے لگتی۔

"کیا یہ ہمارا گھر نہیں ہے تائی اماں......؟"

"ہے کیوں نہیں پتر......؟ پر تو مہمان ہے ناں......! اچھا نہیں لگتا۔ پھر کہاں عادت ہوگی تجھے ان کاموں کی......؟"

وہ بوکھلائی جاتیں۔

"ماما سے پوچھیں ذرا، سارا گھر میں نے ہی سنبھالا ہوا تھا۔ بہت سگھڑ لڑکی ہوں میں۔"

وہ خود ہی اپنی تعریفوں میں رطب اللسان ہو جاتی تو تائی ماں ہنس کر اسے پیار سے لپٹا لیتیں۔

"اچھی دھی رانیاں ایسی ہی ہوتی ہیں پتر......! خدا تیرا نصیب بہت سوہنا کرے، آمین......!"

وہ اس کی بلائیں لیتی دعاؤں سے نوازتے تکتی اور فضہ کا خون بڑھ جاتا۔ مگر بظاہر شرارت سے کہتی۔

"تو تائی ماں......! کیا ایمی اچھی دھی نہیں ہے......؟"

"ناں پتر......! وہ بھی بہت سوہنی ہے، بہت پیاری ہے۔"

"وہ تو گھر کا ایک کام بھی نہیں کرتی ناں......! اس لئے......!"

جواباً وہ دانت نکال کر وضاحت دیتی اور ایمی کا موڈ بگڑ جاتا۔

"میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔ مجھے کوئی شوق نہیں ہے خوامخواہ خود کو گھسانے کا۔"

"مجھے تو ہے......!"

فضہ کے اطمینان میں ذرا جو فرق آتا ہو۔

"کیوں کرتی ہو یہ سارا کچھ......؟"

وہ لڑنے کو تیار ہو جایا کرتی۔

"ہم یہاں رہتے ہیں، یہاں سے کھاتے ہیں، اگر اتنا سا کام کر دیتی ہوں تو کوئی احسان نہیں کرتی۔"

فضہ کا انداز نارمل ہوتا، اور وہ بھڑک اُٹھتی۔

''ہم یہاں کام کرنے نہیں آئے۔ یہ کام ہمارے شایانِ شان بھی نہیں۔''

''غرور اللہ کو پسند نہیں ہے امی......!''

فضہ نے سمجھایا تھا اور وہ ہونٹ بھینچ کر اس کے پاس سے اُٹھ کر ماما کا سر کھانے لگی تھی۔

''کیوں کر رہی ہے وہ یہ کام......؟ منع کریں اسے، اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہم نوکر تھوڑا ہی ہیں......؟''

''میں نے منع کیا تھا، وہ نہیں مانتی۔''

ماما نے آہستگی سے بتایا تو اس کی تشویش بڑھ گی۔

''مجھے لگ رہا ہے وہ عاقب میں انوالو ہو رہی ہے......؟''

اس کے لہجے میں تفکر تھا، ناگواری تھی۔ ماما نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ڈونٹ وری......! ہم اس کی شادی تو کر نہیں رہے......؟ مجھے اپنی بیٹیوں کو گاؤں میں نہیں جھونکنا۔ وہ محض فراغت سے بچنے کو کام کرتی ہے۔ کچھ اس کی عادت بھی ہمدردانہ ہے۔''

ماما نے اپنے ساتھ اسے بھی تسلی دی تھی۔ وہ مطمئن نہیں بھی ہوئی، تب بھی وہاں سے اُٹھ گئی تھی۔

وہ نیچے ایک بار پھر جھانکنے لگی تھی۔ وہ خیالوں سے چونک کر متوجہ ہوئی۔ اشعر نے عاقب کو آؤٹ کر دیا تھا۔

اب فضہ کی باری تھی اور اسے کھیلنا نہیں آ رہا تھا۔

''افوہ......! بیٹ پکڑیں اور چھکے ماریں۔ یہ بھی کوئی مشکل کام ہے بھلا......؟''

اشعر اس کی ہچکچاہٹ کو پا کر اپنے مشوروں سے نواز رہا تھا۔ عاقب نے بڑھ کر اس کے ہاتھ میں بیٹ تھمایا اور اسے شاٹ لگانا سمجھانے لگا۔ گو کہ دونوں کے درمیان خاصا فاصلہ تھا، پھر دونوں ہی سلجھے ہوئے مزاج کے حامل تھے۔ عاقب نے خواہ مخواہ فضہ کے قریب ہونے اور اسے چھونے کی بھی کوشش کی تھی۔ اس کے باوجود وہ بے حد مضطرب ہو گئی اور کھڑکی سے ہٹ کر صحن عبور کیا اور سیڑھیاں پھلانگتی نیچے اُتر آئی۔

''لائیں، فضہ کی باری میں لیتی ہوں۔ بس ذرا اپنی خیر منائیں......!''

اس نے نزدیک آتے ہی عاقب کے ہاتھ سے بیٹ چھین لیا۔ تینوں نے ہی خوشگواری میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا تھا۔

''تمہارا اعتماد بتاتا ہے کہ تمہیں کھیلنا آتا ہے۔''

عاقب نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

''شیور......! میں اپنی کالج ٹیم کی کیپٹن رہ چکی ہوں۔''

''رہ چکی ہوں......؟ کیا مطلب......؟''

عاقب کے استفسار پہ اس نے کاندھے اُچکا دیئے۔

''دل اُکتا گیا تھا، اس لئے چھوڑ دیا۔''

عاقب اسے بال کرانے لگا۔ اور واقعی اس نے انہیں گھما کے رکھ دیا۔ ہر بال پہ شاٹ مار کے۔ یہاں

''شکر ہے خدایا......! خس کم جہاں پاک......! اسی طرح جان چھوٹ سکتی تھی ہماری۔''

اشعر نے باآوازِ بلند کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''دیکھا میرا کمال......!''

ہم نے تو آپ کا جمال بھی دیکھا، کیا خوب ہے......!

''جانِ بہاراں......!

سیمیں بدن......!

غنچہ دہن......!

اے جانِ من......!''

اشعر نے دانت نکالتے ہوئے کہا اور ایمان نے اسے دھپ سے بیٹ ہی دے مارا تھا۔

''شرم کرو......! کل مجھے بہن کہہ رہے تھے۔''

''ابھی بھی بہن ہی ہیں۔ کیا بہنوں کی خوب صورتی کی تعریف نہیں کی جا سکتی......؟''

وہ جس ٹانگ پہ بیٹ لگا تھا، اسے اُٹھا کر ناچتے ہوئے کراہ کر بولا۔ ایمان نے سر کو اثبات میں جنبش دی اور بیٹ اس کے سامنے پٹخ دیا۔

''کل کالج سے آتے ہوئے بالز لے کر آنا۔ ہم ہر روز کرکٹ کھیلیں گے۔''

''ہائیں......؟ اتنے خطرناک عزائم......؟ یہ غضب مت کیجئے......!''

وہ بلبلا اُٹھا۔ وہ لطف اندوز ہوتی ہنسے گئی۔

''تم کل بالز لا رہے ہو......! سمجھے......؟''

اس کے انداز میں حکم تھا۔ اشعر نے منہ لٹکا لیا۔

''لیکن صرف بالز نہیں لاؤں گا۔ ساتھ میں پلیئر بھی لاؤں گا جو ہماری ٹیم کی نمائندگی کرے گا۔''

''لے آنا......! میں کوئی ڈرتی ہوں۔''

وہ بالوں کو سمیٹ کر کیچر میں جکڑ رہی تھی۔ انداز میں بے نیازی، اعتماد اور نخوت تھی جو بلاشبہ اس پہ جچتی بھی بہت تھی۔

''ان سے ڈر جائیں گی۔''

اشعر کے لہجے میں زعم دَر آیا وہ مسکراہٹ دبانے لگی۔

''اتنا خوف ناک ہے دیکھنے میں......؟''

اشعر کہہ گیا۔ پھر چڑ کر بولا تھا۔

''دیکھنے میں تو پرنس ہے اور کھیل شاندار، دو منٹ میں آپ کو آؤٹ کر دیں گے۔''

''ہماری کرکٹ ٹیم میں ایسا ٹیلنٹ تو بہر حال نہیں ہے۔ خوب صورت اور پرفارمنس، نو نو......!''

وہ سر جھٹک رہی تھی۔

''میں ولی بھائی کی بات کر رہا ہوں۔ بائی فیس تو جانتی ہیں، کل کھیل بھی دیکھ لیجئے۔''

وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ ایمان نے بھی اڑا دی تھی۔

''کوئی ایسے بھی خاص نہیں...... ! ال چھی ہوں میں۔''

اس نے نخوت سے کہا۔ اشعر جانے کیوں ذومعنی انداز میں مسکرایا تھا۔ ایمان نے اس کی یہ مسکان دیکھی نہیں ورنہ اس کے ہاتھ سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتی۔

☆☆☆

اس طرح نہیں کرتے رابطہ تو رکھتے ہیں
تھوڑا ملنے جلنے کا سلسلہ تو رکھتے ہیں
منزلیں بلند ہوں تو مشکلیں تو آتی ہیں
مشکلوں سے لڑنے کا حوصلہ تو رکھتے ہیں
جو تمہارے اپنے ہوں تم سے پیار کرتے ہوں
ان کا حال کیسا ہے کچھ پتا تو رکھتے ہیں
دوستی کے رشتے کو توڑتے نہیں ایسے
روٹھے دوستوں سے بھی واسطہ تو رکھتے ہیں
چھوڑ جانے والے لوٹ کے بھی آتے ہیں
لوٹ کے وہ آنے کا راستہ تو رکھتے ہیں

اس صبح اٹھ کر اپنا سیل فون چیک کیا تقریباً پاپا کے نمبر سے لاتعداد مسڈ کالز تھیں اور پھر یہ میسج جس میں اپنے تئیں انہوں نے اس کی خفگی کو محسوس کر کے گویا اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

وہ بے اختیار مسکرا دی۔ وہ ان سے خفا تو نہیں تھی البتہ رات کو جلدی ضرور سو گئی تھی۔ اس وقت ان کو کال کرنے کو نمبر ملایا تو کریڈٹ ختم تھا۔ وہ بے چین سی ہو کر بستر سے نکل آئی۔

ماما سر تک کمبل تانے ہنوز سو رہی تھیں۔ البتہ نغمہ کا بستر خالی تھا۔ وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ وہ اس وقت کہاں ہوگی...... ؟ اشعر، ولید اور عاقب کے ساتھ ساتھ تاؤ جی کا ناشتہ بنانے میں مصروف۔

وہ چاروں صبح کو تھوڑے وقفے سے نکلا کرتے تھے۔ اس نے کلستے ہوئے اٹھ کر اپنے ہینڈ بیگ سے کالنگ کارڈ ڈھونڈنا شروع کیا۔ ناکامی کی صورت میں جھلاہٹ بھرے انداز میں بیگ کو بستر پہ الٹ دیا۔ اس وقت اسے شاک لگا تھا جب اس کی باقی تمام چیزوں میں اسے ایک بھی کالنگ کارڈ نہیں ملا تھا۔ حالانکہ اس کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ اضافی کارڈ اپنے پاس رکھا کرتی تھی۔ یہاں سے بھی بات کرنی تھی، کارڈ کی اشد ضرورت تھی۔ وہ پانچ سو کا نوٹ مٹھی میں دبائے شال گھسیٹ کر اوڑھتی دروازہ کھول کر باہر آئی۔ برآمدے کے آگے سے چیت اٹھاتے ہی شدید دھند نے اس کا استقبال کیا۔ اتنی شدید دھند تھی کہ محض چند فٹ سے آگے کا منظر نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ گرم بستر سے ایک دم اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔ وجود میں کپکپی سی چھوٹ گئی۔ مگر وہ پرواہ کئے بغیر سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آ گئی تھی۔

''اشعر...... ! اشعر...... !''

اس نے آخری سیڑھی پہ تھم کر زور سے آواز دی تھی۔ صحن میں لگے واش بیسن کے آگے کھڑے منہ ہاتھ دھوتے ولید نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ آف وائٹ جینز پہ براؤن خوب صورت سی شال لئے وہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھی، مگر اپنے اندر ایسی مقناطیسی کشش رکھتی تھی کہ وہ کئی ثانیے پلکیں نہیں جھپک سکا۔

''جی جناب...... ! حکم...... !''

اشعر عین اس کے پیچھے آ کر زور سے بولا تو وہ اپنی جگہ اُچھل پڑی اور گرنے سے بچنے کو بے اختیار گرل کو تھام لیا۔

''بدتمیز...... ! میں تمہیں ادھر ڈھونڈ رہی تھی۔''

وہ اس کی سمت مڑتے ہی خفا ہونے لگی۔

''میم...... ! ہم اوپر تھے۔''

اشعر نے مسکرا کر وضاحت دی۔

''مجھے کالنگ کارڈ چاہئے، کالج سے آتے ہوئے لا دینا۔''

''کون سا کنکشن ہے آپ کے پاس...... ؟''

وہ اس کے بڑھائے نوٹ کو اگنور کرتے ہوئے ایک سائیڈ سے ہو کر سیڑھیاں اُتر گیا۔

''زونگ...... ! مگر اس کے سگنل اکثر غائب ہو جاتے ہیں۔''

وہ بتلا کر کسی قدر جھنجلا کر کہہ رہی تھی۔

''آپ جاز کی کسٹمر بن جائیں ناں...... ! بہترین ہے۔''

''جانتی ہوں۔ سم تھی بھی میرے پاس، پتا نہیں اب بیگ میں ساتھ رکھ کر لائی ہوں کہ نہیں...... ؟ دیکھوں گی۔''

وہ اپنی دانست میں جتا رہی تھی۔

''اور یہ پیسے تو لے لو...... !''

وہ اسے جاتے دیکھ کر پکاری۔

''فکر نہ کریں، اتنا سا کام کر کے میں غریب نہیں ہو جاؤں گا۔ ویسے اگر ضروری کال کرنی ہے تو میرا سیل فون لے لیں۔''

ایمان ایک دم خاموش ہو گئی۔ اسے شاید اشعر کو یہ کام نہیں کہنا چاہئے تھا۔ اسے ایک دم خیال آیا تھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا...... آئندہ [illegible] احتیاط لازم کر لی۔ وہ بہت انا پرست تھی۔ اسے کسی پہ بار بننا اچھا نہیں لگتا تھا۔

''کیا ہوا...... ؟ خاموش [illegible]......''

وہ پلٹ کر واپس آیا تھا۔ [illegible] تولیہ اتار کر منہ صاف کرتا اپنے کمرے کی [illegible] بڑھ گیا اور گویا تب ہی [illegible]

''تھینک...... !''

وہ چونکی اور ... اور پھر جیسے کسی خیال کے آتے ہی واپس سیڑھیاں چڑھنے کا ارادہ ترک کر کے اشعر کی سمت آگئی۔

"سنو......! تمہارے یہ بھائی کچھ پراوڈ نہیں ہیں......؟"

اس نے انگلی سے ولید کے کمرے کی سمت اشارہ کیا تھا۔

"کچھ......؟ بہت زیادہ پراوڈ ہیں۔ دراصل ان کو لڑکیوں نے ان کی خوب صورتی کی وجہ سے بہت سر چڑھایا ہوا ہے۔ خود کو کچھ سمجھنے لگے ہیں۔"

وہ اس کی سمت جھک کر رازدارانہ انداز میں کہتا کچن میں آگیا جہاں مٹی کے تیل کے چولہے پہ فضہ چائے بنا رہی تھی جبکہ تائی ماں مکھن کے خستہ خستہ پراٹھے۔ کچن کی حدت آمیز فضا میں دیسی گھی کے پراٹھوں اور آملیٹ کی بہت اشتہا انگیز مہک پھیلی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر انہوں نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا اور بیٹھنے کو پیڑھی پیش کی مگر اس کا دھیان اشعر کی سمت تھا جس کی بات نے اسے طیش میں مبتلا کرنے میں ایک پل لگایا تھا۔

"اتنے بھی خوبصورت نہیں ہیں۔ دماغ خراب ہے لڑکیوں کا......؟"

"کیا ہو گیا ہے بھئی......! یہ ہماری گڑیا کو صبح صبح اٹھتے ہی غصہ کیوں آنے لگا......؟"

اسی پل عاقب اندر آیا تھا۔ بلیک پینٹ، وائٹ شرٹ، میرون سوئیٹر میں سلیقے سے بال بنائے وہ بہت صوبر سا نظر آرہا تھا۔

"یہ......ولید حسن......؟"

"کک......کچھ نہیں......! ہم تو بس یوں ہی......!"

اشعر نے بوکھلا کر اس کی بات کاٹی مگر عاقب کے گھبرانے پہ منہ لٹکا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"ہاں ایمی......! تم بتاؤ......! کیا ہوا ہے......؟"

عاقب کے انداز میں بے پناہ سنجیدگی تھی۔

"کچھ نہیں......! میں یوں ہی چھیڑ رہا تھا انہیں کہ ولی بھائی کا دماغ لڑکیوں نے ان کے حسن و جمال کی وجہ سے آسمان پہ پہنچا دیا ہے۔"

اشعر نے کان کھجا کر وضاحت پیش کی تو عاقب نے اس کے سر پہ ایک چپت لگائی تھی۔

"نان سینس......!"

عاقب نے پہلے اشعر کو ڈانٹا تھا، پھر ایمان کے سامنے ولید کی حمایت میں بولا تھا۔

"وہ بالکل پراوڈ نہیں ہے سویٹی......! ہاں......! البتہ تھوڑا لیا دیا انداز ہے۔ جلدی فرینک نہیں ہوتا۔ مگر جب کسی سے دوستی پکی کرتا ہے ناں......! تو پھر اسے آخری دم تک نبھاتا ہے۔"

"جی......! وہ مجھے ان کا کمپیوٹر یوز کرنا تھا نا......! انہیں برا تو نہیں لگے گا......؟"

ایمان نے اپنے مطلب کی بات کی۔

"یہ تو ولی بھائی ہی بتا سکتے ہیں ناں......!"

اشعر کی زبان پہ پھر خراش ہوئی تھی، مگر عاقب کی گھوری پہ منہ بند کر کے بیٹھ گیا۔

"ہرگز بھی نہیں......! تم جب چاہو، جو مرضی چیز استعمال کر سکتی ہو۔ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں......!"

عاقب نے اس کا گال تھپک کر کہا تو وہ ایک دم مسکرا دی تھی۔

"تھینک یو......! سویٹ......!"

اگر اس فقرے میں بھائی کا اضافہ کر لیتے تو مجھے اور بھی اچھا لگتا۔ دیکھ لو اب میری شرافت پہ شبہ نہ کرنا۔ ایک بے حد حسین لڑکی کو خود سے بہن بنانے کو تیار ہوں۔"

وہ ہلکے پھلکے انداز میں ہنس کر کہہ رہا تھا۔ ایمان بھی زور سے ہنس پڑی تھی۔

☆☆☆

اشعر کے انتظار سے اکتا کر وہ نیچے چلی آئی۔ وہ آج معمول سے زیادہ لیٹ ہو چکا تھا۔ فضہ کچن میں تائی ماں کے ساتھ بیٹھیں چاول صاف کرنے میں مصروف تھی۔ اس نے جھانکا اور دلچسپی لئے بغیر آگے بڑھ گئی۔

ولید کے کمرے کے آگے سے گزرتے ہوئے اسے کمپیوٹر کا خیال آیا تھا۔ بنا کچھ سوچے سمجھے اس کے کمرے میں گھس گئی۔ کمرہ سادگی و نفاست کا مظہر تھا۔ وہ عاقب اور اشعر کے کمرے میں جا چکی تھی مگر دونوں ہی پھیلاوہ پھیلانے کے عادی تھے۔ چائے کے خالی مگ فرش پر لڑھک رہے ہوتے، کتابیں بے ترتیب، بستر کی چادر آدھی سے زیادہ فرش پر لٹکی ہوئی، مگر اس کا کمرہ بے ترتیب نہیں تھا۔ فضا میں اس کی مخصوص مہک کا احساس قائم تھا یوں جیسے وہ ابھی ابھی وہاں سے نکلا ہو۔

وہ سرسری سا جائزہ لے کر لیپ ٹاپ کے آگے آبیٹھی۔ کچھ دیر تک نیہاں سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کرتی رہی مگر وہ آن لائن نہیں تھی۔ اس نے گہرا سانس کھینچ کر لیپ ٹاپ بند کر دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ تب اس کی نگاہ بک شیلف پہ جا پڑی تھی۔ وہ بے اختیار ہو کر شیلف کے نزدیک آئی۔ تمام بڑے مصنفوں کی کتابوں کا بہترین ذخیرہ موجود تھا۔ وہ ایک ایک کر کے کتابیں دیکھتی چلی گئی۔

"مجھے تم یاد آتے ہو"

فرحت عباس شاہ کی بک کو کہ وہ پہلے بھی پڑھ چکی تھی مگر پھر سے پڑھنے کا بھی اپنا لطف تھا۔ اس نے جلدی سے اٹھا لی۔ پھر مزید جو کتابیں منتخب کرنا چاہ رہی تھی کہ نگاہ سیاہ مخملیں جلد کی ڈائری پہ آکر تھم گئی۔ اس نے کچھ تجسس کے عالم میں ڈائری اٹھالی تھی۔ پہلا صفحہ ہی توجہ حاصل کر گیا تھا۔

میرے بے خبر، تجھے کیا خبر
میری زندگی کا ہر ایک پل
تیری آرزو، تیری جستجو
میری جیت تو، میری ہار تو
میرے بے خبر، تجھے کیا خبر
تیری ذات ہی وہ نصاب ہے
جسے پڑھنا میرا خواب ہے
جو میرے لئے سراب ہے

میرے بے خبر، میری بات سن
میری پلکوں سے میرے خواب چن
میری چاہتیں اور عنایتیں
تیرے نام تھیں تیرے نام ہیں
میرے دل کی ساری دھڑکنیں
بنا تیرے مجھ پہ محال ہیں
میرے بے خبر
میرے بے خبر

اس کے چہرے پہ بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''گویا ''مسٹر چپ شاہ'' بھی محبت کے مریض نکلے......؟''

اس کا تجسس بے تحاشا بڑھ گیا۔ ڈائری میں یقیناً اس لڑکی کا بھی ذکر ہوگا اسے دیکھنا چاہیے؟

ابھی وہ یہ فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ دروازہ کھول کر ولید حسن مالکانہ انداز کی مخصوص بے تکلفی سمیت اندر چلا آیا۔ اسے سامنے پا کر وہ ایک دم ٹھٹکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اپنی پرسنل ڈائری کی موجودگی نے یک لخت اس کے چہرے اور آنکھوں سے حیرت کو اُچک کر غم و غصہ اور تلخی میں بدل دیا۔

''کیا کر رہی ہیں آپ یہاں......؟''

وہ اس کے سر پہ پہنچ کر غرایا تھا۔ ایمان ایک دم سے ٹپٹا سی گئی۔ بہر حال وہ ایک غیر اخلاقی حرکت کی مرتکب ہوئی تھی اور ان کے ہاتھوں پکڑی بھی جا چکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا اعتماد ایک دم سے زائل ہو گیا تھا۔ ڈائری عجلت میں واپس رکھنے کی کوشش میں اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ وہ کچھ بدحواس ہو کر اُٹھانے کو جھکی مگر اگلا لمحہ اسے ششدر کر دینے کو کافی ثابت ہوا تھا۔ ڈائری کی جلد سے چند تصویریں پھسل کر کارپٹ پہ بکھر گئی تھیں۔ تینوں کی تینوں تصویریں ایمان کی اپنی تصویریں تھیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے غیر یقینی کے عالم میں اپنی تصویریں دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

''یہ...... یہ میری تصویریں......؟''

وہ جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔ حیرانی کی جگہ غم و غصے نے لے لی تھی۔ دوسری جانب ولید حسن کا چہرہ بھی بے تحاشا سرخ تھا۔ اس سرخی کی وجہ وہ سمجھنے سے قاصر رہی تھی۔ البتہ ناگواری کا احساس برقی رو بن کر پورے وجود میں سرایت کرتا چلا گیا تھا۔

''آپ کیا سمجھ رہی ہیں یہ تصویریں میں نے آپ کے دیدار کی خاطر ڈائری میں محفوظ کی ہوئی ہوں گی...... ؟ محترمہ...... ! کسی خوش فہمی کو دل میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کل پرسوں تک یہ اشعر کے پاس تھیں۔ وہ یہاں رکھ کر بھول گیا ہوگا۔ اتنی خوب صورت نہیں ہیں آپ کہ میں آپ کے عشق میں مبتلا پھر رہا ہوں...... ؟ نہ ہی میرا دماغ اتنا سٹھیایا ہوا ہے کہ میں......''

''شٹ اَپ...... ! جسٹ شٹ اَپ...... !''

زہر میں بجھے ہوئے تیر کسی قدر تلخ، بھڑکے ہوئے لہجے میں وہ اس کی سماعتوں میں اُتار رہا تھا کہ وہ اس کی بات کاٹ کر حلق کے بل چیخ پڑی۔ احساس توہین نے گویا اسے یکلخت کسی جلتے الاؤ میں پھینک دیا تھا۔

''میں نے آپ سے کوئی وضاحت نہیں مانگی۔ سمجھے آپ......؟''

وہ اسی ہیجان زدہ آواز میں پھنکاری تو ولید حسن ایک لمحے کو لاجواب سا ہو گیا۔ اسے خود بھی ایک لمحے کو یہی اپنا اتنا شدید ردعمل فضول محسوس ہوا تھا مگر پھر سر جھٹک کر اس پہ ایک دہکتی نگاہ ڈالی تھی۔

''آپ کو میرے کمرے میں آنے کی جرأت کیسے ہوئی...... ؟ مجھے ہرگز کسی ایرے غیرے کا انٹر فیئر ہونا پسند نہیں ہے۔''

''یہ غلطی بہر حال مجھ سے ہوئی جس کے لئے شاید میں بھی خود کو معاف نہ کروں۔ ایکسکیوزمی...... !''

وہ اس کی سائیڈ سے کترا کر نکل رہی تھی جب ولید نے جھک کر کارپٹ پہ گری تصویریں اُٹھا کر اس کی سمت اُچھالیں۔

''انہیں بھی لیتی جائیے...... ! میرے کمرے میں بہرحال ان کی گنجائش نہیں ہے''۔

ایمان نے اپنے پیچھے اس کی پھنکارتی آواز سنی تھی مگر اسے بنا سنے سرعت سے باہر نکلتی چلی گئی۔ اپنے کمرے میں آئی تو اس کے چہرے اور آنکھوں سے گویا بھاپ نکل رہی تھی۔

اس کا جی چاہا فی الفور وہاں سے بھاگ جائے۔ مگر بے بسی سی بے بسی تھی، آنسو بند توڑ کر بہہ نکلے تھے۔ اتنا رونے کے باوجود جب دل کا غبار نہیں ڈھلا تو بنا سوچے سمجھے گھر سے نکل آئی۔

گنے کی فصل کے ساتھ جو پگ ڈنڈی تھی، اس پہ چلنے لگی۔ کھیتوں کا سلسلہ ختم ہوا تو کچی سڑک کے بعد نہر کا کنارہ آ گیا۔ سرسبز درختوں کی قطاریں دُور تک جا رہی تھیں۔ اس کا دل بوجھل تھا۔ اتنی معمولی سی بات پہ ولید نے اتنا ٹیمپر لوز کیا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر تپتی رہی۔ دماغ میں جیسے دُھواں بھرتا جا رہا تھا۔

نہر کا کنارہ ویران تھا۔ کسی درخت پہ بیٹھی کوئل کی کوک وقفے وقفے سے فضا میں گونجتی تو اس کی سوچوں کا تسلسل بکھر جاتا۔ ہر بار چونکنے پہ آنکھوں میں نمی کا احساس ہوتا۔ وہ مسلسل رو رہی تھی۔ آج سے قبل کسی نے بھی اتنی توہین کب کی تھی......؟

وہاں بیٹھے جانے کتنی دیر گزری تھی، ڈوبتے سورج کا عکس نہر کے پانی کا رنگ تبدیل کرنے لگا۔ تب وہ چونکی۔ یہاں مزید ٹھہرنا ممکن نہ تھا۔ نہر کے ساتھ موجود کچی سڑک پہ اب کھیتوں میں کام کرنے والے تھکے ہارے کسانوں کی واپسی کا عمل شروع ہو چکا تھا۔ اس کے پاس سے گزرتے دیہاتیوں کی نگاہوں میں استعجاب و تجسس اور دلچسپی تھی۔

جینز شرٹ میں ملبوس فیشن ایبل لڑکی گویا مفت کی تفریح کا سامان تھی۔ وہ احساس ہوتے ہی گھبرا کر جلدی سے اُٹھ گئی۔ غصے میں وہ شال اوڑھے بغیر نکل آئی تھی۔ اب اس پہ اُٹھنے والی نگاہوں میں جو تھا، وہ مضطرب کر دینے کو کافی تھا۔ گھر جانا انا کو منظور نہیں تھا، مگر اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا......؟

"مجھے پاپا کو فون کرنا چاہیے......!"

اس نے سوچا۔

"مگر وہ مجھے کبھی نہیں لے جائیں گے۔"

اگلے ہی لمحے خود اپنی ہی سوچ رد بھی کر دی۔

"مجھے ہرگز یہاں نہیں رہنا۔ میں نیہاں سے بات کرتی ہوں۔ چاہے اس کے گھر رہوں، چاہے ہاسٹل میں، یہاں سے جانا ہے۔"

وہ فیصلہ کر کے ہی گھر واپس آئی تھی مگر ابھی گھر سے کچھ فاصلے پہ تھی جب تیزی سے ولید اپنی سمت آتا نظر آیا۔ اس نے یوں سرعت سے نگاہ کا زاویہ بدلا جیسے غلطی سے کسی حرام شے پہ جا پڑی ہو۔

"کہاں تھیں آپ......؟ گھر والوں کی پریشانی کا بھی کچھ اندازہ ہے آپ کو......؟"

وہ نزدیک آتے ہی برس پڑا تھا۔ ایمان کا دماغ اس لعن طعن پہ اُلٹ کر رہ گیا۔

"شٹ اپ......! تم ہوتے کون ہو مجھ سے یہ سوال کرنے والے......؟ اپنا راستہ ناپو۔ سمجھے......؟"

اس نے بغیر کوئی لگی لپٹی رکھے، اپنی طرف سے اس کا منہ توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اور اس کے تاثرات دیکھے بغیر بھاگتی ہوئی گھر کے اندر گھس گئی۔ مگر پہلے ہی مرحلے پہ گویا چکرا کر رہ گئی۔

ماما صحن میں ہی چارپائی پہ بیٹھی تھیں۔ تائی ماں ان کے ہاتھ پکڑے جانے کس بات پہ تسلی سے نواز

ساتھ اس کی سمت لپکیں تھیں۔ ماما تو اسے گلے لگا کر زور زور سے رونے لگی تھیں۔

وہ کسی قدر ہراساں ہو گئی اور اس وحشت بھرے انداز میں ان کے ہاتھ جھٹک کر الگ ہوتے ہوئے بے چینی سے بولی تھی۔

"کیا ہوا ماما......؟ آپ رو کیوں رہی ہیں......؟"

تمہاری وجہ سے......! کہاں چلی گئیں تھیں تم......؟"

جواب ماما کی بجائے فضہ نے دیا تھا اور اس کا موڈ یکایک بگڑ گیا۔

"حد ہو گئی......! میں کوئی بچی تھی جو گم ہو جاتی......؟ ماما......! آپ کے سامنے کھڑی ہوں۔ فار گاڈ سیک......! چپ تو کریں۔"

اس کے لہجے میں برہمی و تلخی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ فضہ ایک نظر اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"آخر گئی کہاں تھیں تم......؟ بتانا تو چاہیے تھا......؟ نئی جگہ ہے، ہم تو تمہیں گھر میں نہ پا کے اتنے پریشان ہو گئے تھے۔ عاقب، اشعر اور ولید تمہیں ڈھونڈنے نکلے ہوئے تھے۔"

فضہ کی بات پہ اسے آگ سی لگ گئی تھی۔ اس نے شعلہ بار نظروں سے موبائل پہ مصروف ولید کو دیکھا تھا اور طنز میں لپٹے سرد لہجے میں پھنکار کر بولی تھی۔

"یہی تو پوچھ رہی ہوں، کیوں ڈھونڈنے نکلے وہ مجھے......؟ اور خاص طور پہ یہ......؟ لگتے کیا ہیں یہ میرے......؟"

اس نے اُنگلی اُٹھا کر ولید کی سمت اشارہ کیا۔ انداز میں حقارت کا عنصر نمایاں تھا۔ فضہ کا تو شرمندگی و خجالت سے سر نہ اُٹھ سکا۔

"ایک تو بیچارے اس کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے اور یہ......"

اس نے دانت پیسے۔

"ایمی......! بدتمیزی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ بہت بڑے ہیں ولید بھائی تم سے۔"

فضہ نے ڈانٹا۔ اور وہ آپے سے باہر ہونے لگی۔

"میرا کوئی تعلق نہیں ہے کسی بھی فضول آدمی سے، سمجھیں تم......؟ اور میں جا رہی ہوں، ابھی اور اس وقت، کسی کو میری تلاش میں نکلنے کی ضرورت نہیں......!"

ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہتی وہ ایک جھٹکے سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر چلی گئی۔ وہ سب ششدر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے، سوائے ولید کے۔ وہ لب بھینچے، سر جھکائے کھڑا تھا۔

"اس کا دماغ خراب ہو رہا ہے اور کوئی بات نہیں ہے۔ ابھی جا کے پوچھتی ہوں اسے تو میں۔"

فضہ بھڑکے ہوئے انداز میں کہہ کر سیڑھیوں کی سمت لپکی تھی کہ کچھ خیال آنے پہ بے اختیار رُک گئی اور خفت بھرے انداز میں ولید حسن کو دیکھا تھا جو ہنوز ہونٹ بھینچے، سر جھکائے کھڑا گویا کسی سوچ میں گم تھا۔

"آئی ایم سوری ولید......! اس کی طرف سے میں آپ سے ایکسکیوز......"

"پلیز......! پلیز فضہ......! شرمندہ مت کریں اور ایمان کو بھی ڈانٹنے کی ضرورت نہیں۔ وہ آل ریڈی

آپ سیٹ ہے۔"

اس نے کسی قدر جھجکتے ہوئے دوسرا فقرہ مکمل کیا تھا۔ فضہ کی خفت مزید بڑھ گئی۔

"آپ سب لوگ بہت اچھے ہو، مگر وہ......"

اس کی آواز آنسوؤں کے بوجھ سے نم ہوگئی۔ ولید نے ایک نظر اسے دیکھا تھا پھر آگے بڑھ کر نرمی سے اس کا سر تھپکا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ایمان کو بھی میں سمجھا دوں گا۔"

"مگر وہ پتا نہیں کیا ٹھان بیٹھی ہے......؟ ضدی بہت ہے۔ اب پتا نہیں کہاں جانے کو تیار ہے......؟ کیسے روکوں گی اسے......؟"

وہ مضطرب سی ہو کر بولی تو ولید نے چونک کر اسے دیکھا۔ عین اسی پل وہ اپنے بیگ سمیت سڑھیوں سے برآمد ہوئی۔

ولید کو صورتِ حال کی سنگینی کا احساس ہوا تو ہونٹ بھینچ لئے۔

"فضہ......! آپ چچی جان کو اور اماں کو لے کر اندر چلیں، انہیں میں دیکھ لوں گا۔"

اس نے جیسے ایکا ایکی فیصلہ کیا تھا اور فضہ کو مخاطب کرتے ہوئے سرگوشی کی۔ فضہ پریشان کن نظروں سے ایمان کو دیکھ رہی تھی، ٹھٹک کر متوجہ ہوئی۔

"مم......مگر وہ......"

اس نے پھر اسی مدہم لہجے میں کہا تھا۔ فضہ بے بسی سے اسے دیکھ رہی گئی۔ ولید مضبوط قدم اٹھاتا اس کی سمت بڑھ آیا تھا۔ ایمان اس کے پاس سے نظر انداز کرتی گزرنے کو تھی، جب ولید نے کمالِ جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

وہ جو اپنے دھیان میں آگے بڑھ رہی تھی، اس مداخلت پہ لہرا کر دو قدم پیچھے گھسیٹ کر گرتے گرتے اسی کی وجود کے سہارے سنبھلی تھی۔ ولید کے اطمینان ذرا فرق نہیں آیا، جبکہ اس کی اس درجہ بڑھی ہوئی جسارت نے ایمان کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ اس نے ایک جھٹکے سے پہلے اپنا ہاتھ چھڑایا تھا پھر سنبھلتے ہی پھنکار زدہ لہجے میں بولی تھی۔

"ہاؤ ڈیئر یو......! اپنی حد میں رہو......! مجھے......"

"آئی ایم سوری......!"

وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

"سوری......؟ فار واٹ......؟"

وہ بھڑک اٹھی تھی۔

"مجھے آپ کے ساتھ ایسا بی ہیو نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اگین سوری......!"

وہ اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ ایمان نے ہونٹ بھینچ لئے۔ اس کی جلتی آنکھوں پہ نئے سرے سے نمی چمکنے لگی۔

"میرے راستے سے ہٹو......!"

وہ خاصی دیر کے بعد بولی تھی۔

"آپ مت جائیے......! میں نے ایکسکیوز کیا ہے ناں آپ سے......؟"

وہ کسی قدر آہستگی سے بولا۔

"میں اپنے مجرموں کو اتنی آسانی سے معاف نہیں کر سکتی۔"

"پھر کیا کرنا پڑے گا مجھے......؟"

ان بڑی بڑی آنکھوں میں اضطراب در آیا۔ ایمان نے ایک نظر دیکھا اور منہ پھیر لیا۔

"اتنا انوالو کیوں ہو رہے ہو......؟"

"آپ میری وجہ سے گھر چھوڑ کر جائیں، مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا۔ آپ بتائیے ناں......! مجھے آپ کو منانے کو کیا کرنا ہوگا......؟"

"آئندہ مجھ سے بات مت کرنا۔ میں نے کہا ناں......! میں اپنے مجرم کو اتنی آسانی سے معاف نہیں کیا کرتی۔"

اس نے کسی قدر نخوت سے کہا اور بیگ وہیں چھوڑ کر دوبارہ سیڑھیاں چڑھ گئی۔ وہ ہونٹ بھینچے اسے جاتے دیکھتا رہا تھا۔

"تھینک گاڈ......! وہ مانی تو......؟ ورنہ مجھے ایک فیصد بھی اُمید نہیں تھی۔"

"آپ نے واقعی معرکہ مارا ہے ولید بھائی......!"

فضہ جو کچھ فاصلے پہ کھڑی دم سادھے کسی فیصلے کی منتظر تھی، چہکتی ہوئی نزدیک آ کر بولی۔ وہ چونکا تھا اور خالی سے نظروں سے اسے دیکھ کر کچھ کہے بغیر پلٹ کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

کون جانتا تھا کہ اس نے آج کے دن مزید کیا کیا کھو دیا تھا......؟

پھر کتنے سارے دن گزر گئے۔ وہ خود کو دانستہ محدود کر چکی تھی۔ پہلے جو اشعر کے ساتھ کچھ دوستی ہوئی تھی، وہ بھی اس تلخی کی نظر ہوگئی۔ فضہ نے متعدد بار اسے اُکسایا کہ وہ اس کے ساتھ اس کی دلچسپیوں میں شریک ہو، مگر اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

اس وقت بھی وہ ایسے ہی اپنے کمرے میں گھسی بیٹھی تھی جب کوئی دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ وہ سیل فون پہ گیم کھیل رہی تھی۔ سرسری سا متوجہ ہوتی، مگر اپنے سامنے حرا آپی کو دیکھ کر مروتاً مسکرانا پڑا۔

"بیٹھئے ناں......! کیسی ہیں آپ......؟"

اس نے سیل فون ایک سائیڈ پہ رکھ دیا تھا۔

میں تو ٹھیک ٹھاک ہوں۔ تم نظر ہی نہیں آتیں......؟ کل بھی شام کو فضہ آ گئی تھی، اشعر اور عاقب کے ساتھ، تم کیوں نہیں آئیں......؟"

وہ اس کے نزدیک ہی بیٹھ گئیں تھیں۔

"بس یوں ہی......! میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔"

اس نے بہانہ گھڑا۔ مگر گویا پھنس گئی کہ وہ فوراً الرٹ ہو گئی تھیں۔

''کیا ہوا......؟ بخار تو نہیں ہو رہا......؟ دکھاؤ تو......!''

وہ اس کی پیشانی چھو کر دیکھنے لگیں۔

''سر میں درد تھا آپا......! وہ بھی کل ہی ٹھیک ہو گیا تھا۔ آپ سنائیے ناں......! بچے کیسے ہیں......؟''

وہ ان کا دھیان بٹانے کو موضوع بدل گئی۔

''سب ٹھیک ہیں۔ بچے اپنی چھوٹی خالہ کو یاد کر رہے تھے۔ بھئی......! وہ سب تو تمہارے دیوانے ہو گئے ہیں۔''

وہ ہنس کر بتا رہی تھیں۔ ایمان بے دلی سے مسکرا دی۔ پھر ان کا دل رکھنے کو بولی تھی۔

''بہت پیارے بچے ہیں آپ کے۔ لائیے گا انہیں......!''

''ارے......! اب انہیں نہیں، تمہیں آنا ہے۔ میں خاص دعوت دینے آئی ہوں۔ ویسے تو تم نے آنا نہیں ہے......؟''

''ارے نہیں......! میں آؤں گی آپا......!''

وہ خفیف سی ہو کر وضاحتیں دینے لگی۔

''سو سو بار آنا، مگر کل تو لازماً آنا ہے، ورنہ میں روٹھ جاؤں گی تم سے۔''

وہ اس سے وعدہ لے کر ہی اُٹھی تھیں۔ وہ ان کے خلوص کی قائل ہو کر رہ گئی۔ مگر اگلے دن وہ سرے سے بھول بھی گئی تھی۔

''تم کون سے کپڑے پہن کر جاؤ گی......؟ نکال دو استری کر دوں۔''

وہ ابھی نہا کر نکلی تھی، تولیے سے بال خشک کرتے چونک گئی۔

''کہاں جانا ہے......؟''

''حرا آپا کے گھر دعوت پہ......! بھول بھی گئیں کیا......؟''

فضہ کے کہنے پہ اس نے گہرا سانس کھینچا تھا۔ اگر وعدہ نہ کر لیا ہوتا تو لازماً انکار کر دیتی۔

''کوئی سے بھی کر دو اپنی مرضی سے......!''

اس نے رکھائی سے کہا اور برش اُٹھا کر بال سلجھانے لگی۔ فضہ نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ بہت بجھی بجھی سی نظر آ رہی تھی۔ اجلے چہرے کی تمام بشاشت جیسے اُداسی کے گھمبیر پردے میں جا چھپی تھی۔

''کیا بات ہے ایمی......؟ اتنی خاموش کیوں رہنے لگی ہو......؟''

''خوش ہونے والی کوئی بات بھی تو نہیں ہے......!''

اس نے تڑخ کر کہا تھا۔ فضہ نے کچھ کہے بغیر اس کے لئے الماری سے اسکن براؤن اور میرون کمبی نیشن کا ملتانی سوٹ نکالا جس کی شرٹ کے دامن اور دوپٹے کے پلوؤں پہ بہت خوب صورت بلوچی کڑھائی تھی۔ یہ سوٹ پاپا پچھلے سال اسلام آباد سے اس کے لئے لائے تھے، جسے ایمان نے صرف ایک بار پہنا تھا اور وہ اسے پہن کر بہت کیوٹ لگی تھی فضہ کو۔

''اس دن تم نے ولید بھائی کی بات مان لی......؟ مجھے قطعی اُمید نہیں تھی۔''

''جانا بھی کہاں تھا......؟ ہم اپنا ٹھکانہ ہی نہیں، اپنی عزتِ نفس بھی شاید کھو بیٹھے ہیں......؟ مجھے سرنڈر کرنا ہی تھا......؟''

اس کی آواز پہ آنسوؤں کا غلبہ تھا، فضہ نے محسوس کیا تو تڑپ کر اسے گلے لگا لیا۔

''ایمی......! ایمی......! میری جان......! کیوں اتنی معمولی باتوں کو جان کا روگ بنا رہی ہو......؟''

فضہ کی اپنی آواز بھی بوجھل ہونے لگی تھی۔

''مجھے لگ رہا ہے میں مر جاؤں گی۔ بہت گھٹن ہو رہی ہے میرے اندر۔ پاپا نے بہت زیادتی کی ہے ہمارے ساتھ، ہم سے ہماری انا چھین کر۔ دو ٹکے کی حیثیت ہو کر رہ گئی ہے۔ ورنہ کس کی جرأت تھی اتنی کہ ایمان ارتضیٰ کی انسلٹ کی جاتی اور وہ اسے بخش دیتی......؟ مگر اب ہماری حیثیت اور ہے۔''

''کیا ہوا ہے ایمی......؟ کسی نے کچھ کہا تمہیں......؟ کس نے......؟''

فضہ ٹھٹک کر رہ گئی تھی۔ اس کے لہجے میں غیر یقینی اضطراب تھا۔ ایمان ایک دم سنبھلی۔ وہ اتنی خوددار تھی۔

اپنی انا اتنی عزیز تھی کہ اپنی اس انسلٹ کا احوال وہ اپنی ماں جائی سے بھی نہیں کہہ پائی تھی۔

''کچھ نہیں......! بس یوں ہی......!''

اس نے پھر سے خود کو مضبوط کر لیا۔

''تم کچھ چھپا رہی ہو......؟''

فضہ مشکوک ہوئی۔ مگر وہ ٹال گئی تھی۔ اور جس پل وہ تیار ہو کر سیڑھیوں سے نیچے اُتر کر آئی، سب سے پہلے سامنا تائی ماں سے ہی ہوا تھا، جنہوں نے اس کے نازک سراپے پہ ایک پیار بھری نگاہ ڈالی تھی۔ پھر بے ساختہ لپٹا کر چٹاچٹ پیار کیا تھا۔

''ماشاءاللہ......! دیکھ تو میری دھی کتنی سوہنی لگ رہی ہے۔ پتر......! ایسے ہی کپڑے پہنا کر میری دھی......!''

انہوں نے اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ قطعی نہیں سمجھ سکی، البتہ ان کی محبت کے مظاہرے پہ بے زار ضرور ہوئی تھی۔ جبھی ان سے الگ ہو کر فاصلے پر ہوتی ہوئی بولی تھی۔

''آپ تیار نہیں ہوئیں......؟ کب تک جانا ہے......؟''

اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی رکھائی اور انداز میں بے زاری اور اکتاہٹ تھی، مگر تائی ماں نے اپنی فطری سادگی میں سرے سے محسوس نہیں کیا تھا۔

''ناں پتر......! میں وہاں جا کے کیا کروں گی......؟ تم لوگ چلے جاؤ......! میں گھر پہ رہوں گی، تیرے تاؤ اور دادا کے پاس......!''

وہ ابھی بھی اسے پیار بھری لگاوٹ آمیز نظروں سے تک رہی تھیں۔ ایسی نظریں جن میں محبت کے سوتے پھوٹتے تھے، جن میں شفقت تھی، مامتا تھی۔ اسے جھلاہٹ محسوس ہونے لگی تو کچھ کہے بغیر دادا کے

کمرے کی جانب بڑھ آئی۔

کمرے میں کوئلوں کی انگیٹھی ان کے بستر کے پاس ہی پڑی رہتی تھی۔ اس وقت بھی انگیٹھی میں کوئلے دہک رہے تھے۔ دادا اپنے لحاف میں بیٹھے تسبیح پڑھنے میں مشغول تھے۔ اسے دیکھا تو شفقت سے مسکرا دیئے۔

''آ و پتر......! آ و میری سوہنی دھی......!''

انہوں نے اسے دیکھ کر تسبیح سائیڈ پہ رکھ دی۔

''تو بالکل اپنے باپ کی تصویر ہے۔ تجھے دیکھ کر مجھے ارتضٰی کی جوانی یاد آ جاتی ہے۔ وہ بھی اتنا ہی سوہنا تھا۔''

وہ ان کے پہلو میں بیٹھی تو دادا نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھر کے مدھم لرزتی آواز میں کہا۔ اس نے دیکھا کہ ان کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

''پاپا آپ سے ملنے بھی نہیں آتے تھے......؟''

اسے ان کی دلی کیفیت کا اندازہ ہوا تو پاپا پہ غصہ آنے لگا۔

''بڑا آدمی بن گیا ہے۔ اسے فرصت کہاں ہے......؟''

وہ مسکرائے۔ ان کے لہجے میں نارسائی کی تھکن تھی۔ وہ کچھ کہے بغیر ان کے لحاف کے ڈیزائن کو گھورنے لگی۔

''میری دھی کا دل تو لگ گیا ہے ناں یہاں......؟''

دادا کے سوال پہ وہ مخمصے میں پڑ گئی۔ سچ میں بول کر وہ ان کا دل توڑنا نہیں چاہتی تھی۔ جبھی سر کو اثبات میں جنبش دی تھی اور دادا کو تو گویا ہفت اقلیم کی دولت مل گئی۔

''میں تو پہلے ہی کہتا تھا۔ میری پتری کا دل بھی یہاں لگے گا۔ ارے بھئی......! ناخنوں سے ماس الگ ہوا ہے کبھی......؟''

وہ جوش و خروش سے بولتے ہوئے ہنسنے لگے۔ ایمان بس انہیں خوش دیکھ کر مسکرا دی۔

''تیرے باپ کا خیال تھا میری بیٹیاں یہاں نہیں رہ سکتیں۔ دیکھا ناں......! غلط سوچتا تھا وہ......! اب اسے پتا چلے گا تو کتنا حیران ہوگا۔''

وہ اس سرخوشی کی کیفیت میں کہہ رہے تھے۔

''پاپا کو پتا تھا ہم یہاں خوش نہیں رہ سکتیں، پھر بھی پاپا نے ہمیں یہاں بھیج دیا، کوئی بھی اسٹرانگ ریزن دیئے بغیر۔''

اس کے اندر فشارِ خون بڑھنے لگا۔

''فضہ تو گھل مل گئی ہے سب سے۔ میری بہت خدمت کرتی ہے۔ اللہ اس کا نصیب سوہنا کرے۔ تو مجھے بتا پتری......! تجھے یہ سب لوگ کیسے لگے......؟''

دادا کے اگلے سوال پہ وہ اپنی سوچ کے جنگل میں بھٹکتے چونکی تھی اور ایک سرد آہ بھری۔

اچھے ہیں......! دادا...... سب اچھے ہیں۔

''کیا حرج ہے اگر آج میں کسی کا دل رکھنے کو تھوڑا سا جھوٹ بول دوں گی تو......؟''

اس نے خود کو ڈھارس دی۔

''اور ولید......؟ ولید کیسا لگا تمہیں......؟''

اس نے بہت بری طرح سے چونک کر دادا کو دیکھا اور اس سوال کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کی۔ اس کا دماغ لحظہ بھر کو جیسے تن سا گیا تھا۔ اب وہ دادا کا دل رکھنے کی خاطر بھی جھوٹ نہیں بول سکتی تھی۔

مجھے نہیں پتا دادا......! آپ کس سنیس میں یہ سوال مجھ سے کر رہے ہیں......؟ مگر میں کسی بھی لحاظ سے اس بندے کو پسند نہیں کرتی۔ ویسے بے فکر رہیں، میں عاقب بھائی اور اشعر کے متعلق اچھے خیالات رکھتی ہوں۔''

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے بہت واضح اور مدلل انداز میں کہا تھا۔ دادا کو اس کی پوری بات تو سمجھ نہیں آئی، مگر وہ یہ نتیجہ ضرور اخذ کر گئے کہ وہ ولید کے لئے اچھے جذبات نہیں رکھتی۔ ان کا بوڑھا چہرہ ایک دم بجھ کر رہ گیا۔

''شاید آپ کو میری بات اچھی نہیں لگی......؟ آئی نو کہ آپ اسے بہت پسند کرتے ہیں مگر......''

''آپ کی دوا کا ٹائم ہو گیا ہے دادا......! انہیں دوا لے لیں۔''

عین اسی پل ولید بولتا ہوا اندر آیا تھا۔ ایمان کی بات اُدھوری رہ گئی۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر چہرے کا رخ پھیر لیا، جبکہ ولید اسے وہاں دیکھ کر چونکا تھا۔ مگر اگلے ہی لمحے نارمل سے انداز میں آگے بڑھ کر دادا کی دوائیں الماری سے اٹھانے لگا۔

''میں چلتی ہوں دادا......!''

وہ اس کے نزدیک آنے سے قبل اُٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے جانب نگاہ کئے بغیر ہی پلٹ کر باہر چلی گئی۔ ولید جو اس کے یوں اُٹھ کر چلے جانے پہ ہونٹ بھینچے کھڑا تھا، دادا کی آواز پہ چونکا۔ جو دوا کھانے سے ایک بار پھر انکار کر رہے تھے۔

''یہ تو آپ کو کھانا ہوتی ہیں دادا......! کیوں ضد کرتے ہیں بچوں والی......؟''

وہ بھی جانے کس موڈ میں تھا کہ جھلاہٹ کا شکار ہو گیا۔

''بچوں والی ضد ہو یا بوڑھوں والی، میں نے نہیں کھانی، تجھے کہا ناں......! چل بھاگ اب ادھر سے۔''

دادا کی بدمزاجی آج پھر عروج پہ تھی اور ایسا ہمیشہ تب ہوتا تھا جب وہ اُداس ہوتے تھے۔ ولید نے گھور کر انہیں دیکھا اور گہرا سانس کھینچا۔

''کیا باتیں کر رہے تھے آپ اس سے......؟ منع بھی کیا تھا آپ کو مگر......''

وہ بات اُدھوری چھوڑ کر ضبط کی کوشش میں ہونٹ بھینچ کر سر جھٹکنے لگا۔

''فضہ بھی تو......''

''فضہ کی بات چھوڑیں......! ہر کسی کا مزاج ایک جیسا نہیں ہوتا۔''

وہ جھلانے لگا۔

''وہ بھی تو اس کی بہن ہے۔ ویسے ہی ماحول میں پلی بڑی ہے پھر وہ تو......''

وہ سخت عاجز ہوا۔ بہت خفگی سے انہیں دیکھا، مگر ان کے چہرے پہ بکھری اذیت کو دیکھا تو ان کے نزدیک آ کر ان کے ہاتھوں کو نرمی سے تھام کر سمجھانے والے انداز میں بولا تھا۔

''زندگی میں ہر خواہش پوری ہونے کے لئے تو نہیں ہوتی ناں......؟''

دادا اُداسی سے اسے تکنے لگے۔ پھر جیسے اپنے آنسو چھپانے کو سر جھکا لیا تھا۔ وہ مضطرب ہوا تھا۔

''دادا......! پلیز......! پلیز......!''

اس نے بے اختیار انہیں گلے لگا لیا۔

''میں خود کو سمجھا لیتا اگر یہ صرف میری خواہش ہوتی۔''

''ہم نے اسی لئے تو تجھے اتنا پڑھایا لکھایا تھا، اتنا قابل بنایا تھا، بھول جائیں سب کچھ......؟''

''میں نے کسی کی خاطر کچھ نہیں کیا اور ابا اماں بھی سمجھو یہ کر لیں گے۔''

''کیا تو بھی کرے گا......؟''

دادا کا سوال تھا کہ خنجر کا وار......؟ وہ جیسے کٹ کر رہ گیا۔

''ماں پیو اپنی اولاد کی جنبش سے اس کی خواہش اس کی پسند اور خوابوں سے آگاہی حاصل کر لیتے ہیں پتر......! تو نے کبھی منہ سے نہیں کہا، تو کیا ہم......''

''دادا...... پلیز......! پلیز......! چپ ہو جائیے......! ایسی کوئی بھی بات نہیں ہے۔''

اس کی انا بلبلا اُٹھی تھی۔ اس نے بے اختیار انہیں ٹوک دیا۔ لہجے میں اتنی قطعیت، اتنی عاجزی تھی کہ دادا خاموش رہ گئے۔

''آپ کا بیٹا بہت مضبوط ہے دادا......! اور یقیناً آپ اسے مضبوط ہی دیکھنا چاہیں گے۔ اس خواہش کو کسی اندھی گہری کھائی میں پھینک دیں۔ آج کے بعد آپ کبھی یہ بات نہیں کہیں گے۔''

بہت دیر بعد وہ انہیں کاندھوں سے تھام کر دھیرے دھیرے سمجھا رہا تھا اور دادا نے نڈھال انداز میں سر تکیے پہ رکھ دیا۔

☆☆☆

حرا آپا کا گھر ویسا ہی تھا جیسے عموماً گاؤں کے گھر ہوتے ہیں۔ بہت بڑا سا آنگن جس میں سکھ چین، پیپل اور امرود کے پیڑ لگے ہوئے تھے۔ اسی آنگن کی ایک دیوار کے ساتھ مٹی کا چولہا تھا جس کے پیچھے کچی دیوار دھوئیں سے سیاہ پڑ چکی تھی۔ اس وقت سب سے زیادہ رش وہیں تھا۔ یقیناً کھانا تیار ہو رہا تھا۔

جس وقت وہ لوگ وہاں پہنچے، شام اُترنا شروع ہو چکی تھی۔ صرف شام ہی نہیں، ساتھ میں سردی بھی تھی۔ فضہ تو گھر سے سوئیٹر پہن کر چلی تھی، گرم شال بھی اوڑھ رکھی تھی، ماما کا بھی انتظام پورا تھا۔ بس وہی ان باریکیوں کا خیال نہیں رکھ پائی تھی اور اب سردی سے باقاعدہ کپکپا رہی تھی۔

''ادھر آ جا کڑیے......! چولہے کے پاس، تجھے سردی لگ رہی ہے ناں......؟''

جب وہ سب سے مل کر تعارف کے مرحلے کو نپٹا کر بیٹھ گئیں تھیں، تب حرا آپی کی ساس نے کہا تھا۔

''ارے نہیں......! انہیں دھواں پریشان کرے گا۔ آپ انہیں کوئی لحاف لا دیں۔''

اشعر نے بہترین حل نکالا تھا۔ فضہ ہنسنے لگی۔

''او......! یہ یہاں سونے تھوڑا ہی آئی ہے......؟''

''لحاف اوڑھ کر صرف سویا ہی تو نہیں جاتا......؟ ٹھنڈ سے بچت کی خاطر بھی یہ کام کرنا پڑتا ہے۔''

اب کی مرتبہ عاقب نے جواب دیا تھا۔ وہ تب بھی خاموش رہی۔ حرا آپا کی نند ثانیہ اس کے لئے سرخ مخملی رضائی اُٹھا لائی۔

''باجی جی......! آپ اُوپر ہو کے بیٹھ جاؤ۔ چائے بس بن گئی ہے۔ ہم ابھی لاتے ہیں۔ آپ کی سردی کو فرق پڑے گا۔''

وہ اس کے اُوپر لحاف کھول کر پھیلاتے ہوئے بولی۔ ایمان نے چپ چاپ اس کی ہدایت پہ عمل کیا تھا۔ ان کی پوری فیملی کے علاوہ آس پاس کے گھروں سے بھی عورتیں شہری مہمانوں کی دید کے لئے چلی آئی تھیں۔ اور اب سب ہی پُر اشتیاق نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ ایمان کو اُلجھن ہونے لگی۔

''ہم کوئی نمائش میں لگی ہوئی چیزیں تھوڑا ہی ہیں جو یہ لوگ اس طرح گھور رہے ہیں......؟''

وہ بڑبڑائی تھی۔ عاقب نے اس کی بڑبڑاہٹ سن لی اور بے ساختہ ہنس پڑا۔

''یہ سادہ لوح لوگ ہیں گڑیا رانی......! شہری لوگ انہوں نے صرف ٹی وی میں ہی دیکھے ہیں۔ ان کے رشتہ دار، احباب بھی گاؤں کے رہنے والے ہیں ناں......! اس لئے۔''

وہ بہت رسانیت سے اسے سمجھانے لگا۔

''ہاں......! بالکل ادھر آپ کے ہاں تو کسی نے اس قسم کی حرکت نہیں کی۔''

فضہ نے عاقب کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ جس پہ غور کئے بنا ایمان کو بس اس تائید پہ غصہ آیا تھا جو اس نے عاقب کے لئے کی تھی۔ جبھی اس کا منہ بن گیا تھا۔

پھر چائے اور دہکتے کوئلوں کی انگیٹھی ایک ساتھ لائی گئی۔ ہمسائے کی خواتین واپس جا چکی تھیں۔ ایمان نے صرف چائے لی۔ دیگر لوازمات سے اس نے آپا وغیرہ کے اصرار کے باوجود انکار کر دیا۔

''ولید ساتھ کیوں نہیں آیا......؟''

وہ ہتھیلیوں نرمکوں پہ بچھائے گئے اُپھاڑوں پہ گہری زرد کڑھائی کو بے دھیانی میں دیکھ رہی تھی، جب آپا نے سوال کر دیا تھا۔ اسے لگا اس نام کو سن کر اس کے حلق میں چائے پھنس گئی ہے۔

''اس نے منع کر دیا، ہم نے تو کہا تھا ساتھ چلے۔''

عاقب حسن نے جواب دیا تھا۔ وہ دانستہ اپنا دھیان دوسری سمت لگانے کی کوشش میں اپنے موبائل کی سمت متوجہ ہوئی، جہاں کوئی میسج آ رہا تھا۔

لگا دے......؟"

حرا آپا آبدیدہ ہونے لگیں۔

"افوہ......! میں سمجھاؤں گا، لگا لے گا چکر۔ مقصد تو ملنا ہوتا ہے ناں...... ! وہ نہ سہی، تم آ جاتی ہو۔"

عاقب حسن نے کسی قدر سبھاؤ سے کہا تھا۔ ایمان اس بات چیت، اس ماحول سے اُکتانے لگی۔

چائے پی لی گئی۔ برتن اُٹھا کر ثانیہ باہر چلی گئی۔ اب کمرے میں حدت آمیزی کا احساس تھا۔ وہ سب آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایمان خاموش بے زاری بیٹھی رہی۔ موضوع گفتگو ثانیہ کی شادی تھی جو اگلے مہینے کی کسی تاریخ میں طے پائی تھی۔ ان دنوں اس کا جہیز تیار کیا جا رہا تھا۔ ثانیہ شرماتی لجاتی بیٹھی تھی۔ چہرے پہ ایک مستقل مسکان تھی، جس نے اس کے عام سے نقوش کو بھی ایک انوکھی سی چمک بخش دی تھی۔

"بہت اچھی ہے ثانیہ......! بہت فرمانبردار......! سارا کچھ میں نے اپنی پسند سے خریدا ہے۔ اماں اور اسلم (حرا آپی کے شوہر) نے مجھے ہی سارا اختیار سونپا ہوا ہے۔ میں نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ سونے کا سیٹ بنوایا ہے، جہیز میں دو پیٹیاں، کپڑے دھونے کی مشین، کپڑوں کی الماری دے رہے ہیں۔ ایسا شاندار جہیز ہوگا کہ دُنیا دیکھے گی۔"

حرا آپا خود ہی اپنی تعریفوں میں رطب اللسان تھیں۔ ایمان کی ہنسی چھوٹنے لگی۔ جبکہ ماما اور فضہ اس کے برعکس بڑی سنجیدگی سے سن رہی تھیں۔

"اب تھوڑی بہت چیزیں رہ گئیں ہیں یا پھر کپڑے وغیرہ۔ میں نے تو ثانیہ سے کہا ہے کم از کم کپڑے تو اپنی پسند کے بنالے، پر مانتی ہی نہیں ہے۔ کہتی ہے بھابی......! مجھے آپ کی پسند پہ بھروسہ ہے۔ ایک دو سوٹ میں نے خرید لئے ہیں، ٹھہریں، میں آپ کو دکھاتی ہوں۔"

اس نے لمحے بھر کا توقف کر کے ثانیہ کو اشارہ کیا وہ لپک جھپک دوسرے کمرے سے ایک شاپر اُٹھا لائی۔ جنہیں کھولا گیا تو ایسے سوٹ برآمد ہوئے جن کی چمک دمک آنکھوں کو چبھتی تھی۔ تیز چنگھاڑتے رنگ اور ہلکا سا کپڑا۔ مگر آپا بڑے فخر سے دکھا رہی تھیں۔

"اچھے ہیں ناں......؟"

انہیں ان کی رائے کی بھی ضرورت تھی۔ ایمان نے خاموشی میں ہی عافیت جانی۔ البتہ فضہ کو تعریف کرنا پڑی تھی۔

"یہ دونوں ہی باجیاں بہت سوہنی ہیں۔ ان کے کپڑے بھی بہت اچھے ہیں۔ بھابھو......! ان جیسے ہی کچھ جوڑے مجھے منگوا دو ناں......!"

کچھ دیر بعد ثانیہ نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا تو ایمان نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا اور کچھ فاصلے پر بیٹھے اشعر کا کاندھا ہلا کر متوجہ کیا۔

"جناب......!"

وہ اسے دیکھتے ہی باخبر ہو کر بولا۔ مگر ایمان کا موڈ ہنوز تھا۔

"ہم کب واپس چلیں گے......؟"

"ارے......! اتنی جلدی......؟ ابھی تو کھانا بھی نہیں کھایا۔ پھر اس کے بعد بھی مشکل ہے کہ آپا آپ لوگوں کو جانے دیں۔ ویسے آپ کو اتنی جلدی کیوں ہے واپسی کی......؟ جبکہ ہم تو آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کو گھر کی یاد آ رہی ہے کیا......؟ یا گھر میں موجود کسی خاص ہستی کی......؟"

اشعر کے لہجے میں بے معنی سی، معصوم سی شرارت تھی، مگر ایمان کی حالت بری طرح سے بگڑ گئی۔ دھڑکنیں ناگواری کے احساس سمیت چیخ گئیں۔ اسی لحاظ سے موڈ بھی برہم ہوا تھا۔

"مائنڈ اٹ......! نہ تو تمہارا گھر اتنا پُر آسائش ہے اور نہ ہی وہاں موجود لوگوں میں سے کسی سے میرا ایسا قلبی لگاؤ کہ میں اس کی کمی کو محسوس کرتی بے چین ہو کر واپسی کا سوچوں......؟ میں اس اوپرے ماحول سے اُکتا گئی ہوں۔ تنہائی چاہ رہی ہوں۔ اینڈ دیٹ سیک......!"

بغیر کسی لحاظ کے اس کا لہجہ درشت ہی نہیں تلخ اور برہم بھی تھا۔ شدید اشتعال کے باعث اس کی آواز بھی اونچی ہو گئی تھی جس کی وجہ سے آپا کے ساتھ ساتھ فضہ، ماما اور عاقب نے بھی چونک کر انہیں دیکھا تھا۔

"کیا ہوا......؟"

عاقب نے اس کا لال بھبوکا چہرہ دیکھ کر اشعر سے استفسار کیا تھا جو بے تحاشا خجالت محسوس کرتا ہونٹ کچل رہا تھا۔

"کچھ نہیں بھئی......!"

وہ بولا تو اس کی آواز بے حد مدھم تھی۔

"کچھ تو کیا ہوگا تم نے......؟ ایویں تو امی کو غصہ نہیں آیا......؟ لاکھ بار سمجھایا ہے، سوچ سمجھ کر بولا کرو......!"

آپا اسے بے دریغ ڈانٹنے لگیں۔ ماما حیران تھیں جبکہ فضہ کی تنبیہی نظریں ایمان پہ آٹھہری تھیں جو سختی سے ہونٹ بھینچے جانے کیسے ضبط کے مراحل طے کر رہی تھی۔ آج کے دن میں اس ناپسندیدہ شخص کے حوالے سے دوسری بار اس کا موڈ خراب ہوا تھا، جس کے بارے میں سوچ کر ہی اس کی سوچیں سلگنے لگتی تھیں۔ اسے صاف لگا تھا جیسے در پردہ اشعر نے ولید کا حوالہ دے کر اسی پہ کچھ جتانا چاہا ہے۔ اشعر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اب کہاں جا رہے ہو......؟"

عاقب کی پکار پہ اس نے پلٹے بغیر اک لفظ کہا تھا۔

"گھر......!"

اور دروازے سے نکل گیا۔

"ہائے میں مرگئی۔ لگتا ہے میرا دیور ناراض ہو گیا ہے......؟"

حرا آپا نے گڑبڑا کر کہا اور اُٹھ کر اس کے پیچھے بھاگیں۔

"میں دیکھتا ہوں اسے۔ بہت بدتمیز ہو رہا ہے۔"

عاقب بھی اُٹھ کر ان کے ساتھ لپکا۔ ماحول ایک دم کشیدہ ہو گیا تھا۔ فضہ نے انتہائی خفگی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''کیوں بچوں سے اُلجھ جاتی ہو معمولی باتوں پہ......؟ اپنے جذبات کو کنٹرول کرنا سیکھو ایمان......! زندگی میں انسان کو ہر قسم کے حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس طرح انسان تماشہ بن جایا کرتا ہے۔''

''مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں......! میرا دماغ پہلے ہی بہت خراب ہو رہا ہے۔''

وہ چیخ پڑی۔ ماما نے فضہ کا ہاتھ دبا کر گویا اسے خاموش کرایا تھا۔ وہ ہونٹ بھینچے گویا خود پہ ضبط کرنے کی کوشش میں مصروف ہوگئی۔ اگلے چند لمحوں میں ہی آپا اور عاقب روٹھے روٹھے سے اشعر کو ساتھ لیتے واپس آئے تھے۔

فضہ نے جلدی سے اسے اپنے برابر جگہ دی۔ وہ یوں ہی منہ پھلائے بیٹھ گیا تھا۔

''آئی ایم سوری......! قارویٹ......!''

فضہ کی سرگوشی پہ اس نے پلکیں اُٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''آپ تو بہت اچھی ہیں، ڈونٹ وری......! میں آپ سے خفا نہیں ہوں۔''

''تھینکس......!''

فضہ ایک دم ریلیکس ہوگئی۔ پھر دانستہ وہ اشعر سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی تھی۔ ایسے ہی ماحول میں کھانا کھایا گیا جسے بہتر بنانے میں آپا، ان کے شوہر، فضہ اور عاقب کی کوششیں شامل رہی تھیں۔

''فضہ......! گڑیا......! اگر تم لوگ کافی پیتے ہو تب بھی بتا دو، ورنہ میں چائے بنا لاتی ہوں۔''

کھانے کے بعد آپا نے کہا تھا۔ فضہ کی سوالیہ نگاہیں ایمان کی سمت اُٹھیں مگر اس نے بے اعتنائی سے منہ پھیر لیا۔

''اب چلیں......!''

''ہائیں......؟ اس وقت......؟ نہ دھی رانی......! اس وقت جوان کڑیوں کو باہر نہیں نکالتے ہم لوگ۔ چور لٹیرے راہوں میں بیٹھے ہوتے ہیں، صبح جانا اب تم۔''

آپا کی ساس نے بے اختیار مداخلت کی تو آپا ہنس پڑی تھیں۔

''ہاں ہاں......! بالکل......! ویسے بھی میں اتنی جلدی نہیں جانے دوں گی۔ کچھ دن تو رہو ہمارے ساتھ......! ہم تمہیں اپنا گاؤں دکھائیں گے، باغات اور فصلوں کی سیر کرائیں گے۔''

ایمان کو وہاں رہنے کے خیال سے ہی بے چینی ہونے لگی۔ مگر دانستہ کچھ کہنے سے گریز کیا۔

''بھئی یہ تو فاؤل ہے، آپ لوگ تو ہمارے مہمانوں پہ قبضہ جمانے کی بات کر رہے ہیں، جس کی ہم ہرگز اجازت نہیں دے سکتے......؟''

عاقب نے مسکرا کر کہا۔ اس کی نگاہ بہت خاص انداز میں فضہ کی طرف اُٹھی تھی اور فضہ کی مسکراہٹ بھی حیا بار تھی یا ایمان کو لگا، اس کا دل گھبرانے لگا۔

''چل دے......! وڈا آیا مہمانوں والا......؟ ہمارا بھی اتنا ہی حق ہے، جتنا تمہارا، ہمارے بھی چاچے کی فیملی ہے۔ جانا ہے تو جاؤ، ورنہ بھلے تم بھی یہیں سو جاؤ۔ جگہ کی قلت نہیں ہے۔''

حرا آپا نے عاقب کو ڈانٹ دیا تھا۔ وہ کپڑے جھاڑتا اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ابھی تو جا رہے ہیں، مگر کل ضرور آئیں گے اپنے مہمانوں کو لینے کے لئے۔ اور کل یہ زبردستی نہیں چلے گی، ابھی بتا دیں۔''

عاقب کے انداز میں معصومیت تھی۔ اس بار دانستہ ایمان نے دونوں کے تاثرات نوٹ نہیں کئے۔

''وے نکے......! ضرور آنا تو بھی۔ ورنہ میں سمجھوں گی تو اپنی آپا سے ناراض ہے۔ ہو سکے تو ولید کو بھی لے آنا۔''

آپا انہیں رخصت کرنے باہر تک بولتی ہوئی گئی تھیں۔ ایمان نے لیٹتے ہی کروٹ بدل لی۔ اس کا دل ہی نہیں، دماغ بھی بوجھل ہو رہا تھا۔ جبھی اس نے پہلے پاپا کی کال ڈسکنکٹ کی تھی پھر نیہاں کی۔ اس پل وہ خود سے بھی خفا تھی، جبھی کسی سے بات بھی کرنا نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆

سفیدے کے درختوں سے گھری نیم پختہ سڑک پر ڈھلتی ہوئی شام کے رنگ اُتر آئے تھے۔ کچھ سرمئی بادلوں کی وجہ سے بھی تاریکی کا احساس شدت سے ہوا تھا۔ کچھ تو موسم ہی سخت سردی کا تھا اور پھر صبح سے متواتر برستی بارش۔ جہاں تک نگاہ جاتی کہر ہی کہر تھا۔ مگر وہ پھر بھی ضد کر کے باہر نکل آئی تھی۔

کھیت ویران تھے۔ اگر کوئی کسان وہاں تھا بھی تو اپنی کٹیا میں لحاف اوڑھے ٹھٹھر رہا ہوگا۔ اپنے ساتھ اس نے ثانیہ کو بھی آزمائش میں ڈالا ہوا تھا کہ فضہ نے تو اس کے ساتھ آنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

باہر نکلتے ہی ٹھنڈی صبیح ہوا کے جھونکے جیسے ہی اس سے ٹکرائے تھے، اسے تب سے ہی چھینکیں شروع ہوگئی تھیں جواب بھی وقفے وقفے سے آ رہی تھیں۔ ثانیہ تو شاید عادی تھی اس موسم کی شدت کو سہنے کی، مگر وہ تو جیسے خود کو آزما رہی تھی۔

''آپ نے اس سے پہلے کبھی گاؤں نہیں دیکھا باجی جی......؟''

ثانیہ اس کی دیوانگی سے یہی نتیجہ اخذ کر سکی تھی۔

''یہی سمجھ لو......!''

اس نے بے نیازی سے جواب دیا تھا۔ اتنی دیر سے وہ اس کے ساتھ تھی مگر ایمان نے اس کے ساتھ ازخود کوئی بات نہیں کی تھی۔ ثانیہ بیچاری اب خود ہی گفتگو کا آغاز کر چکی تھی۔

''آپ کو گاؤں یقیناً بہت اچھے لگتے ہوں گے......؟ ہے ناں جی......؟''

وہ اسی متاثر کن انداز میں مخاطب تھی جو ایمان کے لئے اس کے چہرے، اس کی آنکھوں سے چھلکتا نظر آتا تھا۔

''ایسا کچھ خاص تو نہیں ہے گاؤں میں کہ پسند کیا جائے......؟''

وہ کسی قدر نخوت سے بولی اور ثانیہ کا چہرہ اُتر گیا۔ اس کا خیال تھا یہ خوب صورت نخریلی سی باجی گاؤں کی کشش میں اتنی ٹھنڈ کی پرواہ کئے بغیر سیاحت کے لئے نکلی ہے۔

''آپ کے کپڑے تو بہت مہنگے ہوں گے ناں......؟''

اب اس کی نظریں اس کے لباس پر تھیں۔ ایمان چلتے چلتے رک گئی۔ اور [illegible] کے درخت سے بچ کر

گرتے سرخ پھولوں سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب دیکھا۔ ان آنکھوں میں معصوم سی خواہش تھی۔

''نہیں......! ہرگز بھی مہنگے نہیں ہیں۔ میں تمہاری شادی پہ تمہیں ایسا ہی سوٹ تحفے میں دوں گی۔ ویسے تم مجھے بلاؤ گی ناں......؟''

وہ بات کرتے کرتے ایک دم رُک کر اسے دیکھنے لگی۔ ثانیہ کے چہرے پہ الوہی خوشی کے رنگ بکھر گئے تھے۔

''کیوں نہیں باجی جی......! آپ تو ضرور آنا۔ مجھے میک اپ بھی آپ سے ہی کروانا ہے۔ آپ خود جتنی حسین ہو ناں، اتنا ہی مجھے بھی بنا دینا۔ اتنا کہ مجھے جو بھی دیکھے بس دیکھتا رہ جائے۔''

''ارے......!''

وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

''یہ خواہش کیوں ہے تمہیں......؟''

''ہر کسی کو ہوتی ہے۔ آپ کو نہیں ہے کہ جب آپ دُلہن بنو تو ساری دُنیا آپ کو دیکھ کر حیران رہ جائے......؟''

''نہیں بھئی......! مجھے یہ خواہش نہیں ہے۔''

اس نے کاندھے جھٹک دیئے۔

''اچھا......؟''

ثانیہ بے حد حیران نظر آنے لگی۔ تب ہی اسے ایک بار پھر ایک ساتھ پانچ چھ چھینکیں آئی تھیں۔ دماغ ہل کر رہ گیا۔ ثانیہ پریشان ہو گئی۔

''واپس چلیں باجی جی......؟ آپ کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔''

''ہاں......! اب چلو۔''

اس نے کاندھے اُچکا دیئے۔ اپنا اُلجھا ذہن بٹانے میں وہ بہرحال کامیاب رہی تھی۔

☆☆☆

رات تقریباً آٹھ بجے کا عمل تھا، ساتھ والے کمرے سے ٹی وی چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ سر تک کمبل اور اُوپر لحاف اوڑھے بھی وہ سردی سے کانپ رہی تھی۔ گھر پہنچتے انہیں سات بج گئے تھے۔ عاقب انہیں لینے آیا تھا۔ راستے میں بھی اسے چھینکیں آئی تھیں اور آتے ہی لحاف میں گھس گئی۔

اپنی خرابی طبیعت کا اس نے کسی کو بھی نہیں بتایا تھا۔ خود ساختہ انا اسے بہت تیزی سے ہر رشتے سے دُور کر رہی تھی۔ جسم شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا، مگر وہ سب کچھ خود پہ سہہ رہی تھی۔

دوسرے کمرے سے مسلسل ہنسنے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں اور جانے کیوں اس کا دل بھرایا جا رہا تھا بغیر کسی وجہ سے آنکھیں برسنے لگیں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد جب فضہ اور ماما سونے کے ارادے سے ٹی وی بند کر کے کمرے میں آئیں تو اس کی کراہوں پہ پریشان ہو گئیں تھیں۔

''کیا ہوا ایمی......! طبیعت ٹھیک ہے......؟''

فضہ نے فی الفور سوال کیا۔ جواب میں کچھ کہنے کی بجائے اس نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔ مگر آنسو اسی تسلسل سے بہہ رہے تھے۔

''ایمان بیٹا......! کیا زیادہ طبیعت خراب ہو رہی ہے......؟''

ماما نے صرف سوال نہیں کیا، اس کا لحاف ہٹا کر پیشانی کو چھوا اور بے حد پریشان ہو گئیں۔

''مائی گاڈ......! فضہ......! اسے تو بہت تیز بخار ہے۔ ذرا دیکھو......!''

انہوں نے گھبراہٹ زدہ انداز میں فضہ کو آگاہ کیا تھا۔ فضہ تیزی سے اس کے نزدیک آئی اور ٹمپریچر محسوس کرتے ہی اس کی تشویش بھی گہری ہو گئی۔

''میں تاؤ جی کو بلاتی ہوں، شاید کسی ڈاکٹر کی دُکان کھلی ہو......؟''

وہ فکرمندی سے کہتی شال لپیٹتی کمرے سے نکل گئی۔ نیچے آئی تو وہ لوگ خبریں سنتے ہوئے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے، شاید اتوار تھا اس لئے، ورنہ عموماً وہ سب اس وقت سونے کو پہنچ جاتے تھے۔

''آپیر......! رُک کیوں گئی......؟''

سب سے پہلے تاؤ جی نے اسے دیکھا تھا۔ وہ قدرے ہچکچا گئی۔

''تاؤ جی......! اس وقت ڈاکٹر مل سکتا ہے......؟ ایچھی لی ایمی کو بہت تیز بخار ہو رہا ہے۔''

''لیکن کب سے......؟ پہلے کیوں نہیں بتایا......؟''

تاؤ جی حسب توقع بے تحاشا فکرمند نظر آنے لگے۔

''ہمیں بھی ابھی پتا چلا ہے۔ وہاں آپا کی طرف تھی ناں، سارا دن گاؤں میں گھومتی پھری ہے۔ شاید ٹھنڈ لگ گئی ہے۔''

اس نے یوں ہی آہستگی سے جواب دیا تھا۔

''میں ولید کو بلاتا ہوں۔ دیکھ لیتا ہے بچی کو۔ ہو سکتا ہے اس کے پاس گھر پہ دوائیں بھی ہوں۔''

تاؤ جی اُٹھ کر باہر نکل گئے۔ فضہ نے اُلجھ کر ہلتے پردے کو دیکھا تھا۔

''اس وقت ڈاکٹر نہیں مل سکتا شائد......؟''

''ہر وقت مل سکتا ہے، گھر کا ڈاکٹر ہے ہمارا، ڈونٹ وری......!''

اس کی خود کلامی کے جواب میں عاقب نے مسکرا کے تسلی دی تھی۔ وہ چونک کر رہ گئی۔

ولید نے میڈیکل کی تعلیم حاصل کی تھی۔ ہاؤس جاب بھی مکمل ہو گیا تھا کہ پھر سی ایس ایس کا شوق چڑھ گیا۔

''ڈونٹ وری......! اسے دواؤں کی سوجھ بوجھ ہے۔ دادا کا علاج وہی کرتا ہے۔''

اس کے اس انکشاف پہ پھیلنے والی آنکھوں پہ غور کرتا ہوا عاقب کسی قدر شریر انداز میں بولا تو وہ جھینپ گئی۔ اور وضاحتی انداز میں بولی تھی۔

''مجھے ان کی قابلیت پہ شبہ نہیں ہے۔ میں ابھی آگاہ ہوئی ہوں ناں اس لئے۔''

''اوکے فائن......! آیئے......! میں بھی ایمان کی خیریت دریافت کر لیتا ہوں۔''

فضہ نے کاندھے اُچکا دیئے۔ جس پل وہ اس کے ہمراہ اندر داخل ہوئی، تائی ماں سمیت سب ہی ایمان کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ بخار کی حدتوں سے سرخ چہرہ کھلے ہوئے ریشمی بالوں کے حصار میں دہک رہا تھا۔ بے تحاشا سرخ آنکھیں، بھیگی ریشمی پلکیں، وہ سخت جز بز سی بیٹھی تھی۔

''تو فکر ہی نہ کر پتر......! ابھی بھلی چنگی ہو جائے گی۔ اپنا ولید پتر پنڈ میں بہت سارے لوگوں کا علاج کر چکا ہے۔''

''اور یقین کرو، ان میں سے ایک بھی نہیں مرا، سب زندہ ہیں۔ سو ڈونٹ وری......!''

عاقب نے بیچ میں لقمہ دیا تھا۔ انداز اتنا شریر قسم کا تھا کہ فضہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ جبکہ تاؤ جی نے بیٹے کو گھورا تھا اور سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔

میں نے تو کہا تھا دُکان کھول لے ڈاکٹری کی، پر مانتا ہی نہیں۔ کیا کرے......؟ ٹائم بھی کہاں ہوتا ہے اس کے پاس......؟ پہلے پڑھنے جاتا ہے شہر، پھر آ کے فصلوں کا سارا حساب کتاب کرتا ہے، کھیتوں کا کام بھی اسی نے سنبھالا ہوا ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی کو اچانک ضرورت پڑ جائے تو ماتھے پہ شکن لائے بغیر مسیحائی بھی کرتا ہے۔''

تاؤ جی بیٹے کی تعریفوں میں محو تھے جس سے ایمان کو تو ذرا برابر بھی دلچسپی نہیں تھی۔

''اس وقت موصوف ہیں کہاں......؟''

عاقب نے اس کی کمی محسوس کر کے کھنکار کر پوچھا تھا۔

''کہہ تو آیا ہوں میں اس کو۔ آ رہا ہوگا......؟''

تاؤ جی کی بات ابھی منہ میں ہی تھی، جب دروازہ ہلکے سے تھپتھپا کر ولید حسن نے اندر قدم رکھا۔ ہاتھ میں میڈیکل باکس تھا۔

ایمان کے چہرے پہ تناؤ کی لہر اُٹھی تھی۔ تاؤ جی نے اس کے بستر کے نزدیک کرسی خالی کر دی۔

''ادھر بیٹھ کے چیک کر پتر......! اچھی سی دوا دینا، تاکہ ہماری دھی کا بخار جلدی سے اُتر جائے۔''

''یہ تھرمامیٹر منہ میں لگائیں......!''

اس نے تھرمامیٹر جھٹک کر اس کی سمت بڑھایا، جسے پکڑنے کو ایمان نے ہاتھ نہیں بڑھایا تو اس کے بستر میں موجود ماما نے جلدی سے ولید سے تھرمامیٹر لے کر اس کا منہ کھلوا کر اندر رکھا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بے حد ناگواری سمیٹے ہوئے تھے یوں جیسے مارے بندھے بیٹھی ہو۔ اتنے سارے لوگوں کے لحاظ میں ولید نے ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھا تھا اور ہونٹ بھینچ لئے۔ اتنے افراد کی موجودگی کے باوجود کمرے میں خاموشی تھی۔ سب انہی کی سمت متوجہ تھے۔

اور یہی توجہ ایمان کو کھل رہی تھی۔ ولید نے ٹمپریچر تھرمامیٹر سے پڑھا تو اسی کے مطابق دوا باکس سے ڈھونڈنے لگا۔

''کتنا بخار ہے......؟''

تائی ماں نے سوال کیا تھا۔

''......! سردی تو نہیں لگ رہی آپ کو......؟''

تائی ماں کو جواب دے کر وہ براہِ راست اس سے مخاطب ہوا۔ وہ ناگواری کی احساس سمیت ہونٹ بھینچ رہی تھی۔

''بتاؤ ناں بیٹا......!''

''کچھ دیر پہلے تو بہت لگ رہی تھی، ابھی فضہ نے نیم گرم پانی پلایا ہے تو کچھ بہتر ہے۔''

ماما نے پہلے ایمان کو مخاطب کیا تھا پھر خود ولید کو جواب دینے لگی۔ ولید اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور میڈیکل باکس بند کرنے لگا۔

''دوا تو دے دو......!''

تاؤ جی نے بے اختیار ٹوکا۔

''لانا پڑے گی بابا......! میرے پاس نہیں ہے۔''

''اس وقت جاؤ گے......؟''

ماما نے تشویش سے دس کے ہندسے عبور کرتی کلاک کی سوئیوں کو دیکھا۔ گاؤں میں اتنی رات کو نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہ بات اب وہ بھی جان گئی تھیں۔

''دِٹس اوکے......! میں لے آؤں گا۔''

اس نے جواباً نرمی سے کہا تھا۔ ماما ایک دم ممنون نظر آنے لگیں۔ جبکہ ایمان کو خواہ مخواہ غصہ آ گیا۔

''اشعر یا عاقب کو ساتھ لے جانا پتر......!''

تاؤ جی نے تاکید کی تھی۔ اس نے سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

''میں چلتا ہوں۔''

عاقب اسی پل اُٹھ کر کھڑا ہوا۔

''کوئی ضروری نہیں ہے عاقب بھائی......! اتنی بھی خراب طبیعت نہیں ہے میری کہ دوا نہ ملی تو صبح تک مر جاؤں......؟''

اس کا تیز لہجہ ناگواری کی تپش لئے ہوئے تھا۔ ولید کی بے ساختہ نگاہ اُٹھی، وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے اُمڈتی ناپسندیدگی، ناگواریت اور تلخی۔ گویا چیخ کر کہہ رہی تھی۔ اس احسان کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ گہرا سانس کھینچ کر سر پہ ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

''خدانخواستہ......! ایمان گڑیا......! کیسی باتیں کر رہی ہو......؟ پہلی بات تو یہ کہ ہم کوئی بہت بڑا کام نہیں کرنے جا رہے۔ دوسرے اگر ایسا ہوتا بھی، تب بھی ہمیں ہرگز ناگوارِ خاطر نہ ہوتا۔ اپنوں کے کام آ کر روحانی تسکین حاصل ہوا کرتی ہے۔ اور تم ہماری بہت پیاری سی گڑیا ہو۔''

''ذہن کو ریلیکس کرو۔ ہم یوں گئے یوں واپس آ جائیں گے۔''

وہ اس کا سر تھپک کر مسکراتے ہوئے پلٹ گیا۔ ولید اس سے پہلے ہی جا چکا تھا۔ اور جس پل اس نے بائیک اسٹارٹ ہونے اور روانہ ہونے کی آواز سنی، عین اسی پل دستک دیتا اشعر اندر چلا آیا تھا۔ اسے دیکھ کر

مسکرایا۔

"نصیب دشمناں طبیعت ناساز ہے۔"

وہ اسے دیکھنے لگی۔

کیسے لگتے تھے یہ......؟ اس کے ناروا سلوک کے باوجود اس کے آگے پیچھے پھرتے تھے، کیوں......؟ کیا خصوصیت تھی اس میں......؟

اس نے سوچا مگر کوئی وجہ نہ ڈھونڈ پائی، سوائے اس کے کہ بقول فضہ وہ پُر خلوص، سادہ لوگ، محبت کرنا، محبت بانٹنا ان کا احسان نہیں، ان کا مزاج ہے۔ وہ اس نتیجے پہ پہنچی تو جیسے دماغ کی تنی ہوئی رگیں ڈھیلی پڑنے لگیں۔ اسے واقعی کسی ایک شخص کی وجہ سے سب سے منہ نہیں موڑنا چاہیے۔ اس نے فیصلہ کیا اور ریلیکس ہو گئی۔

"بھئی......! اگر خدمتیں کروانا تھیں تو ویسے ہی کہہ دیتیں۔ بیمار پڑنا ضروری تو نہیں تھا......؟"

وہ اس کرسی پہ آ بیٹھا جس سے ولید اُٹھ کر گیا تھا۔ تائی جی بھی اب اس کے بستر میں تھیں، اس کا سر انہی کی گود میں تھا۔ جسے وہ بڑی نرمی سے ہولے ہولے دبا رہی تھیں۔

"تم خفا نہیں ہو مجھ سے......؟"

اس نے دل میں چبھتا سوال کیا۔ اشعر نے ٹھنڈا گہرا سانس بھر کے اسے دیکھا تھا پھر سنجیدگی سے بولا۔

"آپ نے کبھی آئینہ دیکھا ہے غور سے......؟"

"کیا مطلب......؟"

وہ ہونق ہوئی۔ یہ تو وہی بات تھی سوال گندم جواب چنا......!

"آپ کی صورت اتنی معصوم، اتنی پیاری ہے کہ کوئی خفا ہونا بھی چاہے تو رہ نہ پائے۔"

اس کے جواب پہ ایمان اچھا خاصا جھینپ گئی تھی۔

"شیشے میں اتارنا تو خوب آتا ہے۔ کتنی لڑکیوں کو روز چکر دیتے ہو......؟"

وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔ اس کی خفگی دور ہونے کے خیال سے دل ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

"میں کہاں اُتارتا ہوں......؟ یہ صورت ہی ایسی حسین ہے کہ لڑکیاں خود چٹاخ پٹاخ گرتی ہیں مجھ پہ......!"

کالر کھڑے کرتے ہوئے وہ لمبی لمبی چھوڑنے لگا۔

"تاؤ جی......! آپ آرام کریں جا کے، اب ایمی بہتر ہے، میں دوا بھی کھلا دوں گی۔"

تاؤ جی کو نیند کے جھونکے آ رہے تھے، جب فضہ نے انہیں مخاطب کیا۔ وہ خفیف سے ہو گئے۔

"نہیں پتر......! میں ٹھیک ہوں......!"

مگر فضہ نے نہ صرف انہیں، بلکہ تائی جی کو بھی ایمان کی طرف سے مطمئن کر کے سونے کو بھیج دیا۔

جس وقت عاقب اوپر آیا، وہ اشعر کی باتوں پہ ہنس رہی تھی۔ لاشعوری طور پہ اس کی نظروں نے ولید کو ڈھونڈا تھا مگر وہ ساتھ نہیں تھا۔

"ولید کہاں ہے......؟"

سوال ماما کی طرف سے ہوا تھا، وہ لاشعوری طور پہ متوجہ ہو گئی۔

"اپنے کمرے میں چلا گیا ہے۔ دوا کا طریقہ مجھے سمجھا دیا۔ شاید اس کو بھی ٹھنڈ لگ گئی ہے۔ بار بار چھینک رہا تھا۔"

عاقب فضہ کو دوا دیتے ہوئے کھلانے کے بارے میں ہدایات دیتے ماما کو جواب دینے لگا۔ ماما لمحوں میں متفکر ہوئی تھیں۔

"سردی بھی تو بہت ہے باہر......! میں دیکھتی ہوں بچے کو۔"

ماما بستر سے نکل کر چلیں گئیں۔ اشعر کی ہنسی کی آواز پہ وہ جو جانے کیا سوچنے لگی تھی، چونک کر متوجہ ہوئی۔

"یہ تو چین ہی بن گئی مریضوں کی۔ دیکھئے ناں......! آپ کی وجہ سے ولی بھائی کو ٹھنڈ لگی وہ بیمار ہو رہے ہیں تو چچی جان ان کی خبر گیری کو اتنی سردی میں پہنچ گئی ہیں اب اس وجہ سے اگر انہیں ٹھنڈ لگ گئی تو یہ چین تو بنے گی ناں......؟"

وہ ہنسی ہنسی کے دوران اپنی ہنسی کی وضاحت دے رہا تھا۔ ایمان کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تم جا کے بستر سنبھالو، کہیں تمہیں بھی ٹھنڈ نہ لگ جائے......؟"

فضہ نے اسے ایک دھپ لگا کر وہاں سے اُٹھایا تو وہ یوں ہی ہنستا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ فضہ اسے دوا کھلانے لگی۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تو ذہن رات کی دواؤں کے زیر اثر سویا سویا سا تھا۔ وہ لحاف میں کسمسائی اور ذرا سا منہ باہر نکال کر کمرے کا جائزہ لیا۔ بستر اور لحاف سمٹے ہوئے تھے۔ رات کی بے ترتیبی کا کوئی منظر نہیں تھا۔ گویا فضہ اور ماما بیدار ہو چکی تھیں۔ مگر کمرے میں نہیں تھیں۔ اچھی خاصی خاموشی تھی جو مکینوں کی غیر موجودگی میں ہی تخلیق ہو پاتی ہے یا پھر آدھی رات کے مخصوص خوابیدہ تصور سے منسوب ہوتی ہے۔ معاً ٹھنڈی صبح ہوا کے تیز جھونکے دروازے سے ٹکرانے لگے اور دروازہ ہولے ہولے لرزنے لگا۔

ایک دم سے خاموشی کے پردے پر سلوٹیں نمودار ہو گئی تھیں۔ وہ یوں ہی سر اونچا کئے کمرے میں آتی روشنی کو دیکھتی رہی۔ دھندلی سی صبح تھی۔ کھلے دروازے سے کہر کے بادل اندر چلے آ رہے تھے۔ اس نے گہرا سانس کھینچا اور پھر سے سر تکیے پہ ڈال دیا۔ معاً سائیڈ ٹیبل پہ پڑے موبائل کی اسکرین بلنک کرنے لگی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اُٹھایا۔ اسکرین پہ پاپا کالنگ لکھا ہوا تھا۔ کچھ دیر یوں ہی اسکرین کو گھورتے رہنے کے بعد اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔

"اسلام علیکم......! صبح بخیر زندگی......! پاپا کی جان......! ہاؤ آر یو......؟"

پاپا کی فریش بھاری آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو دل بھر آیا۔ آج کتنے دنوں بعد وہ یہ آواز سن

رہی تھی۔

''امی.....! بیٹا.....! بولو ناں.....! کیسی طبیعت ہے اب.....؟''

''مجھے کیا ہونا ہے.....؟''

اس نے نروٹھے پن سے جواب دیا۔ اتنی ہی خفا تھی وہ ان سے۔

''تمہیں رات سے ٹمپریچر ہے۔ سویٹ ہارٹ.....! بے احتیاطی کیوں کی آپ نے.....؟''

وہ سرزنش کر رہے تھے۔ اس کا موڈ خراب ہونے لگا۔

''فضہ نے آپ سے میری شکایتیں کی ہیں.....؟''

''نہیں.....! فضہ نے تو کچھ نہیں کہا۔ ولی کا فون آیا تھا۔ اسی نے بتایا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اس کا خیال ہے تم مجھے مس کر رہی ہو۔ بیٹا.....! میں بھی اپنی خوشی سے آپ سے الگ نہیں ہوا ہوں۔ بعض اوقات مجبوریاں آپ کو جکڑ لیتیں ہیں۔ میری بیٹی تو بہت سمجھدار ہے ناں.....!''

پاپا اور بھی بہت سی باتیں کر رہے تھے۔ مگر وہ تو وہیں اٹک گئی تھی۔

''ولید نے کال کی.....؟''

''میں بہت جلد اپنی بیٹی سے ملنے آؤں گا۔ مگر ایک شرط ہے۔ مجھے اپنی ڈول ہمیشہ کی طرح مسکراتی، خوش باش، صحت مند ملنی چاہئے۔ پرامس.....!''

وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔

''ولید نے آپ کو کال کیوں کی تھی پاپا.....؟''

''بیٹے.....! مجھے آپ کے متعلق بتا رہا تھا ناں.....!''

پاپا کا لہجہ و انداز نارمل تھا۔ یوں جیسے یہ معمولی کی بات ہو۔

''یہ اتنی اہم بات تو نہیں تھی پاپا.....! جسے بتانے کو اس نے آپ کو کال کر لی.....؟''

وہ پتہ نہیں کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتی تھی مگر پاپا اس کی بات سن کر ہنس پڑے تھے۔

''ہمارے لئے تو اہم ہے ناں بیٹے.....!''

''ہمارے.....؟''

وہ اس ایک لفظ سے کچھ اور بھی اُلجھی۔

''صرف پاپا یا وہ بھی.....؟''

''کیا وہ اس سے پہلے بھی آپ کو کال کرتا رہا ہے پاپا.....؟''

''ہاں.....! ہماری اکثر بات ہوتی رہی ہے۔''

پاپا کا انداز ہنوز نارمل تھا جبکہ ایمان کے لئے یہ کسی انکشاف سے کم نہیں تھا۔

''آپ کو پتا ہے پاپا.....! وہ ڈاکٹر بھی ہے اور سی ایس ایس بھی کر رہا ہے.....؟''

''آئی نو بیٹا.....! میں جانتا ہوں۔ آخر بھتیجا ہے ولید میرا.....!''

اب کے شاید پاپا مسکرائے بھی تھے۔ وہ کچھ خفت زدہ ہوگئی۔ آخر وہ اسے کیوں مسلسل ڈسکس کر رہی

ہے.....؟

پاپا اسے باقاعدگی سے دوا لینے۔ خوراک پہ توجہ دینے اور اپنا خیال رکھنے کی تاکید کر رہے تھے۔

''جی بہتر.....! کسی اور سے بات کریں گے.....؟''

اس نے سعادت مندی سے سر ہلا کر سوال کیا۔

''نہیں.....! میری بات ہوتی رہتی ہے سب سے۔ بس تم سے نہیں ہو پاتی۔ بہت خفا تھی میری بیٹی.....؟''

انہوں نے اس پہ ہلکی سی گرفت کی تو ایمان بے تحاشا خجل ہو کر رہ گئی۔

''نہیں تو پاپا.....!''

اور جس پل وہ الوداعی کلمات ادا کر کے فون بند کر رہی تھی، ادھ کھلے دروازے پہ ہونے والی دستک پہ چونک کے متوجہ ہوئی۔ دروازے کے باہر ولید کی جھلک دیکھ کر اس کی نگاہیں ساکن ہو گئیں۔ وہ کھنکارتا ہوا اندر چلا آیا تو ایمان نے خود کو سنبھال کر جب اور کچھ نہ سوجھا تو چہرے اور گردن کے ساتھ کاندھوں پہ بکھرے بالوں کو سمیٹ کر کیچر میں جکڑنے لگی۔

''بابا نے مجھے آپ کی خیریت دریافت کرنے بھیجا ہے۔ چیک اپ کی بھی تاکید کی ہے۔''

ولید کی نگاہ اس کے گلابی مائل حسین و دلفریب نقوش سے سجے ساحرانہ چہرے پہ اٹھتی گرتی ریشمی پلکوں میں ایک لمحے کو اُلجھی تھی۔ وہ گویا اپنی وہاں موجودگی کی وضاحت پیش کر رہا تھا۔ ایمان نے جواب میں خاموشی کو اختیار کئے رکھا تو وہ خود کو احمق تصور کرنے لگا۔

''کیسا محسوس کر رہی ہیں اب آپ خود کو.....؟''

وہ کچھ توقف سے بولا تو لہجے میں خفیف سی تپش تھی۔

''جی بہتر.....!'' اس نے دھیمے سے جواب دیا تھا۔

''بہتر ہوگا، آپ مجھے نبض چیک کرا دیں۔''

وہ کسی قدر جھجک کر کہہ رہا تھا۔ اسی کتراتے ہوئے انداز میں ایمان نے بھی اپنی کلائی آگے کی تھی۔ ولید کی نگاہ میں سعادت مندی کے اس مظاہرے پہ حیرت در آئی مگر جلد خود کو سنبھال کر اس کی سفید کلائی پہ انگشت شہادت اور انگوٹھے سے دباؤ ڈالا۔

''ٹمپریچر کم ہے۔ بہتر ہے آپ سوپ یا دلیہ کھالیں۔ زیادہ چلنے پھرنے سے پرہیز کیجئے۔ دوا رات والی ہی استعمال کر لیجئے گا۔ شام تک مزید بہتری کی توقع ہے۔''

وہ اپنا ہاتھ ہٹا چکا تھا۔ بات کرنے کا انداز مخصوص ڈاکٹری پیشہ ورانہ تھا۔

''آپ کی طبیعت اب کیسی ہے.....؟ عاقب بھائی بتا رہے تھے آپ کو بھی شاید ٹھنڈ لگ گئی تھی.....؟''

☆☆☆

وہ جو دروازے تک پہنچ گیا تھا، بے ساختگی میں پلٹا۔ ان بادامی آنکھوں کی حیرت، غیر یقینی اور استعجاب نے اس کی خفت خجالت اور تحیر کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔ اس کی لانبی پلکیں جھک گئیں۔ گلابی گالوں پہ شرمندگی سرخی کی صورت بکھر گئی۔ وہ خود متحیر تھی، یہ بات کیسے اس کی زبان سے پھسل گئی......؟ جبکہ اس کا ایسا ارادہ بھی نہیں تھا۔ اس کی اس خفت نے اس کی خوب صورتی کو نکھا اور بھی پرکشش بنا دیا تھا۔ ولید حسن کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ سورج کی پہلی بن کر چمکی۔

اس نے پھر میرا حال پوچھا ہے
کتنا مشکل سوال پوچھا ہے
ہچکیوں کا عجیب لہجہ تھا
بات کو ٹال ٹال پوچھا ہے
تم مجھے چھوڑ تو نہ جاؤ گے
واسطے ڈال ڈال پوچھا ہے
آنسوؤں کی زبان میں اس نے
جتنا پوچھا کمال پوچھا ہے
کیا کبھی مل سکیں گے ہم دونوں
مجھ سے میرا خیال پوچھا ہے
دن گزرتا ہے کس طرح میرا
کیسے گزرے کا سال پوچھا ہے

اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہہ پاتا، اشعر نے اندر آ کر بڑے ہی برجستہ انداز میں پوری غزل پڑھ ڈالی۔ آنکھوں کی ناچتی شرارت ہونٹوں کی مچلتی مسکان گواہ تھی کہ وہ اور کچھ نہ بھی سہی، مگر ان کے بیچ ہونے والی وہ آخری بات ضرور سن چکا ہے۔ لہجے کی معنی خیزی از خود یہ بھید کھول رہی تھی۔ بظاہر وہ خود میں مگن تھا۔

ولید بظاہر سنجیدہ تھا، مگر آنکھوں میں ایک خوب صورت دبی دبی مسکان تھی جو صاف کہتی تھی، وہ اشعر کی شرارت کو انجوائے کر رہا ہے۔ ایمان کی خفت وخجالت پہ ناراضگی اور غصے کے ساتھ بے بسی کا بھی غلبہ چھانے لگا۔ خود پہ تاؤ آ رہا تھا۔ آخر وہ کیسے زبان کو بہکنے سے بچا نہیں پائی......؟ یہ جھنجلاہٹ ہی تھی کہ وہ اشعر پہ الٹ پڑی تھی۔

"کیا فضول ہانک رہے ہو......؟ اتنا ہی اشعار پڑھنے کا شوق ہے تو کہیں اور چلے جاؤ۔ یو تو......! میرے سر میں پہلے ہی درد ہے۔"

"آ...... آہم......!"

وہ خواہ مخواہ کھنکارا اور پھر آنکھیں سکیڑ کر بولا تھا۔

"میں تو ڈیئر سسٹر کی مزاج پرسی کو حاضر ہوا تھا۔ اگر مخل ہوا ہوں تو واپس جانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔"

وہ جل کر بہت عاجز نظر آنے لگا۔ ولید اس دوران پلٹ کر جا چکا تھا۔

"ہاں جاؤ......!"

وہ نروٹھے پن سے کہہ کر جھک کر اپنے جوتے ڈھونڈنے لگی۔

"اوکے میم......! کالج سے واپسی پر میں آپ کے لئے چاکلیٹ لاؤں گا، بائے......!

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوشبو کی طرح میں پذیرائی کی"

وہ گنگناتا ہوا دروازے تک گیا تھا، پھر پلٹ کر اسے معنی خیزی سے دیکھا اور ہنس دیا۔ ایمان اتنا جھلا گئی کہ سائیڈ ٹیبل پر پڑا کرسٹل وال اٹھا کر اسے دے مارا، مگر وہ بروقت خود کو بچا گیا اور دروازے سے نکل گیا۔

"ایڈیٹ......! نان سنس......!"

اسے بے تحاشہ تاؤ آنے لگا۔

"اس نے جلتی ہوئی پیشانی پر جب ہاتھ رکھا
روح تک آ گئی تاثیر مسیحائی کی"

اشعر نے کھلے دروازے سے سر اندر گھسا کر پھر اپنی پاٹ دار آواز کا جادو جگایا تو وہ آپے سے باہر ہوتی اٹھ کر ننگے پیر، ننگے سر ہی اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

"اشعر کے بچے......! رکو......! میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

وہ بے اختیار چیخی اور مٹھیاں بھینچتی اس کے پیچھے سیڑھیوں تک آتے ہی بری طرح سے ہانپنے لگی۔ وہ بھلا کیا قابو آتا، کسی چھلاوے کی طرح سے غائب ہو گیا۔ البتہ اس کے لئے ناشتے کی ٹرے لئے اوپر آتی نفسہ اسے یوں کھڑے دیکھ کر چیخ پڑی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو......؟ بے وقوف لڑکی...... ! مرنے کا ارادہ ہے کیا......؟ اتنی سردی ہے باہر اور تمہاری طبیعت پہلے ہی خراب ہے۔ چلو اندر......!"

وہ ٹرے وہیں پٹخ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی اندر اسے اس کے بستر تک لائی تھی اور زبردستی اسے لحاف میں دھکیل رہی تھی کہ وہ چیخ کر بول پڑی تھی۔

"افوہ......! مجھے واش روم تک تو جانے دو......!"

"جاؤ...... ! مگر جوتے پہنو، شال اوڑھو، پھر...... !"

فضہ نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ اپنی جرسی اُٹھا کر پہننے لگی، پھر سر پہ اونی ٹوپی بھی اوڑھ لی۔ شال کا تکلف البتہ اس نے نہیں کیا تھا اور جوتے گھسیٹتی باہر نکل گئی۔

"ولید بتا رہا تھا اب تمہیں ٹمپریچر نہیں ہے۔ کیسا محسوس کر رہی ہو تم...... ؟"

وہ تولیے سے منہ پونچھتی ہوئی اندر آئی تو فضہ نے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"ہاں...... ٹھیک ہوں۔ لیکن میں دلیہ نہیں کھاؤں گی۔"

ٹرے پر ایک نگاہ ڈالتے ہی اس نے بے زار کن لہجے میں کہا تھا۔

"ولید تمہارے لئے دلیہ ہی جسٹ کر کے گیا ہے۔"

"ولید جو کہے گا، میں ضرور مان لوں گی، یہ تم نے کیسے سوچ لیا...... ؟"

وہ ولید کا نام سنتے ہی آتش فشاں لاوے کی طرح سے پھٹ پڑی۔ ابھی کچھ دیر قبل جس انداز میں اشعر نے ولید کے حوالے سے اس کی درگت بنائی تھی، وہ اس کا دماغ خراب کر چکی تھی۔ فضہ نے سنجیدہ گہری نگاہ سے اسے دیکھا۔

"کنٹرول یور سیلف امی...... ! کس بات کا اتنا غصہ آ رہا ہے تمہیں...... ؟"

فضہ کو اس پہ ٹھیک ٹھاک تاؤ آ گیا۔ وہ ایک دم ہونٹ بھینچ گئی۔

"تم جانتی ہو ناں کہ میں دلیہ نہیں کھاتی ہوں فضہ...... !"

اس کا انداز ہارا ہوا تھا۔ فضہ کو ایک دم اپنے سخت رویے کا احساس ہوا تو فوراً ڈھیلی پڑ گئی۔

"تھوڑا سا کھا لو...... ! پھر میں تمہیں تمہاری پسند کا سوپ بنا کے دوں گی، اور تمہیں پتا ہے، آج پاپا بھی آ رہے ہیں۔"

فضہ نے اسے منانا چاہا۔ وہ آخری اطلاع پر ٹھٹکی تھی۔

"لیکن مجھے تو انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی میری بات ہوئی تھی ان سے۔"

اس نے اچنبھے میں گھر کر کہا تو فضہ مسکرا دی۔

"تمہیں سرپرائز دینا چاہ رہے ہوں گے۔ میں نے تمہیں اس لئے بتایا ہے تاکہ تمہارا موڈ ٹھیک ہو جائے۔ کیا تمہیں خوشی نہیں ہوئی...... ؟"

فضہ اچنبھے میں گھر کر بولی تھی۔ اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا تو فضہ بے چین ہونے لگی۔

"بتاؤ ناں...... !"

"میں اس روز خوش ہوں گی فضہ...... ! جب وہ ہمیں یہاں سے لے جائیں گے۔"

سنجیدگی سے کہہ کر وہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ فضہ ٹھنڈا سانس بھر کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"حالات کے شکنجوں میں گرفتار مسلسل
جی اپنا رہا خود سے بھی بے زار مسلسل

اس شہر میں جب جب بھی کوئی جرم ہوا ہے
ہم لوگ ہی ٹھہرے ہیں سزا وار مسلسل"

وہ سیڑھیاں اُتر کر نیچے آ رہی تھی، جب اس غزل کے بول اس کی سماعتوں میں اُترے۔ گائیکی شاندار، مغنیہ کی آواز دل میں اُترتی ہوئی تھی۔ اس کے قدموں کی رفتار بے اختیاری کی کیفیت میں دھیمی پڑ گئی۔

"جیسے میری آنکھیں ہیں روتی ہجر میں تیرے
یوں روئے نہ کوئی بھی میرے یار مسلسل
اظہار میں ہم نے تو کوئی فرق نہ چھوڑا
اس طرف سے ہوتا رہا انکار مسلسل
اے عمر بتا پھر بھی تجھے کیسے گزاریں
خدشات سے رہتے ہوئے دوچار مسلسل

کوئی اسٹاپ کہہ کر خود بھاگ گیا ہے۔"

اشعر اپنی نون میں اسی سمت آ رہا تھا، سیڑھیوں پہ اسے ایستادہ پا کر شرارت سے مسکرایا۔ ایک طرح سے اس کے مجسمہ بنے وجود پہ چوٹ کی۔ اس کے رُخسار خفت کی سرخی سے تمتما اُٹھے۔

"تم کبھی نہیں سدھر سکتے...... !"

اپنی خجالت مٹانے کو وہ اسے گھورنے لگی، مگر اس پہ کیا اثر ہوتا تھا بھلا...... ؟ دائیں بائیں آگے پیچھے اوپر نیچے اچھی طرح جھانک کر جائزہ لے چکا تو منہ بسور کر بولا تھا۔

"یہاں تو مجھے ایسی کوئی باکمال چیز نظر نہیں آئی ہے کہ بندہ سرپرائز ہو جائے...... ؟ آپ کی اس کیفیت کی وجہ...... ؟"

"افوہ...... ! میں یہ غزل سن رہی تھی، کس نے لگا رکھی ہے...... ؟"

اسے جھلا کر ہی سہی، مگر اصل بات بتانا پڑی تھی۔

"آئی سی...... !"

وہ سر دھننے لگا۔

"ایسی سڑوی سی شاعری ہمارے گھر میں ایک ہی بندہ پسند کرتا ہے، اور وہ ہیں ولی بھائی...... !"

وہ معاً چونکا اور اسے عجیب کھوجتی نظروں سے دیکھتا ہوا کسی قدر راز داری سے کسی حد تک مشکوک ہو کر بولا تھا۔

"مگر ایسی شاعری پسند کرنے کے لئے تو محبت کرنا، وہ بھی ون سائیڈ تو ضروری ہے۔ کہیں خدانخواستہ آپ...... "

اس نے دانستہ فقرہ اُدھورا چھوڑ دیا۔ ایمان بُری طرح بے زار ہوئی۔

"ہمیشہ فضول ہی ہانکنا۔ شاعری پسند کرنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ بندہ محبت میں ناکام ہو یا یک طرفہ محبت کا شکار ہو۔ حالات و واقعات کے مطابق وقتی کیفیت کے لحاظ سے الفاظ چن کر، بندہ تب بھی تو

سن سکتا ہے ناں......! پسند بھی کر سکتا ہے۔"

اس نے جیسے بہت گہرائی سے سمجھایا تھا۔ وہ سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے آنکھیں سکوڑ کر معصومیت سے بولا۔

"بائی دا وے......! یہ آپ اپنی صفائی پیش کر رہی ہیں، یا ولی بھائی کی......؟"

"صرف اپنی......! ان سے میرا کیا تعلق......؟"

اس نے جواباً نخوت سے ناک چڑھائی۔ اشعر اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ پھر خود کو سنبھال کر اس شرارت کے جامے میں آ گیا۔

"ان سے کن سے......؟"

"ا......ش......ع......ر......!"

اس نے دانت پیستے ہوئے مٹھیاں بھینچ لیں، اور وہ ہنستا ہوا چلا گیا تھا۔

☆☆☆

"بابا کیوں نہیں آئے اب تک......؟"

وہ صحن عبور کر کے کچن کے دروازے پر آ کھڑی ہوئی، جہاں فضہ ڈھیروں سامان اپنے آس پاس پھیلائے بریانی کو دم پہ لگا رہی تھی۔ کچن کی فضاء میں بریانی کی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی، جسے اس نے گہرا سانس کھینچ کر اندر اُتارا اور آگے بڑھ کر سلاد کی ڈش سے کھیرے کا قتلا اُٹھا کر دانتوں سے کترنے لگی۔

"پتا نہیں......! تم فون کر کے پوچھ لو ناں......!"

فضہ اپنے کام میں مصروف رہ کر بولی تھی۔

"میری زونگ کی سم ہے، فی الحال سگنل نہیں آ رہے۔"

"کسے فون کرنا ہے آپ نے......؟ میرا سیل لے لیں......!"

عین اسی پل وہ اندر آیا تھا۔ بلیک شلوار سوٹ میں اپنی ٹھٹکا دینے والی مردانہ وجاہت کے ساتھ، لہجہ و انداز دوستانہ تھا۔ ایمان نے چونک کر اسے دیکھا اور بے نیازی سے رُخ موڑ لیا۔

"پاپا سے ان کے آنے کے متعلق پوچھنا ہے۔ کہہ رہے تھے ناں، شام تک آ جائیں گے۔"

اس کے انداز کو دیکھتے ہوئے فضہ کو جواب دینا پڑا تھا۔

"ہاں......! تو پوچھ لیں، کب تک پہنچ رہے ہیں......؟"

وہ جیب سے اپنا سیل فون نکالنے لگا۔ تب ہی باہر کسی گاڑی کے رُکنے کی آواز آئی تھی۔

"رہنے دیں ولید بھائی......! میرا خیال ہے، پاپا آ گئے ہیں۔"

فضہ نے ایک دم خوشی سے نہال ہوتے ہوئے کہا تھا۔ اس نے کاندھے اُچکا دیئے۔

"جی......! آئی تھنک......!"

فضہ سب کچھ پھلانگتی اگلے ہی لمحے کچن سے باہر تھی۔ باہر واقعی بابا آئے تھے۔ وہ اب اندر آ چکے تھے۔ تاؤ جی ان کے ساتھ تھے۔

"السلام علیکم پاپا......! آئی ایم ویری مسنگ یو......!"

فضہ بالکل کسی ننھی بچی کی طرح ہی دوڑ کر ان کے کشادہ سینے سے لپٹ گئی تھی۔ وہ بے اختیار مسکرا دیئے۔

"وعلیکم السلام بیٹا......! پاپا بھی آپ کو اتنا ہی مس کرتے رہے ہیں۔ چھوٹی کدھر ہے......؟"

ان کی متلاشی نگاہیں بے چینی سے یہاں وہاں بھٹکی تھیں۔ تب ہی ولید آگے بڑھ آیا۔ پاپا بہت ہی تپاک سے اس سے ملے تھے، پھر اشعر اور عاقب سے۔ تائی ماں اور ماما بھی ان کی آمد کی اطلاع پا کر آ گئی تھیں۔

"وہ کچن میں ہے، آپ کو ہی شاید وہاں جانا پڑے پاپا......! وہ خفا ہے ناں آپ سے۔"

فضہ ہنس کر بتا رہی تھی۔ پاپا مسکراتے ہوئے کچن کی سمت آ گئے۔

"ہنی کم ہیئر بیٹا......!"

انہوں نے وہیں چوکھٹ پر رُک کر دونوں بازو پھیلائے تو وہ جو رُخ پھیرے آنسو چھپا رہی تھی، یوں ہی منہ چڑائے آ کر ان کے بازو سے لگ کر سسکنے لگی۔ پاپا نے اسے نرمی و محبت سمیت خود سے لگا لیا تھا۔

"آئی ایم سوری بیٹا......! آئی ایم ریئلی ویری سوری......!"

وہ اس کا سر تھپکنے لگے۔ اس کے آنسو اور شدت سے بہنے لگے تھے۔

"ہم وہاں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتے، مگر آپ تو یہاں ہمارے پاس آ سکتے تھے ناں......؟"

وہ یوں ہی روتے ہوئے بولی تھی۔

"پاپا سوری کر رہے ہیں ناں جانو......!"

انہوں نے اس کے آنسو پونچھے تھے۔ مگر وہ روٹھے ہوئے انداز میں ان کے ہاتھ جھٹکنے لگی۔

"ایمی......! کیوں پریشان کر رہی ہو اپنے پاپا کو آتے ہی......؟"

ماما نے ڈانٹا تو اس کے آنسوؤں میں شدت آ گئی۔ پاپا نے آنکھ کے اشارے سے ماما کو کچھ کہنے سے منع کیا تھا۔ پھر اسے منانے کی غرض سے بولے تھے۔

"چلو......! اب میں پرامس کرتا ہوں، ہر ویک اینڈ پہ ملنے آؤں گا، اب خوش......؟"

"نہیں......! بس آپ ہمیں یہاں سے لے کر چلیں۔"

اس نے منہ بسور کر شرط رکھی۔ پاپا کچھ بے بس سے ہوئے۔

"آئی پرامس وِد یو......! میں بہت جلد آپ کو لے چلوں گا، ٹھیک ہے ناں......!"

انہوں نے ایک بار پھر اس کے آنسو پونچھے۔ باقی سب جیسے خاموش دونوں کا مکالمہ سن رہے تھے۔

"اوکے......!"

وہ جیسے احسان جتلانے والے انداز میں بولی تو پاپا نے بے اختیار سکھ کا سانس بھرا تھا۔

"آپ کمرے میں چلو، میں بابا سے مل کر آتا ہوں۔"

وہ اس کا سر تھپکتے دادا کے کمرے کی سمت بڑھ گئے، تو وہ کسی کی بھی سمت دیکھے بغیر سیڑھیاں پھلانگتی

اوپر چلی گئی۔ اس بات سے بے خبر کہ ولید حسن کی تب سے اسے تکتی نگاہیں بہت ہی مضطرب انداز میں اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں اُلجھ گئی تھیں۔

''کیا سوچ رہے ہیں ولید بھائی......؟''

تقریباً بھی پاپا کے ساتھ دادا کے کمرے میں چلے گئے تھے، بس وہ اکیلا ہی وہاں کھڑا تھا۔ فضہ کچن کی سمت بڑھتے بڑھتے اس کو دیکھ کر رُک گئی۔ تب پہلے چونکا، پھر ہنستا کر رہ گیا۔

''کچھ نہیں......! آپ ہر وقت کام میں لگی رہتی ہیں، سچ بہت شرم آتی ہے۔ کیا سوچتی ہوں گی ہم تو جیسے آپ کے ہی منتظر تھے۔ سارا بوجھ آپ پہ ڈال دیا۔''

وہ اس کے ساتھ ہی کچن کے اندر آ گیا تھا اور اب پیڑھی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے سلاد کے لئے کھیرے کاٹنے لگا۔ فضہ اس کی بات سن کر زور سے ہنس پڑی۔ پھر کسی قدر شرارت سے بولی تھی۔

''مجھے کام کرنے کی عادت ہے۔ فارغ نہیں بیٹھ سکتی۔ اس لئے بے فکر ہو جائیے کہ میں آپ پہ کوئی احسان کر رہی ہوں۔''

اس کا بات کرنے کا وہی دھیما اور اپنائیت آمیز انداز تھا۔ وہ مسکرا دیا۔

''آپ دونوں بہنوں میں بہت فرق ہے۔''

''جی......! ایمی بہت خوب صورت ہے، ہے ناں......؟''

وہ بے حد شرارت سے کہہ کر ہنسی ولید بے طرح خجل ہو گیا۔

''میں مزاج کی بات کر رہا تھا۔ آپ بہت نائس ہیں، بہت کیئرنگ۔ میں آپ کے مزاج کی وجہ سے آپ کی بہت قدر کرنے لگا ہوں، ریئلی......!''

''لیکن محبت تو اسی سے کرتے ہیں ناں......؟ اس کی تمام تر بدتمیزی کے باوجود......؟''

الفاظ تھے یا بارود کے گولے، ولید حسن کو لگا تھا، اس کا وجود ایک دم ریزہ ریزہ ہو کر ہواؤں میں بکھر گیا ہے۔ وہ ہونٹ بھینچے ساکن کھڑا رہ گیا تھا۔

''آئی ایم سوری ولید بھائی......! شاید آپ کو میری بے تکلفی کچھ اچھی محسوس نہیں ہوئی......؟''

معاً اس نے فضہ کی آواز سنی تھی جو اس کے تاثرات سے خاصی سہمی ہوئی کہہ رہی تھی۔ ولید حسن نے بمشکل پلکیں اُٹھا کر اسے دیکھا تھا اور کچھ کہے بغیر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ فضہ جو اس کے انداز کی گمبھیرتا سے خائف تھی، ایک دم بھاگ کر اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔

''یہ میرا ایک انداز تھا بھائی......! پلیز، میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔ آئی نو......! آپ کو اچھا نہیں لگا۔''

وہ جیسے گڑگڑائی تھی۔ ولید حسن نے ایک طویل گہرا سانس بھر کے ضبط سے سرخ ہوتی آنکھیں اس پر ٹکا دیں۔

''فضہ......! آپ کا اندازہ صحیح ہے یا غلط......؟ میری آپ سے صرف ایک گزارش ہے۔ پلیز......! آئندہ مذاق میں بھی ایسی بات دوبارہ مت کیجئے گا۔ بی کاز، مجھے اپنے جذبات کی تذلیل گوارہ نہیں ہے۔''

اپنی بات مکمل کر کے وہ رُکا نہیں تھا، باہر کی طرف چلا گیا تھا۔ فضہ بے اختیار سرد آہ بھر کے دوبارہ بیٹھ گئی۔

''مائی گاڈ......! کتنے عجیب سے ہیں یہ ولید بھائی بھی۔ ڈرا کے رکھ دیا مجھے۔ توبہ میری، جو آئندہ ایسی بات کروں۔''

وہ کانوں کو ہاتھ لگا رہی تھی۔

☆☆☆

اس کے ایگزام نزدیک آ گئے تھے۔ پاپا نے اسے کالج جانے اور پڑھائی پہ توجہ دینے کی خاص تاکید کی تھی اور وہ خود بھی سنجیدہ تھی۔ بابا نے کہا تھا، وہ اس کی بکس وغیرہ کل تک بھیج دیں گے۔ آج ہی نیہاں نے بھی طویل میسج میں اسے ڈیٹ شیٹ بھیجی تھی۔

''پریشان کیوں ہوتی ہو......؟ اگر پڑھائی میں کسی قسم کی مشکل ہو تو ولید بھائی اور عاقب ہیں ناں......!''

اسے سوچ میں گم دیکھ کر فضہ جو بیڈ شیٹ دھونے کے ارادے سے اُتار رہی تھی، مشورے سے نوازا۔

''ولید بھائی اور عاقب ہیں ناں......؟''

ایمان نے زیرِ لب اس کا فقرہ دُہرایا اور اسے بے دریغ گھورا۔

''اگر ولید بھائی ہو سکتا ہے عاقب سے چھوٹا ہو کر، تو عاقب کیوں نہیں......؟''

بھنوؤں کو جنبش دیتے ہوئے وہ بے حد کڑے انداز میں اس کا گھیراؤ کر رہی تھی۔ فضہ بیچاری واقعی ہی گڑبڑا گئی، اور خفت مٹانے کو بولی۔

''اچھا......! میں نے ایسا کہا، مجھے تو خیال ہی نہیں آیا۔''

''پہلے خیال آیا ہوگا، جبھی تم نے یہ فضول جرأت کی ہے۔ فٹافٹ اُگلو، اصل بات کیا ہے......؟''

وہ اسے کسی طور بھی بخشنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ فضہ کھسیا کر ہنس پڑی۔

''حوالدارنی صاحبہ......! تفتیش پھر کبھی کر لینا، ابھی مجھے کپڑے دھونا ہیں۔''

وہ بھی صاف کترائی تھی، مگر ایمان نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں سے پردے اور بیڈ شیٹ جھپٹ کر زور سے پھینک دی۔

''فضہ......! مجھے پتا چل چکا ہے تم کن ہواؤں میں اُڑنے کی کوشش کر رہی ہو......؟ یعنی حد ہو گئی۔ اتنا لو ہو گیا ہے تمہارا اسٹینڈرڈ کہ تم اب صورت شکل سے ایک چینڈو شخص کی محبت کا شکار ہو گئیں......؟ کان کھول کر سن لو......! تم اگر چاہو بھی تو میں تمہیں یہ حماقت نہیں کرنے دوں گی، سمجھیں......؟''

وہ جس طرح آنکھیں نکال کر غرا کر بولی تھی، اس کے لہجے میں جو تضحیک اور حقارت کا عنصر تھا، اس نے فضہ کا بھی اشتعال بڑھا دیا تھا۔ جبھی وہ جواباً اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں بولی تھی۔

''وِس از ٹو مچ ایمان......! اُنف......! تم مجھے صرف ایک بات بتا دو......! کیا سمجھتی ہو تم خود کو......؟ آسمان سے اُتری ہوئی ہو......؟ یا تمہارے وجود کو کوئی ہیرے موتی جڑے ہوئے ہیں۔ عاقب یا تاؤ کی فیملی ہرگز

بھی گری پڑی نہیں ہے کہ تم ان کے متعلق اتنی سطحی بات کہو۔ اگر عاقب مجھے پسند کرتا ہے یا میں عاقب کو، تو اس میں ہمیں تمہارا فیصلہ لینے کی ہرگز بھی ضرورت نہیں پڑتی، اس لئے کہ زندگی ہمیں گزارنی ہوگی۔ تکبر کی جس سیڑھی پر تم کھڑی ہو ناں......! وہاں سے انسان ہمیشہ منہ کے بل ہی گرتا ہے۔ بہتر ہے کہ سنبھل جاؤ۔''

فضہ نے جارحانہ انداز میں کہا تھا اور اتھل پتھل سانسوں کے ساتھ جب پلٹ کر دروازے سے نکل کر باہر آئی تو برآمدے میں ولید حسن کو ایک سکتے کی سی کیفیت میں کھڑے پا کر اس کا اضطراب اور تھکن جیسے ایک دم ہی مزید بڑھ گئی تھی۔ کچھ بھی کہے بغیر اس نے انتہائی بے بسی کی کیفیت میں کسی مجرم کی طرح ہی سر جھکا دیا تھا۔

ولید حسن نے ہاتھ میں پکڑا کتابوں کا بنڈل وہیں کونے میں پڑے میز پر رکھا اور انہی قدموں سے پلٹ گیا۔ فضہ کے دل کا بوجھ کچھ اور بڑھ گیا۔

☆☆☆

''چلو پھر شرط لگ جائے
میں ثابت آج کر دوں گی
کہ تم نے دل لگی کی ہے
محبت نام کی کی ہے
سن کر اس کی باتوں کو میں بولا
سادہ دل لڑکی
اگر میں دل لگی کرتا
تو جینے سے نہ یوں ڈرتا
محبت نام کی کرتا
وفائیں عام سی کرتا
مگر پھر بھی انا تیری
تیری تسکین کی خاطر
یہ کہتا ہوں
ہاں میں نے دل لگی کی تھی
تجھے اپنا ہی سمجھا تھا
تجھے دل سے لگایا تھا
جہاں نہ کوئی غم پہنچے
وہاں تجھ کو چھپایا تھا''

وہ خاموش، اُداس بیٹھی جیسے پہلے چولہے کی راکھ بلیسن سے کرید رہی تھی، ویسے ہی کریدتی رہی۔ عاقب جس نے محض اس کا موڈ بدلنے کو یہ طویل نظم بنائی تھی، بدمزہ سا ہو گیا۔

''کیا بات ہے بھئی......! یہ اُداس بلبل کیوں بنی بیٹھی ہیں......؟''

''نہیں تو......!''

وہ سر جھٹک کر بولی، مگر عاقب کو ہرگز اس کی بات کا یقین نہیں آ سکا تھا۔

''کوئی پریشانی ہے یا آپ پہ بھی ایمان والی کیفیت طاری ہو رہی ہے......؟''

''امی کی وجہ سے پریشان ہوں۔ وہ خفا ہو گئی ہے مجھ سے۔''

اس کی آواز جیسے آن کی آن میں بوجھل ہونے لگی۔ عاقب نے اُلجھ کر اسے دیکھا تھا۔

''خفگی کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی......؟''

''یہ مت پوچھیں پلیز......!''

اس نے عاجزی سے کہا تھا۔ آنکھوں کی سطح بہت سرعت سے گیلی ہونے لگی تھی۔

''اوکے......! نہیں پوچھتا، یہ بتائیں......! غلطی کس کی طرف سے ہوئی تھی......؟ آپ کی یا اس کی......؟''

''اس کی......! وہ شدید قسم کی غلط فہمیوں کا شکار ہے۔''

فضہ نے بلا جھجک کہا تھا۔ اندر داخل ہوتے ولید حسن کے چہرے پہ ایک تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''وہ حقیقت پسند ہیں فضہ جی......! میں انہیں غلط نہیں کہوں گا۔''

ولید حسن کسی قدر سرد آواز میں کہتا، ساس پین میں چائے کے لئے پانی رکھنے لگا۔ عاقب نے بہت حیران کن نگاہ سے اسے دیکھا تھا۔

''تم جانتے ہو ساری بات......؟''

''جی......! بس اتفاقاً سن لی تھی، جیسے ابھی آپ کی باتیں سن لی ہیں۔''

وہ نارمل انداز میں کہہ کر شلف سے چینی اور پتی کے ڈبے اُٹھانے لگا۔ فضہ ہونٹ بھینچے بیٹھی تھی۔

''آپ لوگ چائے پئیں گے......؟''

ولید نے ساس پین کے پانی میں پتی ڈالتے ہوئے دونوں کو باری باری دیکھا۔ عاقب نے ہاں، جبکہ فضہ نے نفی میں جواب دیا۔

''پی لیں......! سر کے درد کو افاقہ ہوگا۔ ورنہ حالات تو سدھرنے والے ہیں نہیں۔''

اس کے مدہم لہجے میں فضہ کے لئے ہمدردی تھی۔ فضہ نے شاکی نگاہ اس پر ڈالی اور اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''مجھے صرف اس سے نہیں، آپ سے بھی شکایت ہے۔''

اس کی بات پہ ولید چکرا کر رہ گیا تھا۔

''یہ تو خیر، اب زیادتی ہے۔ میں نہ تین میں نہ تیرہ میں۔''

وہ بے ساختہ بلبلایا۔ انداز ایسا تھا کہ اتنی ٹینشن اور ناراضگی کے باوجود فضہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''اگر آپ اپنی بے نیازی اور اکڑ کو ذرا سا ڈھیلا کر لیں تو اسے راستے پہ بھی لایا جا سکتا ہے، مگر

آپ''

''ایں.....؟''

ولید کا منہ کھل گیا۔ پھر بے چارگی سے بولا تھا۔

''آپ کو میرے سر کے یہ حسین اور گھنے بال اچھے نہیں لگتے.....؟ کیوں مجھ بیچارے کو گنجا دیکھنے کی متمنی ہیں.....؟ اپنی خونخوار ڈیئر سسٹر کا پتا ہے ناں آپ کو.....؟''

اس کے بات کرنے کے انداز پہ فضہ کا ہنستے ہوئے برا حال ہونے لگا۔ عاقب جو نافہم نظروں سے باری باری دونوں کو دیکھ رہا تھا، کسی قدر تپ اُٹھا تھا۔

''میں تم دونوں کو احمق اعظم نظر آتا ہوں.....؟ بیچ میں مجھے بٹھا کر خود دونوں کھی کھی کر رہے ہو.....؟''

''یہ لیجئے.....! جل گئے محترم.....! ہنستے مسکراتے تو کسی کو دیکھ ہی نہیں سکتے ہیں۔ چلئے.....! آپ ہی بتا دیجئے انہیں ساری بات، میں ابا کو چائے دے آؤں۔''

وہ چھان کر چائے پیالی میں نکال کر باہر نکل گیا، جبکہ فضہ مخمصے میں پڑ گئی۔ کیسے بتائے.....؟ جبکہ عاقب سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے مختصر کر کے بتانا شروع کیا تھا۔

☆☆☆

''اکیلے جو دُکھ اُٹھاتے ہو یہ تم اچھا نہیں کرتے
ہمارا دل جلاتے ہو یہ تم اچھا نہیں کرتے
کہا بھی تھا محبت میں محبت ہی اسے رکھو
تماشہ جو بناتے ہو یہ تم اچھا نہیں کرتے
اُٹھاتے ہو فلک تک تم ہمیں سر محفل مگر
اُٹھا کر جو گراتے ہو یہ تم اچھا نہیں کرتے
کوئی جو پوچھ لے تم سے کہ رشتہ کیا ہے اب ان سے
تو نظروں کو چراتے ہو یہ تم اچھا نہیں کرتے
بکھر جائیں اندھیروں میں سہارا تم تو دیتے ہو
مگر پھر چھوڑ جاتے ہو یہ تم اچھا نہیں کرتے''

خوب صورت، فریش گلابوں کا بکے اور ساتھ میں ایک ننھے سے ''آئی ایم سوری'' کے کارڈ پہ موتیوں کے سے الفاظ میں لکھی یہ نظم۔

وہ سو کر اُٹھی تو اپنے سرہانے رکھے پھول دیکھ کر بے ساختہ حیران ہوئی تھی۔ کارڈ پڑھنے کے بعد یہ استعجاب کچھ اور بھی بڑھ گیا۔ تبھی دروازہ ناک ہوا تھا اور فضہ اس کے لئے ٹرے میں ناشتہ سجائے چلی آئی۔

''السلام علیکم.....! صبح بخیر زندگی.....!''

وہ اسے دیکھ کر خوش دلی سے مسکرائی۔ ایمان نے بے رُخی سے چہرہ پھیر لیا۔

''ابھی تک خفا ہو.....؟''

وہ آگے بڑھی اور اس کے گلے میں بازو حمائل کر دیئے۔

''مجھ سے بات مت کرو.....!''

''سوری کر تو چکی ہوں یار.....!''

وہ بسوری۔

''مجھے تمہاری ایکسکیوزز کی ضرورت نہیں.....!''

''مگر یہ پھول تو سنبھالے بیٹھی ہو۔''

فضہ نے اس کی گود میں دھرے بکے کو اُنگلی سے ٹھونکا۔ ایمان چونک گئی۔

''یہ تم نے رکھا تھا.....؟''

''تو اور کون رکھ کے گیا ہے.....؟''

''تو ٹھیک ہے.....! واپس لے جاؤ.....!''

ایمان کی بے اعتنائی نقطہ عروج پہ جا پہنچی۔ فضہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔

''ایمان.....! تم ابھی بھی سمجھتی ہو کہ تم ٹھیک ہو.....؟''

''میں کوئی نہیں ہوتی تمہارے معاملات میں انٹرفیئر کرنے والی۔''

ایمان کی آنکھیں لبالب بھر گئیں۔ فضہ نے تڑپ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

''بہت بے وقوف ہو۔ سویٹ ہارٹ.....! مجھے غصہ اس وجہ سے نہیں آیا تھا۔ مجھے تمہارے لہجے کی حقارت پہ خوف محسوس ہوا تھا ایمی.....! میری عاقب سے کسی قسم کی کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہے۔ تم بہت غلط سمجھی تھیں۔ مجھے تمہارے لہجے کا غرور اچھا نہیں لگا تھا۔ تم جانتی ہو ناں، کسی کو حقیر سمجھنا کتنی غلط بات ہے۔ برتر و اعلیٰ صرف رب پاک کی ذات ہے۔ ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم درجہ بندی کرتے پھریں۔

ماما نے ساری زندگی پاپا کے رشتوں کو حقیر جانا تھا۔ آج وقت کی گردش نے انہیں انہی کے در پہ لا پٹخا ہے۔ کیا یہ ماما کے غرور کی سزا نہیں ہے.....؟ ہم اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کو بھول جاتے ہیں، مگر خدا نہیں بھولتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کا انتقام بھی لیتا ہے اور حساب بھی برابر کرتا ہے۔ تم سمجھ رہی ہو، میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں.....؟''

اس نے تسلسل سے بولتے ہوئے رُک کر اسے دیکھا تھا۔ ایمان نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔

''گڈ.....! اب مجھے معاف کر دیا ہے ناں.....؟''

''ہاں.....!''

اس نے ایکبار پھر سر کو اثبات میں ہلایا تو فضہ بے اختیار مطمئن ہو کر مسکرا دی۔ جبکہ ایمان آہستگی سے پلنگ سے اُٹھ کر منہ ہاتھ دھونے کے ارادے سے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

''ہجر کے موسم میں یہ بارش کا برسنا کیسا
اک صحرا سے سمندر کا گزرنا کیسا

اے میرے دل نہ پریشان ہو تنہا ہو کر
وہ تیرے ساتھ چلا کب تھا، بچھڑنا کیسا
لوگ تو کہتے ہیں گلشن کی تباہی دیکھو
میں تو اِک ویران سا جنگل تھا، اُجڑنا کیسا
دیکھنے میں تو کوئی درد نہیں دُکھ بھی نہیں
پھر یہ آنکھوں میں یوں اشکوں کا اُبھرنا کیسا
بے وفا کہنے کی جرأت بھی کبھی نہ کرنا
اس نے اقرار کیا کب تھا، مکرنا کیسا''

اس کے ایگزام کا آغاز ہوا تو ہر روز کالج جانا مسئلہ ٹھہرا۔ تاؤ جی نے محض اس کی خاطر بیٹوں کو ایمرجنسی میں گاڑی خریدنے کا آرڈر کیا۔ اب کیسے کتنی مشکلوں پیسے کا ارینج ہوا، یہ اِن کا مسئلہ تھا۔ بہرحال جس دن اس نے کالج جانا تھا، اس دن تک گاڑی کے کاغذات تک بھی تیار کرا لئے گئے تھے۔ وہ اگر جانتی تو اس بات سے بھی اپنی اہمیت وخاصیت کا اندازہ کرسکتی تھی۔ مگر اسے تو گویا کسی بات سے غرض ہی نہ تھی۔

تاؤ جی نے اس کے پک اینڈ ڈراپ کی ذمہ داری ولید کو سونپی۔ اس کی مجال تھی کہ انکار کرتا......؟ مگر یہاں بھی ایمان کی انا آڑے آگئی۔ ولید کے ساتھ جانے سے انکار کرتے ہوئے اس نے ایک لمحے کو بھی فضہ کی گھورتی، خفا ہوتی نگاہوں کا خیال نہیں کیا۔

''میں عاقب بھائی کے ساتھ چلی جایا کروں گی ناں تاؤ جی......!''

''آں ہاں...... بیٹا......! وہ اصل میں عاقب کی کمپنی بالکل مخالف سمت...... مگر...... چلو...... ٹھیک ہے......! جیسے ہماری بیٹی کی مرضی......! ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے......؟ عاقب......! کل سے تم بہن کو ساتھ لے کر جاؤ گے، واپسی پر لیتے آنا۔''

تاؤ جی نے معاملہ منٹوں میں سلجھا لیا تھا۔ فضہ کا دل ایک دم بوجھل ہوگیا۔ اس سے ولید کی سمت نہیں دیکھا گیا۔ وہ جانتی تھی، وہ بہت سیلف کنٹرول بندہ تھا، مگر پھر بھی بہرحال اسے ایمان کا یوں منہ بھر کر انکار اچھا نہیں لگا تھا۔

''اُفوہ......! اتنا منہ کیوں لٹکا لیا ہے......؟ جتنی بھی بے نیاز اور مغرور سہی، آپ کی ڈیئر سسٹر ایک بار ہاتھ تو لگنے دیں، دیکھیئے گا، سارے کس بل نکال کے رکھ دیں گے۔''

وہ بے دھیانی میں آکر چولہے کے پاس بیٹھ کر تنکے سے راکھ کریدنے لگی، جب ولید اس کے پاس آکر کسی قدر آہستگی سے بولا تھا۔ فضہ نے غیر یقینی اور تحیر کے ساتھ ساتھ ایک خوش گوار قسم کی حیرت سمیت اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پہ دل کش سی مُسکان تھی۔ وہ بے ساختہ کھلکھلا اُٹھی۔

''مائی گاڈ......! آپ کے منہ سے یہ بات سننا کتنا اچھا لگا ہے، میں بتا نہیں سکتی۔ رئیلی......! مجھے تو اپنا آپ مجرم لگ رہا تھا، آپ کی یاسیت کو محسوس کر کے۔''

وہ ہنسنے لگا۔ فضہ نے روشن ہنستی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''چلیں، کسی وجہ سے سہی، آپ نے اقرار تو کیا۔ پھر بھی آپ نے اس بگڑی بلی کو ہوا بھی لگنے نہیں دی۔''

وہ جیسے نصیحت کرتے ہوئے بولا۔ فضہ ہلکی پھلکی ہو کر مسکرا دی۔

''بے فکر رہیں، مجھے بھی آپ کے یہ خوب صورت بال بہت عزیز ہیں۔''

ولید نے محظوظ ہو کر قہقہہ لگایا۔ پھر داد دینے والے انداز میں بولا تھا۔

''مطلب......! سمجھدار ہیں آپ، میں تو سمجھا آپ بھی اپنی ڈیئر سسٹر کی طرح اپر اسٹوری خالی رکھتی ہیں......؟''

فضہ نے اب کی بار اسے گھورا تھا۔

''میں مائنڈ بھی کرسکتی ہوں ولی بھائی......!''

''مگر میں نے تمہیں تو نہیں کہا......؟''

وہ مزے سے کاندھے اُچکا کر بولا تو فضہ نے ایک اور گھوری ڈالی۔

''وہ میری بہن ہے......!''

''ہے تو......! مگر تم سے یکسر مختلف......! خالی خولی حسن کس کام کا......؟''

''ذہانت، قابلیت اور ڈگریوں کا ڈھیر ہے ناں آپ کے پاس......!''

ہارنے والوں میں سے وہ بھی نہیں تھی۔ ولید نے پہلے اسے گھورا، پھر ہنسنے لگا۔ فضہ کو اس کا یہ فریش سا، آسودہ سا چہرہ بے حد اچھا لگا تھا۔ وہ کچھ دیر یوں ہی اسے دیکھتی رہی تھی۔

''کب سے پڑے ہوئے ہیں اس فجل خرابے میں......؟ جس نے آپ سے آپ کا یہ پیارا سا انداز ہی چھین لیا تھا۔''

''اچھا لگ رہا ہوں ناں......؟''

وہ بے طرح خوش ہوا۔ فضہ نے شدومد سے سر ہلا کر تائید کی۔

''گڈ......! آج سے ہماری دوستی پکی......! تب بھی ہم دوست رہیں گے، جب آپ میری بھابی بن جائیں گی۔''

وہ جس طرح ایک دم پٹری سے اُترا تھا، فضہ اسی قدر بوکھلا گئی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے بھئی......؟ آپ کچھ زیادہ ہی فرینک نہیں ہو رہے ہیں......؟''

ولید نے ایک اور اونچا سا قہقہہ لگایا تھا، پھر کاندھے جھٹک کر بولا تھا۔

''نہیں تو......! بھئی......! ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے بچپن سے ہی کہ آپ مسٹر عاقب سے منسوب ہیں۔ ولید حسن کے نصیب میں وصال رُت آئے نہ آئے، آپ ضرور اس آنگن میں بڑی بہو کی حیثیت سے اُترنے والی ہیں۔''

اس کے لہجے کے وثوق میں شوخی وشرارت کے ساتھ ساتھ تو قیر کا بھی احساس چمک رہا تھا۔ فضہ کا گرم ہوتا چہرہ کچھ اور بھی دہک گیا۔ پلکیں جیسے عارضوں پہ لرزنے لگیں۔ مگر چند لمحوں میں ہی خود پہ قابو پا کر اسے

خفیف سا گھور کر بولی تھی۔

"آپ اس قسم کی باتوں میں لگا کر میرا دھیان نہیں بٹا سکتے ہیں ولی بھائی..... ! مجھے اپنے سوال کا جواب چاہئے۔"

"دھیان تو خیر میں آپ کا سو فیصد بٹا چکا ہوں۔ ویسے کون سی بات.....؟"

وہ جیسے صاف کترا گیا تھا، جسے فضہ نے محسوس کیا اور گہرا سانس بھر کے روٹھے ہوئے انداز میں منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔ ولید اس کی بچکانہ حرکت پہ آہستگی سے مسکرا دیا تھا اور بہت آہستگی سے جیسے خود کلامی کے انداز میں گویا ہوا۔

"مجھے خبر ہی نہ ہو سکی، میں نے کب اس سے محبت کی..... ؟ شاید تب، جب میں نے ہوش سنبھالتے ہی آپ کا نام عاقب کے ساتھ اور اس کا اپنے نام کے ساتھ سنا تھا۔ ایک تجسس آمیز اشتیاق میرے اندر اُمڈ آیا۔ اسے دیکھنے کا خیال۔

ان دنوں میں پندرہ سولہ سال کا تھا۔ میٹرک کے بعد نیا نیا کالج میں انٹر ہوا تھا اور آپ کو پتا ہے، یہ دور بہت سنہرا دور ہوا کرتا ہے، جب ساری دُنیا اپنی ملکیت اور خود سے کم تر لگتی ہے۔ میں ایک دن چاچو سے ملنے کے بہانے آپ کے گھر چلا گیا تھا۔ میری خواہش تو پوری ہو گئی۔ چھ سات سال کی خوب صورت فراک میں ملبوس باربی ڈول جیسی ایمان مجھے اتنی اچھی لگی تھی کہ بار بار اسے دیکھنے کو جی مچلنے لگا تھا۔

مگر وہاں میرے ساتھ ایسا سلوک ہرگز نہ ہوا تھا کہ میں دوبارہ پلٹ کر وہاں جانے کا سوچتا۔ میں بہت انا پرست اور خود پسند واقع ہوا ہوں۔ جبھی خود کو ڈی گریڈ نہیں کر سکا۔ پھر جب دو سال قبل چاچو نے آپ لوگوں کی تصویریں بھجوائیں تو میں نے ایمان کو دیکھا تھا اور تب صحیح معنوں میں نے خود کو اس کے آگے ہار دیا تھا۔

فضہ..... ! آپ یقین کریں، میرے جذبے جتنے بھی شدید سہی، مگر مجھے اپنی انا بہت عزیز ہے۔ میں کبھی یہ پسند نہیں کروں گا کہ وہ میری، میرے جذبات کی تحقیر کرے۔ اسی لئے خاموشی کے ساتھ ساتھ بے نیازی اوڑھ لی۔"

فضہ نے اس کے خاموش ہونے پہ یوں سر جھٹکا جیسے اس سے قطعی متفق نہ ہوئی ہو۔

"اور میں سمجھتی ہوں، یہی آپ کی غلطی ہے ولی بھائی..... ! آپ اسے بتائیں تو سہی، وہ پتھر تو نہیں ہے۔"

"وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے فضہ جی..... ! شاید فولاد سے بنی ہے۔ جذبات ضرور ہوں گے اس کے اندر، مگر وہ میرے لئے نہیں ہوں گے۔ پھر آپ کو پتا ہے ناں..... ! جس بات کو وہ آپ کے لئے محسوس کر کے اتنا شدید ری ایکشن دے سکتی ہے، میرے متعلق جان لے تو شاید شوٹ کر دے مجھے۔"

وہ بے حد سنجیدہ ہو چکا تھا۔ فضہ نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کچھ اتنا غلط بھی نہیں کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

اشعر آج یونیورسٹی سے آتے ہوئے چلغوزے، مونگ پھلیاں، ریوڑھی کے علاوہ اپنے من پسند پھل

کے لئے بھی لایا تھا۔ اس کا ارادہ آج موج مستی کا تھا، جبھی پہلے گھر کے پچھواڑے کھلے کچن احاطے میں جس کے گرد تاؤ جی نے چار دیواری کر چھوڑی تھی، آگ کا الاؤ روشن کیا، پھر بڑے اہتمام سے پانچ کرسیاں اس کے اطراف سیٹ کیں، ایک چھوٹی سی ٹیبل پہ یہ کھانے کی تمام چیزیں رکھیں، خود چائے بنا کر تھرموس میں بھری اور ٹرے میں کپ سجا کر انہیں بھی ٹیبل پہ رکھ آیا۔

"اب آپ لوگ بھی اُٹھ جاؤ..... !"

اس نے ٹی وی کے آگے کسی ٹاک شو میں گم عاقب، فضہ اور ولید کو باری باری ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

"مگر کیوں.....؟"

سب سے زیادہ اختلاف ولید کو ہوا تھا۔ وہ ابھی اُٹھ کر اسٹڈی کا ارادہ باندھ رہا تھا۔

"اُفق کے اس پار جہاں زمین و آسمان ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ زمین و آسمان کے ملاپ کا مطلب سمجھتے ہیں ناں.....؟"

اس کا لہجہ و انداز دونوں ہی معنی خیز تھے۔ فضہ نے چونک کر دیکھا، جبکہ ولید نے گھور کر۔ عاقب ہنسنے لگا۔

"سمجھتے ہیں جناب..... ! یہ بتاؤ..... ! تم نے ولید کو آسمان کہا ہے یا زمین.....؟"

"میں اگر کچھ کہوں گا تو چھوٹا منہ بڑی بات ہو جائے گی۔ سمجھنے والے نادان تھوڑا ہی ہیں۔"

وہ خوب صورت مسکان کے ساتھ کن انکھیوں سے ولید کو دیکھ کر بدستور اس کا ہاتھ پکڑے ساتھ گھسیٹ رہا تھا۔ ولید نے سنجیدہ مگر سرد نگاہ اس پہ ڈال کر گویا اسے حد میں رہنے کی تائید کی، مگر وہ بسور اُٹھا تھا۔

"پلیز ولی بھائی..... ! ہر وقت میرے لیکچر نہ بنا کریں۔ اس وقت میرا موڈ اچھا ہے۔ اپنے بہت قیمتی وقت میں سے تھوڑا سا اس مسکین کو بھی دے دیں ناں..... ! ساری عمر دعائیں دے گا۔"

اس کے انداز میں ایسی لجاجت تھی کہ ولید گہرا سانس بھر کے جیسے بے بس ہو گیا۔

"پلیز..... ! تشریف لے چلیں، میں ذرا ایک اور پہاڑ سر کر آؤں، تا کہ کورم مکمل ہو۔"

وہ دانت نکالتا واپس بھاگ گیا۔ فضہ تو جیسے ماحول کے سحر میں گم ہو گئی تھی۔ تاریک سرد رات، آسمان پہ کہیں کہیں ستارہ تھا، چاند سرے سے غائب، ایسے میں کھلے آسمان تلے جلتی آگ کے گرد اپنی من پسند شخصیت کی قربت کو محسوس کرنا بے حد خوب صورت احساس تھا۔

"محترم کے ارادے خطرناک لگتے ہیں۔"

عاقب چیئر سنبھال کر بیٹھ گیا۔ فضہ نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ جب سے ولید نے وہ انکشاف کیا تھا، وہ فطری طور پر اس سے ہچکچا رہی تھی۔ اس وقت بھی خاموشی سے لفافوں میں سے چیزیں پلیٹوں میں منتقل کرتی رہی۔

"آپ بہت خاموش ہیں، خیریت.....؟"

عاقب نے کچھ اچنبھے میں گھر کر اسے دیکھا تھا۔ ولید، عاقب کے برابر چیئر سنبھالتے ہوئے خواہ مخواہ کھنکارا مگر عاقب کا سارا دھیان فضہ کی جانب تھا۔ وہ پہلے تو کبھی ایسے چپ نہیں رہی تھی۔ یہ تشویش فطری تھی۔

"ایزی پرابلم......؟"

وہ اب کے کچھ بے چینی سے گویا ہوا تو ولید کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"نو......نو پرابلم......!بس......! آگاہیوں کی زد پہ ہیں۔"

ولید نے کسی قدر شرارت سے کہا تو فضہ نے بے اختیار مگر دھمکی آمیز انداز میں اسے گھورا۔

"خبردار جو مزید کچھ بولے آپ......!ابھی اُٹھ کے چلی جاؤں گی ورنہ۔"

"ہائیں ہائیں......؟ یہ غضب مت کیجئے، چراغوں میں روشنی نہیں رہے گی۔"

مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے وہ مسلسل اسے زچ کرنے کے موڈ میں تھا۔

"آپ اپنے چراغوں کی روشنیوں کی خیر منائیے......! موصوف ابھی پہاڑ سر کر کے لوٹے نہیں ہیں۔"

وہ سخت چڑ کر بولی۔ ولید اس کی جھنجلاہٹ پہ اور بھی زور سے ہنس پڑا۔

"ہماری بات مت کیجئے......! ہم صابروں کے قبیلے میں سے ہیں۔"

"تو آپ باز نہیں آئیں گے......؟"

فضہ نے آنکھیں نکالیں۔

"نہ ہماری مجال......! یہ لیں، ہونٹوں پہ انگلی بھی رکھ لی۔"

وہ سہمنے کی اداکاری کرنے لگا۔ عاقب دلچسپی سے ان کا مکالمہ سن رہا تھا۔ پھر کچھ کہے بغیر ذرا سا آگے جھک کر ٹی پارٹ سے چائے کپ میں نکالنے لگا۔

"ویسے سر......! آپ کی خام خیالی ہے کہ موصوف کچھ جانتے نہیں ہیں۔ گھنے ہیں پورے، ہماری گفتگو کے ایک ایک حرف سے آگاہ تھے کہ ہم کون سی ٹون میں، کس کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔"

وہ خاموش رہ جائے، یہ تو اب ناممکن تھا۔ فضہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر شدید خفت کے عالم میں اسے ایک گھونسہ دے مارا تھا۔ وہ خواہ مخواہ بلبلانے لگا۔

"مائی گاڈ......! ریسلر تو نہیں رہی ہیں آپ کسی دور میں......؟ مجھے تو عاقب کی ہڈیوں پسلیوں کی فکر لاحق ہوگئی ہے۔"

فضہ کوئی جواب دینا چاہ رہی تھی، مگر اشعر کے ساتھ ایمان کو آتے دیکھ کر اسی سمت متوجہ ہوگئی۔

"دن میں نہائی تھیں محترمہ......! مگر آنے سے اس وجہ سے انکاری تھیں کہ سردی لگ رہی ہے۔ اسی لئے تو کہتا ہوں، کھایا پیا کریں، ماڑی جان کے سو سیاپے ہوتے ہیں۔ بیٹھیں یہاں......!"

اشعر نے اسے جو کرسی پیش کی تھی، وہ ولید کے برابر تھی، اس نے دانستہ اس کرسی کو چھوڑا اور جا کے فضہ کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھ گئی۔ اب وہ ولید کے بالکل مدمقابل تھی۔ درمیان میں آگ روشن تھی۔ نارنجی شعلوں کا رقص جاری تھا اور ان کی تپش اس کے ہوش ربا چہرے کو کچھ اور بھی حسین تر بنا کر دکھا رہی تھی۔ ولید کی نگاہ اپنے اختیار سے باہر ہونے لگی۔

"آپ سب کو اندازہ تو ہو گیا ہوگا، ہم یہاں وقت کو یادگار بنانے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔ آغاز اشعر حسن شاہ کریں گے، پھر حسب توفیق سب کو اپنا ذوق آشکار کرنا پڑے گا، اور یہی اس محفل میں بیٹھنے کی شرط ہے۔"

وہ چند ثانیوں کو خاموش ہوا، پھر گلا کھنکار کر بڑے دردمندی سے انداز میں شروع ہوا تھا۔

"نظروں سے نظریں ملائیں تو برا مان گئے
ہم نے آنکھوں سے کیا اشارہ تو برا مان گئے
محبتوں کا اظہار اپنوں نے بھی کیا تھا
حالِ دل ہم نے سنایا تو برا مان گئے
ہر بات پہ مسکرانا عادت تھی ان کی
ہم نے ذرا سا ہنسایا تو برا مان گئے
ہمیں آزمانے کی بات کرتے تھے وہ اکثر
جب ہم نے آزمایا تو برا مان گئے
پیار میں بے وفائی نہ کرنا اکثر وہ کہا کرتے تھے
اس بات کو ہم نے دُہرایا تو برا مان گئے"

"یار......! اسے برا ماننے کے سوا بھی کچھ آتا تھا......؟ لعنت بھیج ایسی لڑکی پہ......!"

عاقب کی طرف سے مفت مشورہ حاضر ہوا۔ اشعر نے فرمانبرداری سے سر ہلایا، پھر چلغوزوں کی پلیٹ سے مٹھی بھر کے اپنی شرٹ کی جیب میں منتقل کی اور تل کے لڈو اُٹھا کر کھانے لگا۔ سب ہی کچھ نہ کچھ کھا رہے تھے، سوائے ایمان کے، جو بند مٹھی ٹھوڑی پہ ٹکائے شال لپیٹے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں پہ نگاہ جمائے ہوئے تھی اور اس کی غفلت سے فائدہ اُٹھاتے ولید اسے حفظ کر رہا تھا۔ چائے کا مگ اس کے ہاتھ میں پکڑا ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ وہ گویا جیسے اسے دیکھتا ہوا پورے ماحول سے کٹ چکا تھا۔

"ولی بھائی......! آپ کچھ سنائیے ناں......!"

اشعر نے گویا اسے اس کی غلطی کا احساس بخشنے کو ہی چونکایا تھا۔ وہ ہڑبڑایا اور ایک دم خفت زدہ ہو گیا۔ پھر سب کے اصرار پہ اس نے گلا کھنکار کر گویا ذہن کو بھی کھنگالا۔ نگاہ بے ارادہ اس کی سمت اُٹھی اور جیسے لفظ آپ ہی آپ زبان سے ادا ہونے لگے۔

"وہ ساحل کی ہوا جیسی گلابی پھول سی لڑکی
وہ تتلی شوخ رنگوں کی بہاروں کی تھی دیوانی
وہ جس کی خواب آنکھوں میں
ستارے جگمگاتے تھے
قدم رکھتی تھی آنگن میں
تو جگنو ٹھہر جاتے تھے
ادا جس کی محبت تھی
وفا جس کا قرینہ تھی
وہ لڑکی عشق کے جگنو کی مانند

اندھیری رات میں اکثر...

جلا کرتی تھی تاکوں میں"

دھیما دھیما، پُر اثر، گمبھیر تر لہجہ، دلکش اُتار چڑھاؤ کے ہمراہ اتنا پُر جذب تھا کہ ایمان الفاظ کے ساتھ ساتھ لہجے کی گمبھیرتا میں بھی کھوئی بے اختیار اسے تکتی چلی گئی، جو آنکھیں بند کئے گویا تصور کی کسی دُنیا میں گم تھا۔

"دسمبر کی ٹھٹھرتی شب اچانک ہی وہ بچھڑی تھی

مجھے اس نے محبت کے کنارے پر کھڑا کر کے

چھڑایا ہاتھ چپکے سے

مجھے بے رنگ کر ڈالا

گلابی پھول سی لڑکی

وفا جس کا قرینہ تھی

بہت ہی بے وفا نکلی"

وہ خاموش ہوا تو گویا اس کی آواز کے ساتھ بندھ جانے والا ایک طلسم بھی بکھر گیا۔ ایمان چونک کر سیدھی ہوئی۔ وہ نارمل سے انداز میں اپنے مگ میں بچی ہوئی کوفی ختم کر رہا تھا۔ ایمان نے خود کو اس کیفیت سے نکالنے کی غرض سے ٹیبل سے آگے کی سمت جھک کر چلغوزوں کی پلیٹ اٹھانا چاہی، عین اسی پل ولید نے بھی خالی مگ رکھنے کی کوشش کی تھی۔ بغیر کسی شعوری کوشش کے بے دھیانی میں دونوں کے ہاتھ ٹچ ہوئے تھے، جسے اگلے ہی لمحے ایمان نے سرعت سے کھینچ لیا۔ مگر یہ لمحاتی لمس گویا اس کے وجود میں شرارے بھر گیا تھا۔ اس نے اپنی کیفیت پہ حیران ہو کر اسے دیکھا۔ وہ ہنوز نارمل اور بے نیاز نظر آتا تھا۔

اشعر اسے کچھ سنانے پہ زور دے رہا تھا۔ وہ ایک دم جھنجلا گئی۔

"فضہ یا عاقب بھائی سے کیوں نہیں کہتے......؟"

"آپ کو بھی تو کچھ نہ کچھ سنانا ہے ناں......! سنا دیں ابھی۔"

اشعر کو پتا نہیں کیوں ضد ہو گئی تھی۔

"سنا دوں گی تمہیں کھری کھری......! فی الحال فضہ سے سن لو۔"

اس نے بے زاری سے کہتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیئے تو اشعر کا منہ بن گیا۔

"ٹھیک ہے......! نہ سنائیں، مگر اب آپ کی سزا بڑھ گئی ہے۔ صرف شاعری سے کام نہیں بنے گا۔ آپ کو گانا بھی سنانا ہوگا، اور میں بالکل کوئی دھاندلی برداشت نہیں کروں گا۔"

"اوکے اوکے......! اب ہم کچھ عرض کریں۔"

عاقب نے مداخلت کرتے ہوئے گویا جھگڑا نپٹایا۔ اشعر نے سر کو اثبات میں جنبش دی تھی۔

"وہ شخص کبھی وحشت سے گزرے تو اسے کہنا

اک پل میرے گھر میں بھی ٹھہرے اسے کہنا"

"ہائیں......؟ میں تو کچھ اور سمجھا تھا، یہ کس سمت اشارہ کر رہے ہیں......؟"

اشعر کی اداکاری عروج پہ تھی۔ ولید نے اسے گھورنے پہ اکتفا کیا تھا۔

"کہنا کہ سمندر کے کنارے پہ نہ جائے

کچھ لوگ سمندر سے بھی گہرے ہیں اسے کہنا

زرخیز زمین کبھی بنجر نہیں ہوتی

دریا بدل لیتے ہیں رستہ اسے کہنا

کچھ لوگ سفر کے لئے ہوتے نہیں موزوں

کچھ راستے تنہا نہیں کٹتے اسے کہنا

اس شہر میں سچ کہہ کے گنہگار نہ ہونا

کہ بستی کے سبھی لوگ ہیں بہرے اسے کہنا"

"یہ آخری شعر عاقب بھائی نے صرف آپ کے لئے کہا ہے ولی بھائی......! میں شرط لگا سکتا ہوں۔"

"تم اتنے انوالومت ہو چھوٹے......!"

ولید کی بے رُخی کے مظاہرے پر اشعر کو بھی تپ چڑھ گئی۔

"اطلاعاً عرض ہے، یہ میری ہی کوشش کا نتیجہ ہے کہ آپ اس وقت زندگی کے حسین لمحات گزار رہے ہیں۔"

"شاباش......!"

اس کے دھڑلے سے احسان جتلانے پہ ولید نے اپنی بڑائی کا احساس دلانا ضروری خیال کرتے ہوئے آنکھیں دکھائیں تو وہ مسکینیت سے سر کھجا کر فوراً شرافت کے جامے میں آ گیا اور محض اشارے سے فضہ کو جتایا کہ اب اس کی باری ہے۔ وہ گلا کھنکار کر مسکرائی، پھر سب کو مخاطب کر کے بولی۔

"نظم چونکہ مجھے بہت پسند ہے، اس لئے سنا رہی ہوں۔ کسی سے منسوب کرنے کی ضرورت نہیں۔"

اس نے تو اپنے تئیں حفظ ماتقدم کے طور پر کہا تھا، مگر بری طرح سے دہل گئی۔

"ہمارا بھلے ارادہ نہ ہو، آپ نے خود کہہ کر مشکوک کیا ہے۔"

ولید پہلی بار کچھ بولا، جب سے ایمان آ کر بیٹھی تھی۔ اس کے شرارتی انداز اور بے تکلفی پہ کسی قدر خیمگی نگاہ سے ولید کو دیکھا، مگر وہ متوجہ نہیں تھا۔

"بالکل بالکل۔"

اشعر نے بھی بھرپور طریقے سے ولید کی ہاں میں ہاں ملا کر گویا اس شرارت کو طول دیا۔

"میں نہیں سنا رہی ہوں، اگر آپ لوگوں نے مجھے اس طرح تنگ کرنا ہے تو......!"

یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی اور اشعر فوراً خاموش ہو گیا۔ تب فضہ نے ابتداء کی تھی۔

"دوست یار ملتے ہیں

ساتھ ساتھ چلتے ہیں

ساتھ ساتھ چلتے ہیں

رنجشیں تو ہوتی ہیں
رنجشوں میں کہیں
چاہتیں تو ہوتی ہیں
چاہتوں کی بھی ہر پل
اک عجب کہانی ہے
ہونٹ ہنستے رہتے ہیں
آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
بھیگی بھیگی آنکھوں میں
خواب جلتے رہتے ہیں
درد کے اس سفر میں
کچھ موڑ ایسے آتے ہیں
خواب ٹوٹ جاتے ہیں
ساتھ چھوٹ جاتے ہیں
کرچیاں اٹھانے میں
وقت بیت جاتا ہے
درد جیت جاتا ہے''

اس دوران ایک بار بھی گو کہ اس نے نظریں نہیں اٹھائی تھیں، مگر کسی کی گرم نگاہوں کی تپش اپنا احساس بخشتی رہی تھی۔ سب سے زیادہ اشعر نے اسے داد دی۔

''بجا فرمایا.....! بالکل بجا فرمایا.....!''

فضہ مسکرانے لگی، ریلیکس سے انداز میں۔

''تھینک گاڈ.....! تمہیں پسند تو آئی، ورنہ میں ڈر رہی تھی، ٹریجک شاعری ہے، کہیں تم لوگ خفا نہ ہونے لگو۔''

''خفا کیوں ہوں گے.....؟ ہر کسی کی اپنی پسند ہے۔ ویسے خدا آپ کو ہمیشہ شاد و آباد، خوش و خرم رکھے، آمین.....!''

عاقب کا انداز بزرگانہ سنجیدگی لئے ہوئے تھا۔ اشعر کو مصنوعی کھانسی نے آن لیا۔

''ایمی.....! ہے کچھ یاد.....؟''

فضہ نے بڑی نرمی سے ایمان کو مخاطب کیا تھا، وہ جو اپنے کسی خیال میں تھی، چونک اٹھی۔

''سنا دیتی ہوں۔''

''لیکن کھری کھری نہیں.....! پلیز.....! آخر میری بھی کوئی عزت ہے۔''

اشعر نے بے ساختہ دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔

''جی جی.....! ورنہ اس سے قبل ہم مشکوک تھے، ابھی ابھی پتا چلا ہے۔''

وہ ہنستے ہوئے اس کی درگت بنانے لگی۔

''اس بات کو چھوڑیں، اپنے ٹریک پر آئیں۔''

اشعر نے نخوت سے کہا تو ایمان نے کاندھے اُچکا دیئے۔

''میرے باطن کو ظاہر کی حمایت مار ڈالے گی
دلِ برباد تجھ کو تو یہ وحشت مار ڈالے گی
کسی ہم سر سے خائف ہوں نہ اندیشہ ہے دشمن کا
میں انساں ہوں مجھے میری ہی نفرت مار ڈالے گی''

''بالکل بالکل.....! بجا فرمایا۔ اگر ہم کہتے تو محترمہ نے غصہ کر لینا تھا۔''

اشعر نے بیٹھے بیٹھے بھنگڑا ڈالا۔

''یہ فاؤل ہے، یہ میری ذاتی کاوش نہیں ہے۔ چپ کر کے سنو.....! ورنہ میں واک آؤٹ کر جاؤں گی۔''

ایمان نے چیخ کر کہا، مگر وہ تھا باز آنے والوں میں سے.....؟''

''وہ کیا خوب کہا ہے کسی شاعر نے کہ

لاکھ پردوں میں رہوں، بھید میرے کھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے''

''تو جناب.....! اس شعر میں ہر خاص و عام کو شامل کیا گیا، بلکہ گھسیٹا گیا ہے، کیا سمجھیں.....؟''

''تم چپ کر کے بیٹھو.....! سمجھے.....؟ بیچ میں ٹرٹر مت کرو۔''

وہ جھڑک کر بولی تو اشعر بری طرح سے برا مان گیا۔

''ٹرٹر.....؟ یعنی آپ نے مجھے مینڈک بنا دیا.....؟''

وہ چیخا۔

''بنانے کی کیا ضرورت ہے.....؟ تم ہو.....!''

وہ اسے چڑتا دیکھ کر اور چڑانے لگی۔ اصل بات بیچ میں ہی رہ گئی، جس کی طرف فضہ نے دھیان دلایا تو وہ پھر سے پڑھنے لگی۔

''لئے پھرتے ہیں ہاتھوں میں قضا کا پیش نامہ جو
انہیں اک روز جینے کی ندامت مار ڈالے گی
خفا ہو کر زمانے سے کہاں جائے گا میرے دل
تجھے پُرخار راہوں کی مسافت مار ڈالے گی
جلا رکھے ہیں راہوں میں دیئے جو رسمِ اُلفت کے
انہیں قاتل ہواؤں کی حقارت مار ڈالے گی

کہا اس نے جہاں چھوڑو فقط میرے ہی ہو جاؤ
تمہیں معیارِ دُنیا کی رفاقت مار ڈالے گی
میری تقصیر اتنی ہے میں رسموں کی نہیں قائل
مجھے اپنی ہی مٹی سے بغاوت مار ڈالے گی
تھکا ڈالا ہے جیون کو تیری مقروض سانسوں نے
مجھے اے زندگی! تیری ضرورت مار ڈالے گی"

"تھینک یو..... ! سو ویری مچ..... !"

اشعر بے حد عاجزی سے کورنش بجانے لگا۔

"فار واٹ..... ؟"

وہ نخوت دہ انداز میں بھنوؤں کو جنبش دے کر بولی۔

"بڑی بات ہے..... ! آپ نے ہماری بات مان لی۔ بھئی..... ! اونچے مزاجوں والی ہیں آپ..... !"

اشعر کی وضاحت پہ اس نے گردن اکڑا لی۔

"ہاں بالکل..... ! یہ تو ہے..... !"

فضہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"اب بس بھی کرو بونگیاں مارنا..... !"

اس نے دونوں کو ایک ساتھ ٹوکا۔

"ویسے اگر ہم اس وقت شاعری کے انتخاب میں ایورڈ دینا چاہیں تو کسے ملنا چاہئے..... ؟"

عاقب کی بات پہ سب سے پہلے اشعر کا ہاتھ اٹھا تھا۔

"مجھے..... ! مجھے..... ! اس کی وضاحت پیش کرتا ہوں کہ یہاں ساری بسورتی، روتی صورتیں بیٹھی ہیں، میں نے کامیڈی کلام پیش کیا ہے۔"

"جی نہیں..... ! بات معیار کی ہونی چاہئے۔ بہرحال آپ کا کلام ہرگز معیاری نہیں تھا۔"

ایمان نے ناک چڑھا کر کہا تو اشعر فوراً ہی لڑائی کو تیار ہو گیا تھا۔

"آپ کا تو جیسے بہت معیار تھا..... ؟ ہونہہ..... !"

"ایوارڈ کے لئے تو مینشن عاقب بھائی کریں گے۔"

ایمان نے گویا اسے چپ کرانا چاہا۔

"ایوارڈ کیا ہے..... ؟ پہلے یہ تو جان لو..... !"

فضہ نے اہم نقطے کی سمت توجہ دلائی اور اشعر کھی کھی کرنے لگا۔

"بالکل بالکل..... ! بھلے یہ مونگ پھلی اور چلغوزوں کے چھلکے اٹھا کر آپ کو پیش کر دیں۔"

اس کی بات پر ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا۔ ایمان ایک لمحے کو کھسیا گئی۔ پھر عاقب کی سمت متوجہ ہو کر بولی تھی۔

"پہلے ایوارڈ کی رونمائی کیجئے بھائی..... !"

"چونکہ اس بات کی سمت پہلے توجہ نہیں تھی، لیکن ہم جیتنے والے کو کچھ نہ کچھ بہرحال ضرور دیں گے۔ ڈونٹ وری..... !"

عاقب نے اس سنجیدگی سے جواب دیا، جس کا وہ اب تک مظاہرہ کر رہا تھا۔

"اوکے فائن..... ! تو بتایئے..... ! آپ کے خیال میں کون رہا ہے ونر..... ؟"

"ولید حسن..... ! "گلابی پھول سی لڑکی" میدان لوٹ لیا تم نے یار..... ! تم نے۔"

عاقب حسن نے بلاتخفیف کہا تو جہاں ولید چونکا تھا، وہاں ایمان کا منہ بن گیا۔ جبکہ عاقب، ولید کا شانہ تھپک رہا تھا۔

"ہونہہ..... ! اپنے بھائی کو ہی جتایا ناں..... ؟"

وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ اشعر بے ساختہ مسکرانے لگا، شوخ رنگ چھلکاتی مسکان۔

"یہ جیت بھائی کی نہیں، درحقیقت آپ کی ہے، اگر سمجھیں تو..... !"

ذومعنی لہجہ ایمان کو کھٹکا گیا۔ اس نے دیکھا نہیں، ولید حسن نے اپنی جگہ پہ پہلو بدلا تھا اور بہت سنگین نظروں سے اشعر کو گھورا جس میں تنبیہ تھی۔ اشعر کا پتہ پانی ہو کر رہ گیا۔

"ایکسپلین کرو..... ! مطلب کیا ہے تمہارا..... ؟"

وہ تو جیسے اسی پل اس پہ چڑھ دوڑی تھی۔ تاثرات بے حد خوف ناک تھے۔

"آپ کو پتا ہے ناں..... ! زبان میں ہڈی نہیں ہوتی۔ بے چاری گوشت کا لوتھڑا، بے وجہ بھی پھسل جاتی ہے۔ میرا کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ رکا نہیں، اٹھ کر بھاگ گیا۔ ایمان اپنی شال میں اُلجھتی ہوئی اس کے پیچھے گئی۔ عاقب گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔ فضہ چائے کے برتن اکٹھے کر کے ٹرے میں رکھنے لگی۔ ولید اٹھ کر چل دیا۔ اس کی چال میں اضمحلال تھا۔

☆☆☆

"اس کی چاہت کا صلہ یاد نہیں
یاد ہے جرم، سزا یاد نہیں
توڑ کر ہمسفری کا رشتہ
وہ کہاں چھوڑ گیا یاد نہیں
اپنے گرنے کا سبب یاد تو ہے
کس بلندی سے گرا یاد نہیں
یاد ہے اس کا بچھڑنا ہم کو
پھر ہمیں جو بھی ملا یاد نہیں"

رات چونکہ وہ بہت دیر تک جاگی تھی، تبھی صبح آنکھ کھلی تو گیارہ بج رہے تھے۔ اوپر مکمل طور پر خاموشی

تھی۔ وہ فریش ہونے کے بعد نیچے آگئی تو صحن میں بچھی چارپائی پہ موبائل فون پڑا تھا، جس پہ یہ غزل چل رہی تھی۔ وہ نظر انداز کئے کچن کی سمت بڑھ گئی کہ ڈیوڑھی میں کھڑی بائیک کو پائپ لگا کر دھوتے ہوئے ولید کو دیکھ کر وہ اتنا تو جان گئی تھی کہ یہ سیل فون اسی کا ہے۔

کچن صاف ستھرا تھا اور فضہ کچن میں نہیں تھی۔

''فضہ......! فضہ......!''

جب نیچے کے دونوں کمرے بھی چیک کر لئے تو اس نے برآمدے میں کھڑے ہو کر فضہ کو آواز دی تھی۔ دادا اپنے کمرے میں سو رہے تھے جبکہ تائی ماں کا کمرہ خالی تھا۔ ولید کے کمرے اور بیٹھک میں اس نے اس لئے نہیں جھانکا کہ وہاں فضہ کی موجودگی کا امکان بہت کم تھا۔

ولید حسن نے اس کی پکار پہ مڑ کے دیکھا۔ گلابی لانگ سکرٹ اور بلیو ٹاپ پہنے، لانبے بالوں کی چوٹی بنائے، سر پہ اونی گلابی سی ٹوپی تھی۔ وہ کوئی خوب صورت نازک سی گڑیا دکھائی دے رہی تھی۔

''فضہ گھر پہ نہیں ہیں۔ اماں اور چاچی جان کے ساتھ حرا آپا کی طرف گئی ہیں۔ شاید شادی کی شاپنگ کے سلسلے میں۔''

ولید حسن نے اس کی تسلی کی خاطر جامع اور تفصیلی جواب دیا تھا۔ وہ جو پانی کی دھار کے ساتھ بائیک کے پہیوں سے گدلے پانی کو بہہ کر تیزی سے نشیب کی طرف جاتے دیکھ رہی تھی، بری طرح سے ٹھٹکی۔

''وا...... یعنی وہ سب لوگ مجھے تنہا چھوڑ کر چلے گئے......؟''

وہ پہلے زور سے چیخی تھی، پھر یہ انداز خود کلامی اور انتہائی غمگین ہو کر رہ گیا تھا۔

''ڈونٹ وری......! اشعر کے علاوہ دادا بھی گھر پہ ہیں۔''

اسے لگا تھا وہ مسکرایا ہے۔ ایمان کا روم روم سلگ اٹھا۔ وہ پیر پٹختی ہوئی دوبارہ کچن میں جا گھسی۔

''سوئی ہوئی ہی تھی ناں......! مر تو نہیں گئی تھی کہ مجھے ناشتہ بھی کرنا تھا، کم از کم کھانے کو تو پوچھ جاتی مجھے۔ جانتی بھی تھی مجھے کچھ بنانا نہیں آتا۔''

ڈھلے ڈھلائے برتن پٹختے ہوئے وہ اتنی زور زور سے بول رہی تھی کہ باہر ڈیوڑھی میں مصروف ولید تک اس کی آواز بآسانی جا پہنچی۔ اسے اس کے موڈ کی خرابی کا اندازہ ہوا تو پائپ پھینکا، نل بند کیا اور ہاتھ دھو کر کچن کی سمت بڑھ آیا جہاں بڑبڑاہٹوں اور برتن پٹخنے کا سلسلہ جاری و ساری تھا۔ وہ اسے متوجہ کرنے کو کھنکارا۔ ایمان جو غم و غصے کی زیادتی میں اس کے وجود کو فراموش کر بیٹھی تھی، چونک کر متوجہ ہوئی اور سلگتی نظروں سے اسے گھورا۔

''جی فرمائیے......؟''

عجیب انداز تھا، تنفر سے بھرپور۔

''میں آپ کی مدد کر دیتا ہوں، اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو......؟''

وہ بہت محتاط سے انداز میں بولا تھا۔ ایمان نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیا کریں گے......؟ ناشتہ بنا کر دے سکتے ہیں مجھے......؟''

''جی......! آئی تھنک......!''

وہ مسکرایا اور آگے بڑھ آیا۔ فریج کھول کر انڈے اور ڈبل روٹی نکالی، ساتھ میں دودھ کا برتن بھی۔ تینوں چیزیں سلیپ پر رکھیں، پھر ماچس اٹھا کر مٹی کے تیل کا چولہا جلانے لگا۔

بلیک جینز جس کے پائنچے فولڈ کر رکھے تھے، آسمانی شرٹ کی دونوں آستینیں کہنیوں تک موڑی ہوئی تھیں۔ ماتھے پہ بکھرے بالوں سمیت وہ اس عام سے حلیے میں بھی ہرگز نظر انداز کئے جانے والا نہیں تھا۔ وہ اس کی خاطر اپنا کام ادھورا چھوڑ آیا تھا اور اب اس کی بھوک کا خیال کرتے ہوئے خود اس کے لئے اہتمام کر رہا تھا۔ اس انداز کی یہ اہمیت اس کے اندر ایک انوکھا احساس جگانے لگی۔

پہلی بار ایمان کو اس کی جاذب نظر پرسنالٹی کا ادراک ہوا۔ وہ عجیب قسم کی کیفیات کا شکار ہوتی، بے دھیانی میں مسلسل اسے تکنے لگی اور یقیناً یہ اس کی نگاہوں کے ارتکاز کا ہی نتیجہ تھا کہ سلائس گرم کرتے ہوئے ولید نے مصروفیت کے عالم میں سرسری سا سر اٹھا کر دیکھا اور اسے یوں یک ٹک تکتے پا کر ہلکا سا چونکا۔

''پلیز......! صرف پانچ منٹ ویٹ کریں۔''

وہ سادگی و متانت سے بولا۔ ایمان نے فی الفور نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا۔

''یہ لیجئے......! آپ کا گرما گرم ناشتہ......!''

وہ واقعی اگلے چند لمحوں میں ٹرے اس کے سامنے لے آیا تھا۔

ہاف فرائی انڈہ، سنکے ہوئے سلائس، چائے کا مگ اور دودھ کا گلاس۔ اسے یہ دیکھ کر گہرے استعجاب نے آن لیا کہ یہ وہی ناشتہ تھا جو وہ ہر روز کرتی تھی۔ اس نے متحیر نگاہوں کو اٹھایا اور جیسے خائف سی ہوگئی۔ وہ جھک کر ٹرے اس کے سامنے رکھ گیا تھا۔ اس کا لمبا چوڑا مضبوط وجود ایک لمحے کو سہی، گویا اس کے نازک سراپے پہ چھا سا گیا تھا۔ اس کے منہ سے اٹھتی آفٹر شیو لوشن کی مہک نے اس کے حواسوں کو جکڑ لیا تھا۔ محض ایک لمحے کی بات تھی، مگر وہ اسی ایک لمحے میں جیسے گم ہو گئی تھی۔

ولید حسن نے پھر سے پلٹ کر بہت سلیقہ مند سگھڑ خاتون کی طرح دودھ کا برتن، بریڈ کا پیکٹ واپس فریج میں رکھے اور انڈوں کے چھلکوں کو کچن میں ہی سائیڈ پہ دھری ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔ دھونے والے برتن اٹھا کر سنک میں رکھ دیئے۔ ہر شے پہلے کی طرح معمول پر آگئی تھی، سوائے ناشتہ کرنے والی کے۔

''سنیں!''

وہ پلٹ کر دروازے سے نکل رہا تھا، جب وہ بے اختیار پکار بیٹھی تھی۔

''جی......!''

وہ ذرا سے گردن موڑ کر سوالیہ انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ انداز میں وہی بے نیازی اور ٹھہراؤ تھا۔

''یہ سب کیوں کیا آپ نے......؟ آئی مین......''

وہ پوچھ کر بھی نہیں پائی تو ہونٹ بھینچ لئے۔ ولید جیسے اس کی ان کہی بات سمجھ کر رواداری سے مسکرایا تھا۔

''آپ ہماری مہمان ہیں، آپ کی ضرورت کا خیال رکھنا ہماری ذمہ داری......!''

نرمی سے اپنی بات مکمل کر کے وہ باہر نکل گیا تھا۔ ایمان سر جھٹک کر ناشتہ کرنے لگی۔ مگر یہ سچ تھا کہ

دل کہیں اندر ہی اندر پہلی بار اس کی اچھائی کا قائل ہوا تھا۔

☆☆☆

''تو کیا جانے پگلی کوئل!
کون مجھے تڑپاتا ہے
جاگی سوئی آنکھوں والا
دل میں آن سماتا ہے
کتنے کومل کومل چہرے
میری راہ میں آتے ہیں
لیکن وہ اک سندر چہرہ
سپنوں میں آجاتا ہے
اس کا درد چھپا کر دل میں
غزلیں لکھتے رہتے ہیں
ہر موسم کی پہلی بارش
اس کی یاد دلاتی ہے
بادِ صبا کا ہر اک جھونکا
اس کی یاد دلاتا ہے
تو کیا جانے پگلی کوئل!
کون مجھے تڑپاتا ہے''

اسی پچھلے آنگن میں کل اشعر نے اس کے لئے ٹاہلی کے پیڑ میں جھولا ڈالا تھا۔ اسے اپنے کارنامے سے آگاہ کرنے کو ساتھ لا کر دکھایا، داد وصول کی اور پھر خود ہی جھولتا رہا۔ ایمان نے دو تین مرتبہ اسے خالی کرنے کو کہا تو دانت نکوس کر ہر بار ٹکا سا جواب دے ڈالا۔

''یہ تو بڑے مزے کا کام ہے۔ کاش میں ساری زندگی بچہ ہی رہتا۔ اماں مجھے جھولے میں ڈالے جھلاتی رہتیں۔''

''یہ تم نے اپنے لئے بنایا ہے یا میرے لئے......؟''

ایمان کا جب ضبط جواب دیا تو دانت پیس کر بولی۔

''ڈالا تو آپ کے لئے ہی تھا۔ اماں نے کہا تھا، بچی سارا دن اُداس بلبل بنی رہتی ہے، جھولا ڈال دو۔''

''اب تم اترو گے یا میں تائی ماں کو شکایت کروں تمہاری......؟''

اسے یکایک غصہ آنے لگا۔

''...

گا میں کی کیا......؟
باغوں میں پڑے جھولے
تم ہمیں بھول گئے
ہم تم کو نہیں بھولے......!''

وہ لہک لہک کر گانے لگا۔ ایمان کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''مسخرے ہو پورے......!''

''ویسے وہ ہیں کون جن سے آپ یہ شکوہ کریں گی......؟''

وہ رازداری سے اس کی جانب جھکا۔ ایمان نے جھلا کر اسے پوری قوت سے پیچھے کی جانب دھکیل دیا۔

''خود سے پوچھو، کیونکہ یہ گانا میں نہیں، تم گا رہے ہو۔''

''ایمی......! اشعر......! واپس آؤ......! تائی ماں بلا رہی ہیں۔''

فضہ دروازے میں کھڑی پکار رہی تھی۔ ایمان نے ہاتھ ہلا دیا۔

''آتے ہیں کچھ دیر میں۔ تم چلو......!''

''اُفوہ......! ابھی آؤ......! تائی ماں کہہ رہی ہیں، اس ٹائم پہ درختوں کے نیچے کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں۔''

فضہ نے وہیں سے ہانک لگا کر کہا اور ساتھ لے کر ہی ٹلی، جس پر ایمان کو تاؤ سا آگیا تھا۔

''اس وقت کیا ہوتا ہے......؟ فضول کی باتیں......!''

''مغرب کا وقت ہونے والا ہے مادام......! اور سنا ہے، اس وقت بھوت پریت اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں، اگر خوب صورت لڑکی کہیں نظر آجائے تو عاشق ہوجاتے ہیں۔''

وہ سر جھٹکتے ہوئے دروازہ عبور کر کے گھر کے اندر آئی تو تائی ماں نل کے پاس بیٹھیں کھیت سے آئیں کاچھیں دھو کر ٹوکری میں رکھ رہی تھیں۔ کچھ فاصلے پر تازہ مولیاں اور اور گنے بھی بندھے پڑے تھے۔ تاؤ جی ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی کھیتوں سے لوٹے تھے۔

''گجریلا پسند ہے وہی رانی کو......؟''

وہ ایک ڈھلی ہوئی گاجر اٹھا کر کھا رہی تھی، جب تائی ماں نے اپنے مخصوص، پُرشفقت انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''گجریلا......؟''

وہ قطعی نہیں سمجھی تھی۔

''گاجر کا حلوہ......!''

اشعر نے کچن کے دروازے کی چوکھٹ سے کاندھا ٹکا کر گویا اس کی مشکل آسان کی۔

''اوہ......! جی......! اچھا لگتا ہوں۔''

وہ مسکرانے لگی۔ تائی ماں کا جیسے سیروں خون بڑھ گیا۔

''آج بناؤں گی اپنی دھی کے لئے، دیسی گھی اور کھویا ڈال کر۔ ولید بھی شوق سے کھاتا ہے۔''

تائی ماں نے گویا اطلاع دی تھی، مگر وہ فضہ کی سمت متوجہ ہوگئی۔

''کیا پکایا ہے آج......؟''

گھر میں چکراتی پکوڑوں کی مہک محسوس کر کے اس نے بیسن پر ہاتھ دھوتے ہوئے استفسار کیا۔

''کڑھی......! بھوک لگی ہے تو روٹی ابھی ڈال دوں تمہارے لئے......؟''

فضہ نے کچن کی کھڑکی سے جھانکا، مگر وہ منع کرتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی۔

ماما اپنے کمرے میں بستر میں لیٹی سیل فون پر مصروف تھیں، یقیناً بابا سے بات کر رہی تھیں۔

''کب ہوگا یہ مسئلہ حل......؟ کب تک پڑے رہیں گے ہم یوں کسی کے در پہ......؟ میری بچی یہاں نوکرانی بنی ہوئی ہے۔ آپ کو احساس ہے کچھ......؟''

ایمان اُلٹے قدموں باہر نکل گئی۔ اس کے دل پہ ایک بوجھ سا آ گرا تھا۔

''ماما صحیح کہتی ہیں۔ کتنی آکورڈ پوزیشن ہوگئی ہے ہماری......!''

اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں تو ہونٹ بھینچ کر دیوار کے ساتھ لگی چارپائی بچھا کر تھکے ہوئے انداز میں اس پر بیٹھ گئی۔

''ایمی......! ایمان گڑیا......!''

تبھی عاقب حسن اسے پکارتا ہوا اوپر آ گیا۔ اسے یوں بیٹھے دیکھ کر ٹھٹکا۔

''خیریت......؟''

اس کی نگاہوں میں اُلجھن تھی۔

''جی......! آپ کو کچھ کام تھا......؟''

اس کا لہجہ پھر سے وہی نخوت اور تلخی سمت لایا تھا، جو یہاں آنے کے بعد سے اس کے انداز میں رچ بس گئی تھی۔

''یہ تمہاری نوٹ بک اور قلم ہے، تم گاڑی میں ہی چھوڑ آئی تھیں۔''

ہاتھ میں پکڑی دونوں چیزیں اس کی سمت بڑھاتے ہوئے وہ متانت سے بولا تھا۔

''تھینکس......! آپ کو زحمت ہوئی۔''

اس کا لہجہ ہنوز تھا۔ عاقب کو اس کے موڈ کی خرابی کا احساس ہوا تو کچھ دیر کو یوں خاموش ہو گیا جیسے اس سچویشن کو ہینڈل کرنے کا مناسب حل سوچ رہا ہو۔

''میں نے آپ سے ایک بار پہلے بھی کہا تھا ایمان......! کہ اپنوں میں یہ سب نہیں ہوتا۔ ایک ذرا سی نوٹ بک اور قلم آپ تک پہنچانے میں بھلا میری کتنی انرجی ویسٹ ہوئی ہوگی......؟ سویٹ ہارٹ......! ایسی ننھی منی باتوں کو ذہن پہ سوار مت کیا کرو۔ ابھی تمہارے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں۔ انجوائے یور سیلف......!''

وہ اس کا سر تھپک کر واپس مڑ گیا۔ لہجے میں حلاوت، ٹھہراؤ اور رسانیت کے ساتھ محبت و اپنائیت کا بھی احساس تھا۔ وہ آنسو بھری نظروں سے اسے جاتے دیکھتی رہی تھی۔ پھر اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ کر چپ چاپ بستر میں گھس گئی۔

ماما شاید واش روم میں تھیں، ان کا سیل فون مسلسل بج رہا تھا، مگر وہ کان بند کئے پڑی رہی۔ بالآخر گھنٹی بند ہوگئی، مگر چند لمحوں کے توقف سے اس کے سویٹر کی جیب میں پڑا اس کا اپنا سیل فون وائبریٹ کرنے لگا تھا۔ وہ سمجھ گئی، پاپا کال کر رہے ہیں۔ سویٹر کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس نے اسکرین پر نگاہ کئے بغیر آف کا بٹن دبا دیا۔

''اگر آپ کو ہماری اہمیت اور عزتِ نفس کا احساس نہیں ہے تو ہمیں بھی آپ کی بات نہیں سننا۔''

وہ ایک بار پھر ان سے شدید خفا ہو چکی تھی۔ آنسو بہاتے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی......؟ دوبارہ اس وقت کھلی جب فضہ نے اسے زبردستی جگایا تھا۔

''وات نان سنس......! کیا طوفان آ گیا ہے کوئی......؟''

وہ نیند خراب ہونے پہ دھاڑی تھی۔

''کھانا کھا لو......! پھر سو جانا......!''

فضہ بیچاری خفیف سی ہوگئی۔

''نہیں کھانا مجھے تمہارا یہ اسپیشل کھانا......! اونہہ......! کڑھی پکوڑے نہ ہوئے، مرغ مسلم ہو گیا......؟''

وہ حقارت سے بولی۔ فضہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''تمہیں جو کھانا تھا، وہ بتا دیتیں، میں بنا لیتی۔''

''ہاں......! تم بنا لیتیں، تم نوکرانی ہو ناں......؟ کبھی میری پسند کا بناتیں، کبھی گھر والوں کے نخرے اُٹھاتیں۔''

فضہ ششدر ہوگئی۔

''ایمی......! کیا ہو گیا ہے......؟''

''پاگل ہوگئی ہوں، دماغ سٹھیا گیا ہے، اور کیا......؟''

وہ اتنی وحشت سے چلائی کہ آواز پھٹ گئی۔ فضہ نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

''جس دن میں گھر پہ نہیں تھی، اس روز تمہیں ولید نے ناشتہ بنا کر دیا تھا۔ کیا تم نے اسے اپنے ملازموں کی فہرست میں شامل کر لیا......؟ نہیں ایمی......! یہ محبتوں اور احساس کی بات ہوتی ہے، دلوں میں گنجائش نکلے تب ہی یہ کام ہو پاتے ہیں۔ مگر تم نہیں سمجھ سکتیں۔''

''تمہیں کس نے بتایا کہ مجھے ولید نے اس روز ناشتہ بنا کر دیا تھا......؟''

وہ زہرخند لہجے میں بولی تھی۔ فضہ نے گہرا سانس کھینچ لیا۔

''کم از کم ولید نے نہیں بتایا۔ ڈونٹ وری......!''

''پھر کس نے بتایا......؟ تب گھر پہ صرف وہ تھے، وہ بھی سو رہے تھے۔''

وہ چیخنے لگی۔

''اشعر بھی تھا، اشعر نے ہی مجھے بتایا تھا، وہ بھی اس وجہ سے کہ وہ خوش تھا کہ تمہاری ولی بھائی سے منگنی ہوگئی ہے۔''

فضہ نے گویا وضاحت دے کر جان چھڑائی۔ ایمان کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

''میں اسے اس قابل بھی نہیں سمجھتی کہ اس سے لڑائی کروں۔ تعلق ہی کیا ہے میرا اس سے......؟''

اس کے لہجے میں تنفر ہی تنفر تھا۔

''جانتی ہوں، بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

فضہ نے بے ساختہ ٹوک دیا اور اُٹھ کر چلی گئی۔ وہ بعد میں بھی بہت دیر تک جلتی کڑھتی رہی تھی۔

☆☆☆

''میری آنکھوں پہ مرتا تھا

میری باتوں پہ ہنستا تھا

نہ جانے شخص تھا کیسا

مجھے کھونے سے ڈرتا تھا

مجھے جب بھی وہ ملتا تھا

یہی ہر بار کہتا تھا

سنو!

اگر میں بھول جاؤں تو

اگر میں روٹھ جاؤں تو

کبھی واپس نہ آؤں تو

بھلا پاؤ گی یہ سب کچھ

یوں ہی ہنستی رہو گی کیا

یوں ہی بجتی رہو گی کیا

یہی باتیں ہیں بس اس کی

یہی یادیں ہیں بس اس کی

مجھے معلوم ہے بس اتنا

مجھے وہ پیار کرتا تھا

مجھے کھونے سے ڈرتا تھا''

اس نے طویل سانس بھرا اور کتاب بند کر دی۔ آج ثانیہ کی مایوں تھی اور فضہ چاہتی تھی، وہ بھی ان کے ساتھ شریک ہو۔ مگر وہ صاف انکار کر چکی تھی۔

''تمہیں پتا ہے ناں......! میرے ایگزام ہو رہے ہیں۔''

روز کے آنے جانے کا طویل سفر اسے بہت تھکا جاتا تھا۔

''آئی پرامس......! میں تمہیں جلد واپس بھجوا دوں گی، بہت مزہ آئے گا۔''

''میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔''

وہ ہمیشہ کی طرح یہاں بھی اڑی دکھا رہی تھی۔

''اتنا حسین سوٹ لائی ہوں تمہارے لئے، اس کا کیا ہوگا......؟''

''تم پہن لینا۔''

اس نے روٹھے پن سے کہہ ڈالا۔

''میرے پاس اپنا ہے، اس احسان کی ضرورت نہیں......!''

فضہ روٹھے ہوئے انداز میں کہہ کر وہاں سے اُٹھ کر چلی گئی تھی۔ اس نے کتاب کھولی، مگر پڑھائی میں دھیان نہیں لگ رہا تھا۔ عجیب سی قنوطیت تھی۔ اس نے کتابیں سمیٹ کر رکھ دیں اور وہیں لیٹ گئی۔

''دھی رانی......! ابھی تک تیار کیوں نہیں ہوئی ہے......؟''

تائی ماں جانے کس کام کی غرض سے اوپر آئی تھیں، اسے یوں لیٹے دیکھ کر حیرانی سے پوچھا۔ خود وہ ہلکے بادامی ریشمی سوٹ میں تیار ہو چکی تھیں، ساتھ میں بلوچی کڑھائی کی سیاہ چادر۔

''اس لئے کہ میں نہیں جا رہی ہوں تائی ماں......!''

اس نے کروٹ بدلتے ہوئے بادل ناخواستہ جواب دیا۔

''کیوں پتر......؟ کیوں نہیں جا رہی......؟ سب وہاں تیرا پوچھیں گے۔''

''آپ کہہ دیجئے گا، طبیعت ٹھیک نہیں۔''

''ہائیں......؟ کیا ہوا میری دھی کو......؟ پھر بخار ہوگیا کیا......؟''

تائی ماں فوراً اس کی پیشانی چھو کر دیکھنے لگیں۔ وہ سخت بے زار ہوگئی۔

''بخار نہیں ہے تائی ماں، سر میں درد ہے۔''

اس کے لہجے میں اُکتاہٹ چھلکی۔

''ولید سے کہتی ہوں، تمہیں سر درد کی گولی دے دے۔ پھر تیار ہو جا پتر......! سب جا رہے ہیں، تو کیا اکیلی یہاں رہو گی......؟''

اس کا سر تھپک کر کہتی ہوئیں وہ واپس مڑ گئیں۔ ایمان بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کر تیار ہونے کے لئے چل دی۔ بہرحال وہ جان گئی تھی، کم از کم آج جان چھٹنے والی نہیں ہے۔

☆☆☆

''نہ وہ ملنے کا اشارہ کوئی

کیسے امید کا چمکے گا ستارہ کوئی

حد سے زیادہ کسی سے بھی محبت کرنا

جان لے لیتا ہے جاں سے پیارا کوئی''

واش بیسن کے اوپر لگے آئینے کے آگے کھڑا وہ شیو بنانے میں مصروف تھا، جب فضہ کے باآواز بلند

''وات یو مین......؟ یہ نصیحت ہے یا......''

''نصیحت ہی سمجھ لیں......! ویسے آپ کے لئے اچھی اطلاع نہیں ہے۔ وہ نہیں جا رہی ہے۔''

فضہ کے انداز میں مایوسی تھی۔ وہ کاندھے اُچکا کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

''میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہا تھا۔ اتنا اصرار مت کریں۔ وہ مشکوک ہو سکتی ہے۔''

''یہی تو بات ہے کہ وہ مشکوک ہوتی نہیں ہے۔ مجھے اکثر حیرانی ہوتی ہے۔ آپ کے جذبوں کی شدت اس تک کیوں نہیں پہنچتی......؟''

''اس لئے کہ یہ فلم یا ناول نہیں ہے سویٹی......! زندگی کی ایک تلخ حقیقت ہے۔''

وہ شیو کر چکا تھا تولئے سے منہ صاف کرتے ہوئے بولا۔

''جو بھی ہے، بہر حال مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔''

فضہ اپنی بات کہہ کر تائی ماں کے کمرے میں گھس گئی جو اسے پکار رہی تھیں۔ انہیں اس کی صلاح سے وہاں دینے والے کپڑے باکس سے نکالنے تھے۔ مما بھی وہیں تھیں۔

وہ نہانے کے لئے واش روم کی سمت آیا تو اشعر وہاں پہلے سے گھسا ہوا تھا۔ وہ اس کے انتظار میں وہیں چارپائی پر بیٹھ گیا۔ تب ہی فضہ کو پکارتی وہ اپنے دھیان میں سیڑھیاں اُترتی نیچے آتی نظر آئی۔ ولید نے سرسری سے انداز میں نظر اُٹھائی تھی، مگر صحیح معنوں میں وہ مبہوت رہ گیا تھا۔

بلیک جارجٹ شیفون کا اسٹائلش سا سوٹ جس کے دامن اور دوپٹے کے پلوؤں پہ بنا پنی کا کام جھلمل جھلمل کر رہا تھا، اس کی گوری رنگت اس میں ایک دم لشکارے مارتی محسوس ہو رہی تھی۔ ہوش رُبا حسن کا بجلیاں گراتا ہوا یہ دل کش روپ کسی کے بھی حواس چھین لینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ تو پھر اس کا پہلے سے اسیر تھا۔ وہ کچھ لمحوں کو اپنی نگاہوں پہ اختیار کھو بیٹھا۔

اور یہ اس کی نگاہوں کی تپش کا ہی شاخسانہ تھا کہ ایمان نے اچانک پلکیں اُٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اس کی نگاہوں سے ایک ناگواری کا احساس اس کے چہرے سے چھلکا اور اگلا قدم اُٹھائے جانے کیسے اس کا پیر رپٹ گیا۔ اس کے حلق سے ایک دل خراش چیخ نکلتی چلی گئی تھی۔

ولید فوراً ہی گھبراہٹ اور سراسیمگی کے عالم میں اُٹھ کر اندھا دھند اس کی سمت بھاگا۔ کچھ اس طرح کہ راستے میں پڑی تپائی اور سبزیوں کی ٹوکری بھی اسے نظر نہیں آئی، وہاں سے اُلجھتا ہوا خود گرتا بچا تھا۔

☆☆☆

''آر یو اوکے......؟''

وہ جتنی تیزی سے بھاگ کر اس تک پہنچا تھا، نزدیک آ کر اتنی ہی آہستگی سے جھجک زدہ آواز میں گویا ہوا۔ ایمان جو ایک دو زینے تک ہی پھسلی تھی، پھر ریلنگ تھام کر سنبھل گئی تھی، جبھی چوٹ تو اتنی نہیں آئی، مگر اس کے سامنے گرنے پہ بے بسی کا احساس ضرور آنکھوں کو نم کر گیا تھا۔ بھینچے ہوئے ہونٹوں سمیت چھلکتی آنکھوں میں خفگی بھرے ایک نظر ہی اسے دیکھ پائی کہ تب تک اندر کمرے سے مما کے ساتھ تائی ماں اور فضہ بھی بدحواسی میں اُٹھ کر باہر آ گئیں تھیں کہ اس کی چیخ بآسانی اندر سنی گئی تھی۔

''ہائے میں مر گئی، کیسے گر گئی ہے بچی......؟''

تائی ماں نے دیکھتے ہی شور مچا دیا، جبکہ فضہ آگے بڑھ کر اسے سہارا دے کر اُٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔

''کہاں چوٹ آئی ہے بیٹے......؟ بتاؤ تو سہی......!''

ماما کی تشویش بھی فطری تھی۔ اسے وہاں سے اُٹھا کر صحن میں بچھی چارپائی پہ بٹھا دیا گیا تھا۔

''دیاہ پہ جانے کو تیار ہونے آئی تھی میری دھی......! لگ بھی تو اتنی سوہنی رہی تھی۔ جانے کس بدخواہ کی نظر لگ گئی......؟''

تائی ماں کی اپنی باتیں تھیں۔ ایمان کی نگاہ بے ساختہ اُٹھی۔ وہ وہیں خفیف سے تاثرات لئے کھڑا تھا۔ اس الزام پہ جیسے جزبز ہو کر رہ گیا۔ فضہ کی ہنسی چھوٹنے لگی۔

''حد ہے تائی ماں......! یہاں بھلا کس کی نظر لگتی ہے......؟ سب ہی تو اپنے ہیں۔''

فضہ نے گویا بات اڑائی، مگر تائی ماں کا یقین کامل تھا۔

''ارے...... نظر بھی تو اپنوں کی لگتی ہے۔ ہماری ساس اللہ بخشے کہا کرتی تھیں، بچے کو سب سے زیادہ نظر اپنی ماں کی ہی لگتی ہے۔ ماں کو ہی زیادہ پیارا جو لگتا ہے۔''

''مائی گاڈ......! تائی ماں......! ماما تو ہمارے ساتھ تھیں ناں کمرے میں، جبکہ محترمہ اوپر کے پورشن سے تیار ہو کر نیچے آ رہی تھیں، اور صحن میں کوئی نہیں تھا سوائے ولید کے۔''

فضہ نے یوں ہی وضاحت کی، مگر آخری فقرہ اس نے کسی قدر شرارت میں ادا کیا۔ ولید اتنا جزبز ہوا کہ فی الفور وہاں سے پلٹ گیا۔

"کدھر جارہا ہے اب......؟ بچی کو دیکھ تو سہی......! پیر میں موچ تو نہیں آگئی......؟"

تائی ماں نے اندر کمرے میں گھستے ولید کو بے ساختہ آواز دی۔ وہ رُک تو گیا، مگر پلٹ کر واپس نہیں آیا۔

"آجایئے آجایئے......! آپ کی عافیت اسی میں ہے۔"

اماں نے بھلے منہ سے نہیں کہا، مگر ان کا انداز صاف کہہ رہا ہے۔

"نظر لگا کر اب کدھر جا رہے ہو......؟ اپنا بھگتان بھگتو......!"

واش روم کے دروازے پر کھڑے تولیے سے سر کے بال رگڑ رگڑ کر خشک کرتے اشعر نے مزہ لے کر سرگوشی کی۔ ولید کی سرخ ہوتی رنگت گویا اس کے ضبط کی گواہ تھی۔ وہ پیر پٹختا ہوا واپس آیا تھا۔

"آپ خاموش کیوں ہیں......؟ انہیں بتاتی کیوں نہیں کہ میں نے آپ کو نہیں گرایا ہے......؟ یہ سب کا غلط خیال ہے کہ میں نے آپ کو نظر لگائی ہے۔"

اس ساری صورتِ حال نے جتنی بدمزگی اور کوفت اس کے اندر بھری تھی، وہ ساری ولید نے ایمان پر اُلٹ دی۔ تائی ماں "ہائیں ہائیں" کرتی رہ گئی تھیں۔ ولید کے تاثرات بے حد کبیدہ تھے۔ تائی ماں نے اسے گھورا۔

"میں تجھے کہہ رہی ہوں بچی کا پیر دیکھ......! تو اُلٹا اس پر برسنا شروع ہو گیا ہے......؟"

"پہلے اپنی بچی سے تو پوچھ لیں، وہ مجھ سے چیک کرانا چاہے گی بھی کہ نہیں......؟"

وہ کچھ اور بدمزہ ہوا کہ ایمان کے چہرے پر اُمڈتی محظوظ کن مسکان اسے چبھنے لگی تھی۔

"میں نے کب انکار کیا ہے تائی ماں......؟ شاید ان کی انا کو گوارہ نہیں ہے کہ یہ میرے پیر کو ہاتھ لگائیں......؟"

ایمان نے اتنی معصومیت سے کہا تھا کہ ولید اس کی مکاری پہ دانت کچکچا کر رہ گیا۔ فضہ کو اپنی مسکراہٹ چھپانے کی غرض سے منہ پھیرنا پڑا۔

"ادھر کریں سامنے اپنا پاؤں......!"

وہ جیسے طوعاً و کرہاً پنجوں کے بل چارپائی کے پاس اکڑوں بیٹھ گیا۔ چہرے کے ناخوش گوار تاثرات ایمان کو اس سچوایشن میں لطف اندوز کرنے لگے۔ اسے کہیں بھی چوٹ نہیں آئی تھی، کہنی اور گھٹنے پہ گھسیٹ کر گرنے سے ایک آدھ کھرونچ ضرور آئی تھی، مگر اس پل وہ اس مغرور، نک چڑھے اور بے نیاز نظر آنے والے ولید کو محض زچ کرنا چاہ رہی تھی۔ جبھی سلور سینڈل سمیت اپنا سفید مرمریں پیر یوں ہی اس کے آگے کر دیا۔ ولید نے اس حرکت پہ اچنبھے میں گھر کر اس کی صورت دیکھی اور آنکھوں میں مچلتی شرارت پہ جل کر راکھ ہو گیا۔

"کم از کم جوتا تو خود اتار لیں......؟ میں ڈاکٹر ضرور ہوں، زرخرید غلام نہیں۔"

اب کے وہ صحیح معنوں میں بھڑکا تھا۔ فضہ دفعتاً ایمان کی اس حرکت پہ متحیر رہ گئی تھی۔

"افوہ......! ایمی...... حد ہے بھئی...... لاؤ میں اتاروں جوتا۔"

اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسٹریپ کھولا اور جوتا پیر سے نکال لیا۔ ولید نے اس کا پیر ہلا جلا کر

معائنہ کیا، پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"موچ تو نہیں آئی ہے۔ ورم بھی نہیں ہے پیر پہ۔ کہاں درد محسوس کر رہی ہیں آپ......؟ مجھے بتائیں......!"

اس کی نگاہوں میں اُلجھن تھی۔

"میں نے کب کہا مجھے درد محسوس ہو رہی ہے......؟ وہ تو تائی ماں نے کہا، چیک کرا لو تو میں نے کرا لیا۔"

اس اعلیٰ درجے کی معصومیت کے مظاہرے نے ولید کے اعصاب کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور ہونٹ بھینچے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں جا گھسا۔

"یہ کیا حرکت تھی ایمی......؟"

فضہ کا انداز بے حد کڑا تھا۔ وہ کاندھے اُچکا کے چیونگم چبانے لگی۔

"بتایا تو ہے، تائی ماں......"

"شٹ اپ......! اتنی فرمانبردار نہیں ہو تم......!"

فضہ بے ساختہ برس پڑی۔

"یو شٹ اپ......! وہ خود کو جانے کیا افلاطون سمجھے بیٹھا ہے......؟ میں نے ذرا اسے جتایا ہے کہ بہرحال وہ بھی بے وقوف بنایا جا سکتا ہے، اینڈ دیٹس سیک......!"

اس کے اطمینان میں ذرہ برابر جو فرق آیا ہو، فضہ متاسفانہ نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ تب ہی تائی ماں چینے سے تھالی اُٹھائے برآمد ہوئی تھیں، جس میں جلتی ہوئی مرچیں تھیں، جن کی باس سے ان دونوں کے ساتھ ماما بھی چھینکنے لگیں۔ مگر تائی ماں بہت مگن سے انداز میں تھالی کو ایمان کے سر پر گول گول چکر دینے میں مصروف رہی تھیں۔

"افوہ......! تائی ماں......! یہ کیا کر رہی ہیں آپ......؟"

فضہ نے ہاتھ سے دھوئیں کو ہٹاتے ہوئے آنکھوں سے بہتا پانی صاف کیا۔

"نظر اُتار رہی ہوں بچی کی، اتنے لوگوں میں جا رہی ہے۔"

ان کے جواب پہ فضہ کا جی چاہا تھا، اپنا سر پیٹ لے۔ کچھ کہے بغیر اس نے سب سے پہلے چینے سمیت تھالی ان کے ہاتھ سے پکڑی اور کچن میں جا کر سنک میں رکھنے کے بعد ٹونٹی کھول دی تھی۔

"اس سے کچھ نہیں ہوتا تائی ماں......! محض رزق کی بے حرمتی ہے۔ آپ نظر بد سے حفاظت کے لئے آیت الکرسی پڑھ کر اس پہ پھونک ماریں، ہر قسم کی حفاظت اللہ کے ذمے......!"

فضہ نے باہر آ کے رسانیت و نرمی سے سمجھایا۔ تائی ماں کچھ خفیف سی ہو گئیں۔

"ارے بیٹا......! ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا تھا ناں......!"

"اِٹس او کے......! اب میں بھی تیار ہو لوں۔"

وہ نرمی سے کہہ کر سیڑھیوں کی سمت چلی گئی۔ تب ہی اپنے کمرے سے اشعر کھانستا ہوا باہر نکلا تھا۔

"افوہ......! کیا پھونک دیا ہے......؟"

"تمہارا دل......!"

ایمان نے روئے سخن اس کی طرف کیا، وہ کاندھے اچکانے لگا۔

"اتنا فالتو نہیں ہے میرا دل کہ یوں چولہے میں جھونک دیا جائے۔"

"اتنا خاص بھی نہیں ہے کہ سنبھال کر رکھ لیا جائے۔"

"خدا نہ کرے کہ میرے نصیب میں آپ جیسی نخریلی لڑکی ہو، جس کے پلے بندھیں گی، بیچارہ عمر بھر سر پکڑ کر روئے گا۔"

"اپنی خیر مناؤ......!"

"ہائیں......؟ کہیں آپ کے ارادے خطرناک تو نہیں......!"

وہ سہمنے کی اداکاری کرنے لگا۔

"یہ منہ اور مسور کی دال......!"

"اس کا کیا مطلب ہے......؟"

وہ معصومیت سے آنکھیں پٹپٹانے لگا۔

"شکل دیکھی ہے کبھی آئینے میں......؟"

وہ نخوت سے ناک چڑھا کر بولی تھی۔

"الحمدللہ......! ہر روز کئی بار دیکھتا ہوں، کبھی جی نہیں بھرا، مگر کبھی غرور بھی نہیں کیا۔"

"ایمی......! یہاں کی کال ہے، آ کر بات کر لو۔"

"یہ بحث ابھی طول پکڑتی، اگر جو فضہ اسے اوپر سے نہ پکار لیتی۔ وہ اسے منہ چڑھاتی اُٹھ کر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

"لٹھے دی چادر اُتے سلیٹی رنگ ماہیا
آوؤ سامنے کولوں دی رُس کے نہ لنگ ماہیا"

ڈھولک پر پڑنے والی تھاپ کے ساتھ بہت ہی بلند آواز میں سر بلایا گیا تھا۔ ایمان جو ثانیہ کو تیار کر رہی تھی، بے ساختہ مسکرا دی، اور لپ اسٹک کا ایک اور ٹچ دینے لگی۔ ثانیہ تیکھے نقوش کی سانولی مگر پُرکشش لڑکی تھی، ذرا سے سنگھار نے ہی گویا اسے ایک دم جگمگا ڈالا تھا۔

"تیری ماں نے پکائے انڈے
اساں منگے تے پے گئے ڈنڈے
لٹھے دی چادر اُتے سلیٹی رنگ ماہیا
آوؤ سامنے کولوں دی رُس کے نہ لنگ ماہیا"

اب کی مرتبہ آواز کچھ اور بھی بات دار تھی۔ اسے پہچاننے میں ایک لمحہ لگا، گویا ڈھولک کی اشعر کے ہاتھوں ہم تخلیق آ گئی تھی۔

"عاشو بھائی......! بہت شرارتی اور مخولی ہیں۔"

اس کی مسکراہٹ کو دیکھتی ثانیہ نے اپنی رائے دی۔ ایمان کی مسکان گہری ہوگئی۔ تب ہی بند دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ ایمان نے ثانیہ کا دوپٹہ اُٹھا کر سیٹ کرتے ہوئے مصروف سے انداز میں آنے والے کو اندر آنے کی اجازت دی۔

"یہ پھولوں کے گجرے امی نے بھیجے ہیں۔ امی کہہ رہی ہیں، ان میں آپ کے بھی دو گجرے ہیں۔"

حرا آپا کا چھ سالہ بیٹا پھولوں کے زیورات کا شاپنگ بیگ لئے اندر آیا تھا۔

"اوکے......! تھینکس......!"

ایمان نے شاپنگ بیگ لیتے ہوئے بچے کا گال نرمی سے چھوا۔ وہ شرما کر بھاگ گیا۔

"آپ تو پہلے ہی اتنی پیاری لگ رہی ہو باجی......! پھول پہن کر تو پری لگو گی، پری......!"

ثانیہ کی آنکھوں میں اس کے دلکشی و رعنائی سے بھرپور نازک سراپے کے لئے ستائش ہی ستائش بھری تھی۔ وہ آہستگی سے مسکرا دی۔

"تم تیار ہو، یہ زیورات گہنے وغیرہ تمہیں باہر رسم کے دوران پہنائے جائیں گے۔ آج تم اتنی کیوٹ لگ رہی ہو کہ کوئی تمہیں پہچانے گا بھی نہیں۔"

سائیڈ پر پڑا اپنا دوپٹہ اُٹھا کر شانوں پر پھیلاتے ہوئے اس نے ایک طرح سے اس کی تعریف کی تھی۔ ثانیہ کی خواہش پہ اس نے ثانیہ کو تیار کیا تھا، ورنہ اسے ان کاموں کا ہرگز شوق نہیں تھا۔

"یہ اپنے گجرے تو پہن لیں باجی......!"

ثانیہ نے شاپنگ بیگ سے مہکتے ہوئے چنبیلی اور گلاب کے تازہ گجرے نکال کر اس کی سمت بڑھائے تو وہ دروازے سے پلٹ کر گجرے لیتی ہوئی باہر چلی آئی، مگر اس طرح کہ ساتھ ساتھ کلائی پہ گجرا باندھنے کی کوشش بھی جاری تھی۔

"یہ شہری کڑی کون ہے......؟ کتنی سوہنی ہے۔"

اس نے اپنے عقب میں یہ آواز سنی تھی، مگر پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

"حرا کے چاچے کی دھی ہے جو شہر میں ہوتا ہے۔ جتنی سوہنی ہے ناں، نخرہ اس سے دس گناہ زیادہ ہے۔ کیسا کڑیل ہے ولید باؤ، سارے پنڈ کی کڑیاں جان وارتی ہیں اس پہ، دل ہی دل میں پسند کرتی ہیں اسے، مگر اس نے کسی کو کبھی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ پر اس کے آگے تو وہ ہارا ہوا لگتا ہے۔"

ایمان کے اُٹھتے قدم ٹھٹک گئے۔ اعصاب جیسے سُن ہوگئے تھے۔ وہ جو کوئی بھی تھیں، آپا کے سسرالی عزیزوں سے تعلق رکھتی تھیں یا محلے سے آئی تھیں۔ اس وقت برآمدے میں رکھی کرسیوں پر بیٹھی بڑی فراخ دلی سے اس پر تبصرے کرنے میں مصروف تھیں۔ گجرا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ خالی خالی نظروں سے اپنے قدموں کے درمیان گرے گجرے کو تکتی رہی جس کی کچھ پتیاں ٹوٹ کر آس پاس بکھر گئی تھیں۔

"ہائیں......؟ تجھے کیا الہام ہوگیا کہ ولید باؤ بھی اسے پسند کرنے لگا ہے......؟"

دوسری آواز میں محسوس کی جانے والی تلخی اور ناگواری شامل تھی۔ ایمان اپنی جگہ ساکن رہ گئی۔

''محسوس کرنے والی آنکھ چاہئے ہوتی ہے۔ کبھی شامل ہوا ہے وہ ایسی دعوتوں میں......؟ آج دیکھ کیسی سج دھج سے آیا ہوا ہے، اور یہ جدھر جاتی ہے ناں......! اس کی نگاہیں ساتھ ساتھ سفر کر رہی ہیں۔ تجھے اس لئے بتا رہی ہوں کہ اب تو عقل کو ہاتھ مار، سدھر جا، وہ تجھے ملنے والا ہرگز نہیں......!''

''خود ہی تو کہہ رہی ہے، اس لڑکی میں نخرہ ہے، وہ اسے کسی قابل نہیں سمجھتی......؟''

وہی لڑکی بے بسی سے کہہ رہی تھی۔ دوسری زہر خند سے لہجے میں ہنسی۔

''اس سے تو نے کیا سمجھا کہ وہ تجھ سے شادی کر لے گا......؟ اکڑ تو ولید باؤ میں بھی بہت ہے۔ بھلے دل میں اسے جتنا بھی پسند کرتا ہو، مگر اظہار کبھی نہیں کرے گا۔ یہ تو میں بھی جانتی ہوں۔''

''اچھا ہے......! اللہ کرے ایسا ہی ہو۔''

پہلی والی نے رقت آمیز انداز میں آواز بلند کہا۔

''نی چپ کر لے......! وہ دیکھ رک گئی ہے، وہ، کہیں ہماری باتیں سن لی ہوں......؟ اڑیئے......! میں نے سنا ہے، بڑی اتھری ہے۔ باؤ ولید سے بھی کئی بار پنگا لے چکی ہے۔ کسی سے نہیں ڈرتی۔ میں تو چلی، اگر کچھ کہے تو، تو ہی نپٹنا۔''

ایمان نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ قدموں کی دور ہوتی آہٹ سنی اور جھک کر گجرا اٹھا لیا۔

رسم کے لئے انتظام کھلے آنگن میں ٹینٹ لگا کر کیا گیا تھا۔ وہیں دریاں بچھا کر کرسیاں بھی رکھی گئی تھیں اور اسٹیج بھی وہیں بنایا گیا تھا۔ اس وقت سب خواتین وہیں موجود تھیں۔ برآمدے میں ایک آدھ بچے کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ بے لاگ تبصرے میں مشغول تھیں۔ وہ الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ پلٹ کر دیکھے بنا پنڈال کی سمت چل دی تھی، جہاں سے اشعر کی آواز ابھی بھی آ رہی تھی۔

''تیری ماں نے پکائی کھیر وے
اساں کھٹی تے پے گئی پیڑ وے
تیرے دی چادر اُتے سلیٹی رنگ ماہیا
آ دو سامنے کولوں دی رس کے لنگ ماہیا''

ٹینٹ کے داخلی دروازے کے عین درمیان دو سو پاور کا بڑا بلب روشن تھا جس کے گرد چکراتے پروانے ہر آنے جانے والے پہ جل جل کر گرتے۔ وہ اپنے بڑے سے دوپٹے کو سنبھالتی کسی گوشے میں اپنے بیٹھنے کی جگہ تلاشنے لگی۔ اشعر کے اس اشارے کو اس نے سرے سے اگنور کر دیا تھا جو اسے دیکھتے ہی اپنے پاس بلانے کو اس نے کیا تھا۔

''بلے بلے بھئی ٹور پنجابن دی
جوتی کھل دی مروڑا نیوں جھل دی
ٹور پنجابن دی، او بلے بلے''

اشعر نے اسے دیکھ کر شرارت بھرے انداز میں نئی تان اڑائی تھی۔ فضہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ ایمان پنڈال کی سائیڈ پہ آخر میں ایک خالی کرسی نظر آ گئی۔ وہ جا کر اس پر بیٹھ گئی۔ ان لڑکیوں کی آواز کی بازگشت جیسے اس کے تعاقب میں چپکتی ہوئی ساتھ آئی تھی۔

''اور یہ جدھر جاتی ہے ناں......! اس کی نگاہیں ساتھ ساتھ سفر کرتی ہیں۔''

اس نے ہونٹ بھینچ لئے۔ پتا نہیں کس حد تک صداقت تھی ان باتوں میں......؟ مگر ولید حسن کی ذرا سی لغزش نے اس کی ذات کو ضرور افسانہ بنا ڈالا تھا۔ معاً کسی خیال کے تحت اس نے پورے پنڈال میں اسے کھوجا۔ وہ اسے آپا اور ان کی ساس کے ساتھ کھڑا باتیں کرتا نظر آ گیا۔

بلیک کرتا شلوار، سلیقے سے بنے بال، ست رنگا چمکدار پٹکا جسے وہ ٹائی کے انداز میں گلے میں لٹکائے ہوئے اپنی بے پناہ وجاہت کے ساتھ گویا پورے ماحول پہ چھا رہا تھا۔ ذرا سا غور کرنے پر اس پہ یہ انکشاف بھی ہوا تھا کہ وہاں ہر عمر کی لڑکیوں کی توجہ کا مرکز وہی تھا۔ جبکہ اس کی توجہ کا مرکز صرف وہی۔ اس کی بھٹکی نگاہیں بار بار اس کے سراپے کا احاطہ کر رہی تھیں۔ ایمان کے اندر جیسے کوئی برق اترنے لگی۔ ہونٹ بھینچے وہ شعلہ بار نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

''بلے بلے بھئی او تیرا کی لگ دا
بڑا ہس دی ایں نین ملا کے
او تیرا کی لگ دا، او بلے بلے''

اشعر جو اس کی تاک جھانک میں مصروف تھا، اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھے بغیر گلا پھاڑ کر چنگھاڑتے ہوئے اس پہ بہت کچھ جتانے لگا۔ بظاہر وہ گانا گا رہا تھا، ایمان کی پیشانی تپ اٹھی۔ ضبط کی انتہا بھی ہو گئی تو یوں ہی دانتوں پر دانت جمائے، مٹھیاں بھینچے بنک کر ماما کے پاس آ گئی جو تائی ماں اور حرا آپا کی ساس کے ساتھ بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں۔

''ماما......! مجھے گھر جانا ہے، ابھی اور اسی وقت......!''

اس کے بنک کر کہنے پہ ماما کے ساتھ تائی ماں نے بھی چونک کر اسے دیکھا اور اس کا لال بھبھوکا چہرہ دیکھ کر گھبرا گئیں۔

''کیا ہوا پتر......؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں میری دھی کی......؟''

''جی نہیں......''

اس نے روکھے پن سے بے رخی سے جواب دیا، پھر ماما کا کاندھا ہلا کر بولی تھی۔

''میں کیا کہہ رہی ہوں ماما......؟''

''چلتے ہیں بیٹا......! ابھی تو رسم بھی نہیں ہوئی۔''

ان کا لہجہ بظاہر نرم مگر انداز میں ناگواری تھی۔ انہیں ایمان کی یہ خود سری اب کھلنے لگی تھی۔

''مجھے کچھ نہیں پتا......! میں رسم تک ویٹ نہیں کر سکتی۔ آپ کسی سے کہیں، مجھے چھوڑ کر آئے، کل میرا ٹیسٹ بھی ہے۔''

اب کے اس کے انداز کی بدتمیزی اور تلخی تائی ماں نے بھی محسوس کی تھی جبھی بات سنبھالنے کو بولی

تھیں۔

"ہاں ہاں پتر......! مجھے پتا ہے۔ میں بھیجتی ہوں تجھے گھر۔ بہن......! بچی کے امتحان ہو رہے ہیں، بہت لائق ہے۔ آنے کو مان ہی نہیں رہی تھی، میں ہی زبردستی لائی تھی۔ چل آ پتر......! میں عاقب سے کہتی ہوں، تجھے گھر چھوڑ آئے گا۔"

تائی ماں نے اُٹھتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں سمدھن کو بھی مطمئن کیا جو مطمئن ہوئیں یا نہیں، البتہ سر ضرور اثبات میں ہلا دیا۔

"ولید......! عاقب کدھر ہے......؟"

تائی ماں نے اسی سمت آتے ولید کو پکار کر پوچھا تھا۔

"وہ تو مٹھائی کی ٹوکری بنوانے گئے ہیں شہر، بھائی صاحب کے ساتھ......! کیا بات ہے......؟ اگر کوئی کام ہے تو مجھے بتا دیں......؟"

وہ ایمان کے سرد تاثرات سے سجے چہرے پہ ایک گہری نگاہ ڈال کر بولا تھا۔

"بچی کو گھر بھجوانا تھا، چلو......! تم ہی چھوڑ آؤ......!"

تائی ماں کے انداز میں وہی سادگی تھی جو ان کی شخصیت کا ایک اہم حصہ تھی۔

"پہلے جانے والوں سے تو پوچھ لیں اماں......! انہیں میرے ساتھ جانے پر اعتراض تو نہیں ہے......؟"

وہ کسی قدر طنز سے کہہ کر ایمان کے چہرے پہ بکھری تلخی و درشتی کو دیکھنے لگا۔ ایمان کی دھڑکنیں چھٹنے لگیں۔

"اگر آپ کو اعتراض ہے تو رہنے دیں۔"

ایمان کو عجیب سی توہین کا احساس ہوا تھا، جبھی پھنکار کر بولی تھی۔

"آیئے......!"

وہ اپنے تاثرات چھپاتا آگے بڑھ گیا۔ ایمان نے عجیب سی کیفیت میں اس کی تقلید میں قدموں کو موڑا تھا۔ ابھی وہ دونوں آگے پیچھے دروازے تک ہی پہنچے تھے کہ فضہ اور اشعر انہیں پکارتے ہوئے تقریباً دوڑتے ہوئے ان کے پیچھے آ گئے۔

"ہائیں ہائیں......! یہ آپ آدھی رات کو ایک نوجوان، خوب صورت، حسین لڑکی کو اپنے ساتھ کہاں لے جا رہے ہیں......؟"

اشعر نے قریب آتے ہی پھولے سانسوں سمیت کہا، فضہ کی ہنسی نکل گئی۔

"لڑکی اپنی مرضی سے جا رہی ہے۔ پوچھ لو......!"

فضہ کی آنکھیں جانے کس احساس کے تحت چمک اٹھی تھیں، جبکہ یہ لفظی چھیڑ چھاڑ ایمان کے اندر کڑواہٹ بھر گئی تھی۔

"وات نان سنس......!"

اس کا چہرہ آن کی آن میں جل اُٹھا، آنکھوں سے جیسے چنگاریاں نکلنے لگیں۔

"اماں نے کہا ہے، انہیں گھر پہنچا دوں۔"

ولید نے فضہ کی معنی خیز نگاہوں کے جواب میں سنجیدگی و متانت سمیت وضاحت پیش کی۔

"جایئے جایئے......! اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔"

اشعر خواہ مخواہ ہنسا۔ ولید کاندھے اُچکا کر آگے بڑھ گیا۔

"ہاہ......! کاش یہ محترم اور محترمہ زندگی کے سفر کے بھی ساتھی بن جائیں۔"

اشعر نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی۔ فضہ نے صدقِ دل سے آمین کہا تھا۔

"میرے پاس بائیک ہے، گاڑی عاقب لے گیا ہے۔"

اس کے ہمراہ چلتا ہوا وہ جیسے خیال آنے پہ ڈیوڑھی میں رُک کر بولا اور اس کے قیامت خیز ہوشربا حسن سے نگاہ چرائی۔

"تو پھر......؟"

وہ ازحد بے زاری سے گویا ہوئی۔

"میں نے اس لئے بتایا ہے کہ آپ کو اعتراض نہ ہو۔"

وہ جواباً نخوت سے بولا۔ یہ لڑکی مسلسل اسے ڈی گریڈ کر رہی تھی۔

"اعتراض تو مجھے آپ کے ساتھ آنے پر بھی تھا۔ مگر حالات ہمیں مجبور ہی نہیں، بے بس بھی کر دیتے ہیں۔"

وہ دروازے سے نکل کر اس کے پیچھے آتے ہوئے گویا صاف صاف اس پر جتا کر بولی تھی۔ ولید کے چہرے پر ایک دم آگ سی دہک اٹھی۔ گلی میں چارپائیاں بچھا کر مہمان وہیں براجمان تھے اور کل کے لئے تیار ہونے والے کھانے کے انتظامات دیکھ رہے تھے۔ دیگیں وغیرہ بھی وہیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ دانستہ خاموش رہا، بائیک کے نزدیک آ کر ملگجے اندھیرے میں اس کے سراپے پر نگاہیں جما کر بولا تھا۔

"مگر میں حالات کے آگے مجبور اور بے بس ہونا پسند نہیں کرتا۔"

ایمان کے چہرے پر زہرخند پھیل گیا۔

"میں جانتی ہوں۔"

بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے ولید کو جھٹکا لگا تھا۔ ایمان کے لہجے میں، انداز میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ وہ ٹھٹک گیا تھا۔

"کچھ نہیں جانتی ہیں آپ......!"

وہ اسے بھرپور انداز میں جھٹلانے کو ٹھوس آواز میں بولا تو ایمان تلخی سے ہنس پڑی۔

"غلط خیال ہے آپ کا......! آپ کی بہت ساری کمزوریاں جانتی ہوں میں۔ میری خاموشی کو میری غفلت مت سمجھئے گا۔ یقیناً آپ کو اپنے بارے میں انکشاف میرے منہ سے سننا اچھا نہیں لگے گا۔"

وہ ذرا سا اُچکی اور بائیک پر سوار ہو گئی۔ مگر اس طرح کہ اس سے واضح فاصلہ رکھ کر ولید اس سکتے سے

نکلا تو کھولتے ہوئے دماغ کے ساتھ بائیک اسٹارٹ کی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن وہ اپنے کمرے سے دانستہ نہیں نکلی۔ سب لوگ چلے گئے، تب اس نے اُٹھ کر کتابیں کھول لی تھیں۔ مگر ذہن اُلجھ رہا تھا۔ ایک لفظ بھی جب پلے نہیں پڑا تو اس نے چائے بنانے کا ارادہ کیا اور نیچے چلی آئی۔ دوا اپنے کمرے میں تھے۔ یقیناً تاؤ جی بھی انہی کے پاس تھے۔ وہ سیڑھیاں اتر کر سیدھی کچن کی سمت آگئی تھی مگر پہلے ہی مرحلے پر ٹھٹک گئی۔ وہ اپنے دھیان میں مگن چائے بنا رہا تھا۔

''یہ کیوں نہیں گیا......؟ اور وہاں لوگ میرے ساتھ ساتھ اس کی بھی عدم موجودگی سے کیسے کیسے افسانے گھڑیں گے......؟''

اس سوچ نے اس کا دماغ کیسے دھوئیں سے بھر دیا۔

''خیریت......؟ مجھے کیوں گھور گھور کر دیکھ رہی ہیں......؟''

وہ آہٹ پر پلٹا تھا، مگر اس کی گھورتی نظروں کو محسوس کر کے کسی قدر ترش انداز میں گویا ہوا۔

''تم کیوں نہیں گئے ہو شادی پر......؟''

وہ جیسے تیوریاں چڑھا کر بولی۔ انداز صاف لڑائی والا تھا۔

''میری مرضی......!''

وہ بے نیازی سے کہہ کر اُبلتی ہوئی چائے چھان کر مگ میں ڈالنے لگا۔

''بہت گھٹیا ہو تم......! اس وجہ سے نہیں گئے ہو ناں کہ میں نہیں گئی......؟''

وہ بھڑک کر کہتی باقاعدہ لڑائی کا آغاز کر چکی تھی۔ ولید کو شاید اس سے کسی بھی صورت اس بات کی توقع نہیں تھی، جبھی چند ثانیوں کو گنگ رہ گیا تھا۔ مگر جب سنبھلا تو ناگواری اور برہمی کا احساس اسے آپے سے باہر کرنے لگا۔

''دماغ ٹھیک ہے آپ کا......؟ میں آپ کو اتنی اہمیت دوں گا، یہ خوش فہمی کس نے ڈالی آپ کے دل میں......؟ محترمہ......! ابھی میرا دماغ خراب نہیں ہوا ہے کہ میں آپ جیسی ہٹ دھرم، احمق اور سرکش لڑکی کی خاطر اس قسم کی فضول حرکتیں کرتا پھروں......؟ اور ہاں......! آئندہ بہت سوچ سمجھ کر بات کیجئے گا مجھ سے، ورنہ اس کی ضرورت نہیں ہے، سمجھیں......؟''

تمام نرم گداز جذبوں پر اَنا کا نقاب چڑھا کر وہ پھنکار پھنکار کر اتنی تلخی سے بولا تھا کہ ایمان تو صحیح معنوں میں گڑبڑا کر رہ گئی۔ ساری اکڑ، ساری نخوت جیسے اس کے اشتعال کے سامنے بھاپ بن کر اُڑ گئی تھی۔ اس کا صحیح معنوں میں وہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو۔

ولید کے ماتھے کی تیوریوں اور آنکھوں کی ناگواریت نے ایسی سبکی اور خفت سے دوچار کیا تھا کہ مارے انسلٹ کے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اگر ایسا نہیں تھا تو پھر میری تصویریں آپ کی ڈائری میں کیا کر رہی تھیں......؟ اور حرا آپا کے گھر ...لوگ آپ کے حوالے سے باتیں بتا رہے تھے، وہ کیا تھا......؟''

اسے اپنی بکھرتی اَنا کو بھی تو بچانا تھا کچھ کہہ کر۔ ولید نے اس کی خجالت اور شرمندگی کو محسوس کیا اور گہرا سانس بھر کے خود کو کمپوز کیا تھا۔

''تصویروں کے حوالے سے میں نے جب ہی آپ کو وضاحت دے دی تھی، جس پر یقین کرنا یا نہ کرنا آپ کی سوچ ہے۔ جہاں تک آپا کے مہمانوں کی باتوں کا تذکرہ ہے، تو ایسی باتوں پر عقل مند کان نہیں دھرا کرتے۔''

وہ کچھ توقف سے بولا تو لہجے کی تیزی اور بے رخی میں قدرے کمی تھی۔ ایمان نے ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھا۔

سچ کہا تھا اس انجان لڑکی نے، وہ ہرگز بھی اپنی کمزوری اسے دینے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے اپنے اندر عجیب سی جھنجھلاہٹ محسوس کی تو خاموشی سے پلٹ گئی۔

''بات سنیں......! یہ چائے لے لیں......! مجھے پتا ہے کہ آپ کو چائے کی طلب تھی۔''

وہ بھاپ اُڑاتا مگ اس کی جانب بڑھائے کھڑا تھا۔ انداز اتنا نارمل تھا گویا ابھی ان کے بیچ کوئی تلخی ہوئی ہو۔

''زیادہ بن گئی تھی ناں......!''

وہ اس کی ہچکچاہٹ کو گریز سمجھتے ہوئے بولا اور ایمان کے اندر تنفر بھر گیا۔

''سوری......! میں ایسی باقیات کی عادی نہیں ہوں۔''

پھنکار کر کہتی وہ ایک جھٹکے سے کچن سے نکل گئی۔ ولید گہرا سانس بھرتا اضمحلال زدہ انداز میں وہیں کرسی پہ بیٹھ گیا۔ اَنا کو بچاتے بچاتے اس نے ایک بار پھر دل کا خون کر ڈالا تھا۔ اب کتنی دیر نڈھال رہنا تھا، کون جانتا تھا......؟

☆☆☆

''چاند تاروں سی حسین ذات میرے نام کرو
اپنی زُلفوں کی سیاہ رات میرے نام کرو
اپنی آنکھوں میں مچلتے ہوئے دریا سارے
اپنی آنکھوں کی یہ برسات میرے نام کرو''

وہ اپنے کمرے میں بستر پہ اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ ٹیپ ریکارڈر پہ گیت چل رہا تھا، مگر اس کی ساری توجہ اپنی ڈائری میں رقم نظم پہ تھی۔ ایک عجیب سی یاسیت اس کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔

تاؤ جی نے اس بار چاچو سے بات کی تھی اور انہوں نے فضہ کی رضامندی سے عاقب اور فضہ کی باقاعدہ منگنی کا اعلان کر دیا تھا۔ گھر کی فضاء میں ایک خوشگوار ہلچل اور جوش پایا جاتا تھا۔ مگر ولید کے اندر اضطراب در آیا تھا۔ فضہ نے ایک بار پھر اسے اُکسایا تھا۔

''آپ کے اندر کوئی کمی نہیں ہے ولی بھائی......! کہ وہ انکار کرے۔ ایک بار بات تو کر کے دیکھیں

اس سے۔"

اور وہ اسے بتا نہیں سکا تھا کہ یہ معاملہ کسی کی بیشی کا نہیں، انا کو توڑنے کا تھا۔ وہ جھکنے پہ آمادہ نہیں تھا کہ اسے اپنے جذبوں کی توہین گوارہ نہیں تھی۔ ایمان جیسی سر پھری لڑکی سے کچھ بعید نہیں تھا۔ پھر جبکہ وہ اپنی انا کی تسکین کی خاطر بار بار تردید بھی کر چکا تھا۔

"تتلیاں پھول محبت کے گلابی لمحے
اپنی یادوں کی بارات میرے نام کرو
اپنے جیون کے سبھی درد مجھے دے دو تم
اپنے جذبات کی ہر بات میرے نام کرو"

اس نے ایک طویل سانس کھینچا اور اُٹھ کر دروازہ کھولنے سے قبل ٹیپ آف کر دیا۔

"کہاں گم ہیں......؟ ابا بلا رہے ہیں آپ کو......!"

دروازے پہ اشعر تھا، اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر بولا۔

"تم چلو......! میں آتا ہوں۔"

وہ پلٹ کر پیروں میں سلیپر پہننے لگا۔

"بندے کو اتنا بھی اَنا کا ضدی نہیں ہونا چاہئے کہ زندگی کی خوشیوں کو ہی خود پہ حرام کر لے۔"

اشعر کو اس کی آنکھوں کی سرخیوں نے اذیت دی تھی، جبھی کلس کر بولا۔ ولید نے اسے آنچ دیتی نظروں سے دیکھا اور سائیڈ سے ہو کر ابا کے کمرے کی سمت آ گیا۔

"آپ نے بلایا بابا......؟"

دستک دے کر اس نے اندر قدم رکھا تو انہیں ددا کے ساتھ کسی بحث میں مصروف پایا تھا۔

"ہاں......! آؤ بیٹھو ادھر، آ گیا ہے، خود بات کر لیں اب۔"

انہوں نے پہلے اسے، پھر ددا کو مخاطب کیا تھا۔ انداز کی ناراضگی چھلکی پڑ رہی تھی۔ ولید نے خفا نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ کیا، گھر کے سبھی افراد اس سے روٹھے بیٹھے تھے۔

"کیا کہہ رہا ہے باپ تیرا......؟ تو نے منع کیا ہے کہ تمہارے حوالے سے ارتضیٰ سے کوئی بات نہ کرے......؟"

"یہ کوئی نئی بات تھوڑی ہے ابا جی......! یہ ہمیشہ سے خود مختار رہا ہے۔ زیادہ پڑھ لکھ گیا ہے ناں اس لئے اب ہم جیسوں کی عقل اور فیصلوں پر اعتبار نہیں ہے اسے۔"

انہوں نے کسی قدر کلس کر باپ کو جواب دیا، مگر اس طرح کہ اسے ہی سنایا تھا۔ ولید نے بے بسی نظروں سے باری باری دونوں کو دیکھا تھا۔

"بابا......! پلیز، آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔"

"تاں تو پھر یہ بات نہیں ہے کیا......؟ کیوں تجھے لگتا ہے کہ تیرا چاچو تجھے ہی رشتہ سے منع کرے گا......؟ ارے......! اسے دونوں بیٹیاں برابر کی عزیز ہیں۔ اگر وہ بڑی بیٹی کا رشتہ بنس کر دے سکتا ہے تو

"میں نے یہ بھی نہیں کہا کہ چاچو منع کریں گے بابا......! دونوں لڑکیوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ نفنہ یہاں آئی ہے تو رچ بس گئی ہے۔ اس گھر کو اپنا گھر سمجھ لیا ہے اس نے، جبکہ وہ......"

وہ کچھ دیر کے لئے رُکا، پھر دوبارہ گویا ہوا۔

"آپ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ وہ انکار کر کے میری توہین کر دے......؟"

وہ خفیف سی جھنجلاہٹ سمیت کہہ کر انہیں تکنے لگا تو تاؤ جی کو کچھ اور بھی تپ چڑھ گئی تھی۔

"ہاں......! اسے تو الہام ہوا ہے ناں کہ بچی نے انکار کر دینا ہے......؟ تمہاری طرح ہی ہر کوئی تھوڑا ہوتا ہے......؟ اکڑو اور بے لحاظ......؟"

تاؤ جی نے اسے بے نقط سنائی تھیں۔ وہ سر جھکائے ان کی گرمی سہتا رہا۔

"آپ پتھر سے سر پھوڑ رہے ہیں ابا جی......! چھوڑیں اسے جانے دیں۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا......؟ میں اپنے سے چھوٹے بھائی کے سامنے شرمندہ ہی ہو جاؤں گا ناں......؟ کہ اگر بچپن میں دونوں بیٹیوں کی بات کی تھی تو اب ایک کو کیوں چھوڑ دیا......؟ مجھے تو لگتا ہے، اپنے کالج یونیورسٹی میں ہی کسی لڑکی سے چکر چلا کے بیٹھا ہوا ہے۔"

تاؤ جی کا پارہ اس کی خاموشی کو دیکھ کر ایک دم چڑھ گیا۔ اس کی یہ چپ انہیں سراسر اس کی ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی محسوس ہوئی تھی۔ وہ بے ساختہ بوکھلا کر رہ گیا۔

"حد کرتے ہیں بابا......! آپ بھی۔ ایسا سمجھ رہے ہیں مجھے......؟"

وہ شپٹا کر وضاحتیں دینے لگا، مگر انہوں نے سنا کہاں تھا......؟

"میں تجھے اس سے بھی کچھ زیادہ ہی سمجھ رہا ہوں۔ آئندہ مجھ سے بات بھی مت کرنا۔ یہی دن دیکھنے کے لئے میں نے خود مشقتیں سہہ سہہ کر تمہیں منزل پہ پہنچایا تھا......؟ ایسا ہی ہوتا ہے پتر......! تو کچھ دُنیا سے نیا اور وکھرا تھوڑا ہی کر رہا ہے......؟"

وہ اس پر اپنی کوئی تپش نہ جلتی دیکھ کر جذباتی بلیک میلنگ پر اُتر آئے۔ ولید تو چکرا کر رہ گیا تھا اور فوراً ہتھیار ڈال دیئے۔

"معاف کر دیں مجھے......! غلطی پہ تھا میں جو آپ کے سامنے اپنے نظریات رکھنے کی غلطی کی۔ ٹھیک ہے......! آپ کو جو کچھ کرنا ہے کریں، منگنی بھی نہ کریں، سیدھا نکاح کر دیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اب خوش......؟"

جھنجلاہٹ، خفگی، بے بسی، کیا کچھ نہ تھا اس کے لہجے میں......؟ تاؤ جی نے قہر بار نظروں سے اپنے لائق فائق سپوت کو دیکھا جس پر آج سے قبل وہ بہت فخر کرتے رہے تھے۔

"ہماری لڑکی اتنی گری پڑی نہیں ہے کہ زبردستی تمہارے پلے باندھ دیں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے یہ احسان کرنے کی۔"

تاؤ جی کو تو اس کی بات پہ گویا پتنگے لگ گئے تھے۔ ولید کا جی چاہا، اپنا سر پھوڑ لے۔ وہ سخت عاجز ہوا

تھا۔

''اب اور کیا کروں...... ؟ کسی طرح خوش بھی ہوں گے آپ......؟''

''تو اُٹھ اور جا یہاں سے، ہمیں تم سے کوئی خواہش نہیں ہے۔''

تاؤ جی نے بے رُخی و بے اعتنائی کی حد کر دی تو اسے بھی تاؤ آ گیا تھا۔ اپنے پیچھے زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کرتا وہ پیر پٹختا باہر چلا گیا۔ تاؤ جی نے ہونٹ بھینچ کر ددا کی سمت دیکھا۔

''دیکھا آپ نے اس کا طنطنہ......؟''

انہوں نے گویا باپ سے شکایت کی۔ وہ آہستگی سے مسکرا دیئے۔

''آپ ہنس رہے ہیں......؟''

تاؤ جی کو گویا شاک لگا۔ پھر کسی قدر شکایتی نظروں سے انہیں دیکھ کر بولے تھے۔

''آپ کی شہہ پہ ہی وہ اتنا بگڑا ہے۔''

''وہ بگڑا ہوا نہیں ہے۔ تم سے زیادہ سمجھدار ہے۔ جس بات کو تم اپنی کم فہمی میں نہیں سمجھ سکے وہ اسی سے خائف ہے۔''

''اس بات میں بھلا کیا مصلحت ہے......؟''

تاؤ جی بھڑک اُٹھے۔

''وہ خود ایمان کو بہت پسند کرتا ہے، مگر......''

دادا نے ساری بات مختصراً بتا دی، جسے سن کر تاؤ جی نے طویل سانس بھرا تھا، پھر سنجیدگی سے بولے۔

''جانتا ہوں، باپ ہوں اس کا، جب ہی تو چاہتا ہوں، اسے اس کے من کی مراد مل جائے۔ آپ کو پتہ ہے ناں، میں نے بچوں کو اس لئے پڑھایا لکھایا تھا کہ یہ میرے بھائی کی بچیوں کے مقابل کھڑے ہوں تو ان کے کسی انداز میں کمتری نہ ہو۔ میں اپنی بات بھی نبھانا چاہتا تھا کہ ارتضٰی کی شادی کے بعد وہ ایک طرح سے ہم سے چھوٹ گیا تھا۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی حل نہیں تھا، اسے پھر سے خود سے موڑنے کا۔ خدا کا شکر ہے کہ آج اس نے مجھے سرخرو کیا ہے۔ مگر اب یہ آپ کا لاڈلہ......''

''اس نے تمہیں منع نہیں کیا ہے مصطفیٰ......! تم اس کی نوکری لگنے تک انتظار کر سکتے ہو۔ ویسے بھی ایمان کی عمر ہی ابھی کیا ہے......؟ فضہ سے چار سال چھوٹی ہے وہ۔''

ددا نے رسانیت و نرمی سے کہا تو تاؤ جی خاموش ہو گئے تھے۔ ان کے انداز سے لگتا تھا انہیں باپ کی بات سمجھ آ گئی ہے۔

☆☆☆

''مسکراہٹ کا ہر اک راز ملاقات سے تھا
میری آنکھوں میں چھپا غم بھی تیری ذات سے تھا
تو نے جانا ہی نہیں اس دل کی تمنا کیا ہے
کچھ تعلق تیرا مجھ سے، میرے جذبات سے تھا''

وہ اپنے دھیان میں کمرے سے نکل کر آئی تھی۔ دیوار کے ساتھ بچھی چارپائی پہ کتابیں پڑی تھیں۔ یقیناً اشعر یہاں بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ وہ آگے بڑھ آئی۔ شاعری کی کھلی کتاب کے صفحے ہوا سے پھڑپھڑا رہے تھے۔ اس نے یوں ہی ہاتھ بڑھا کر کتاب اُٹھائی تو جہاں سے کھلی تھی، وہاں نہ صرف صفحہ فولڈ کیا گیا تھا، بلکہ ریڈ مارکر سے پوری غزل کو انڈر لائن کیا گیا تھا۔ لمحہ بھر کو نظریں ساکن ہو گئیں۔ وہ پھر سے دوبارہ پڑھنے لگی۔

''یاد کر تو، تیری ہر بات کو مانا میں نے
خواہشِ دل کا تعلق بھی عنایات سے تھا
صبح کی تازہ ہوا میں بھی زہر شامل تھا
شب کے اس ظلم کا انداز تیری ذات سے تھا
دل جو ٹوٹا تو بدن بھی ہوا ریزہ ریزہ
سلسلہ جسم کا دل کا میرے جذبات سے تھا
بھولنے والے تیری یاد کے لمحوں کی قسم
کس قدر حسن تیری یاد کے لمحات سے تھا
کوئی بھی آس نہیں زیست بھی ہے بے معنی
میری سانسوں کا میرے حالات سے تھا
بات کرتا ہوں تو وہ سامنے آ جاتا ہے
اس طرح ربط میرا اس کے خیالات سے تھا''

اس کا دل جانے کیوں گداز سا ہونے لگا......؟ کتاب بند کی اور ٹھوڑی کے نیچے ٹکا کر وہ کچھ سوچنے لگی تھی، جب اشعر کی شوخی سے بھرپور کھنکار پر بدمزہ ہو کر پلٹی۔

''مجھے پتا تھا یہ شغل و شیطے نکموں والا صرف تم ہی سے منسوب ہو سکتا ہے۔''

اشعر زور سے ہنس پڑا۔ پھر سر کو نفی میں جنبش دیتا ہوا بولا تھا۔

''ناں جی......! اللہ نے ہمیں تو بچا کے رکھا ہوا ہے اس فضولیات سے۔ یہ تو ایک لیچڑ قسم کا دوست پیچھے پڑا ہوا ہے کہ کچھ اچھی شاعری سینڈ کروں، تب ولی بھائی کی کتاب چرا کر لایا تھا نقل کرنے کے لئے۔ لائیے! واپس رکھ آؤں۔''

اس نے کتاب لینے کو ہاتھ بڑھایا۔

''تمہارے ولی بھائی عجیب سے نہیں ہیں......؟ انہیں دیکھ کر ایسا نہیں لگتا جیسے کسی سے عشق وشق فرماتے ہوں......؟''

اس نے بظاہر سرسری انداز میں کھوج لگانے کی کوشش کی کہ وہ تو اتنا چکنا گھڑا تھا، کبھی چھوٹ کر نہ دیتا۔

''ہاں جی......! آپ کا اندازہ درست ہے۔ بے چارے مریضِ محبت ہیں۔''

اشعر کی بات پر وہ ایک دم اندر سے کمل اُٹھی، مگر بظاہر سنجیدگی سے بولی تھی۔

"ہوں.....! کون ہے وہ لڑکی.....؟"

"انہیں ہی پتا ہوگا۔"

اب کی بار اشعر نے صاف کنی کترائی تھی۔

"بتا دو مجھے بھی، میں کون سا انہیں جا کر بتانے والی ہوں.....؟"

اس نے بے نیازی سے کہا تھا، مگر اندر تجسس نے اودھم مچا رکھا تھا۔

"ایک بار پتا چل جائے، ثبوت ہاتھ لگ جائے، پھر میں کیسی درگت بناتی ہوں ولید حسن.....! تمہاری، دیکھنا تم.....!"

"مجھے واقعی نہیں پتا ہے، زرست می.....!"

اشعر نرمی سے کہہ کر کتاب لئے سیڑھیاں اتر گیا۔ وہ جلبلا کر رہ گئی۔ اسے پورا یقین تھا، جب تاؤ جی، فضہ کی پاپا سے بات کریں گے، لازماً برسوں قبل طے کئے اس کے رشتے کی بات بھی چلے گی اور تب اسے ولید سے حساب چکتا کرنے کا موقع میسر آ جائے گا۔ مگر وہ منتظر ہی رہی تھی اور ایسا کوئی تذکرہ نہیں ہوا تھا۔ ایک محرومی کے ساتھ ساتھ ایک بے مائیگی اور انسلٹ کا بھی احساس تھا جو اسے دھیمی دھیمی آگ میں جلا رہا تھا۔

بھلے اسے ولید کی ذات میں دلچسپی نہیں تھی، مگر یہ احساس تو تھا ناں کہ وہ اس کے نام سے منسوب ہے۔ مگر اب یہ خاموشی اسے بے چینی کے گرداب میں اُلجھا رہی تھی۔ ہر وہ یقین جو اسے یہ احساس بخشتا رہا تھا کہ وہ اس کی ذات میں اِنوالو ہے، ہاتھ چھڑاتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی جگہ اس خدشے نے دل میں جگہ بنانا شروع کر دی تھی کہ کہیں ولید کسی اور میں انٹرسٹڈ تو نہیں ہے.....؟ وہ چاہتی تو کسی سے بھی اس بات کی تصدیق کرا سکتی تھی۔ فضہ سے، ماما سے، بابا سے۔ مگر اس کی بلند و بالا سی انا کو ہرگز بھی یہ گوارہ نہیں تھا۔

نیچے گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر وہ اپنے خیالات سے چونک اُٹھی۔ یقیناً عاقب حسن تھا۔ اس کے ذہن میں ایک خیال نے سرعت سے جگہ بنائی تو تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نیچے آ گئی۔

"عاقب بھائی.....!"

اس نے آخری سیڑھی پہ رُک کر اپنے کمرے کی سمت جاتے عاقب حسن کو بے اختیار پکارا تھا۔

"جی جناب..... احکم.....!"

عاقب پلٹا اور مشفق قسم کی نظروں سے اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"مجھے گاڑی کی چابی چاہئے.....!"

"کہیں جانا ہے کیا.....؟"

عاقب ایک پل کو چونکا۔ اس نے محض گردن کو اثبات میں جنبش دی۔

"آؤ.....! میں چلتا ہوں تمہارے ساتھ.....!"

عاقب اُلٹے قدموں مُڑ کر اس کے نزدیک آ گیا۔ اس نے ایک بار پھر سر کو نفی میں ہلایا۔ انداز میں مخصوص ہٹ دھرمی اور ضد کا عنصر تھا۔

"مجھے اکیلے ہی جانا ہے۔ ویسے مجھے گاڑی ڈرائیو کرنا آتی ہے۔ ڈونٹ وری.....!"

انداز ایسا تھا، گویا جتا رہی ہو۔

"آپ کی گاڑی کو نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔"

عاقب نے کچھ کہے بغیر کوٹ کی جیب سے چابی نکال کر اس کی سمت بڑھا دی۔

"تھینکس.....!"

اس نے چابی اُچکی اور ان کی نگاہوں کی تشویش کو نظر انداز کئے آگے بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

"خیمے سے دور شام ڈھلے اجنبی جگہ
نکلی ہوں کسی کی کھوج میں بے وقت سر کھلے
وہ مجھ سے دور خوش ہے، خفا ہے، اُداس ہے
کس حال میں ہے کچھ تو میرا نامہ بر کھلے
ہر رنگ میں وہ شخص نظر کو بھلا لگے
حد یہ کہ روٹھ جانا بھی اس شوخ پہ کھلے"

بے چینی، وحشت، اضطراب، بے کلی، کتنے ہی احساسات تھے اس کے ہمراہ، جن سے چھٹکارے کی خاطر ہی وہ یوں گاڑی لے کر نکلی تھی، کسی بھی سمت کا تعین کئے۔ بغیر یہ احساس ہی رگ جان میں خنجر اتار رہا تھا کہ وہ بے حس، مغرور اور گھمنڈی شخص جانے کب، کیسے اس پہ حاوی ہو گیا تھا.....؟ وہ اس کے لئے ناس ہے، یہ احساس ایمان کو روہانسا کر رہا تھا۔ وہ تو ہمیشہ اسے نیچا دکھانے، اسے زچ کرنے، شکست سے دوچار کرنے کی خواہش میں وہ خود شکست سے دوچار ہو گئی تھی، خود اس کی اسیر ہو گئی تھی، اور خود کو برتر رکھنے والوں کو اپنی ہار یوں ہی رلایا کرتی ہے۔ اتنی ہی اذیت عطا کرتی ہے جتنی اذیت کا وہ شکار ہوئی تھی۔

اس کی جیکٹ میں پڑا اس کا سیل فون بار بار وائبریٹ کر رہا تھا، مگر وہ اگنور کئے رہی۔ وہ جو خود سے بھی بھاگ رہی تھی، بھلا کسی اور کا سامنا کرنے کی تاب کہاں سے لاتی.....؟

سورج واپسی کا سفر شروع کر چکا تھا۔ جب وہ گھر سے نکلی تھی، اور اب سورج کو مکمل طور پر غروب ہوئے بھی ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا تھا۔ یقیناً گھر میں اب تک اس کے لئے سب فکر مند ہو چکے تھے۔ مگر اسے احساس ہی نہیں تھا۔ اسے تو یہ بھی احساس نہیں تھا کہ وہ تنہا اجنبی علاقے میں ہے، اور کتنی خطرناک بات ہے۔ وہ تو گویا سب کچھ بھولی ہوئی تھی۔

گاڑی کی اسپیڈ ہر گزرتے لمحے تیز ہو رہی تھی اور اسی خطرناک اسپیڈ کی بدولت موڑ مڑتے ہوئے سامنے سے آنے والی لینڈ کروزر کی زد سے چھوٹی سی کرولا کو کسی طرح بھی نہ بچا سکی۔ اس کی نگاہیں لینڈ کروزر کی تیز روشنیوں سے چندھیا سی گئیں۔ اس نے سرعت سے اسٹیئرنگ وہیل گھمایا تھا، مگر اس کی ہر کوشش ناکامی سے دوچار ہو گئی اور اگلے ہی لمحے فضا، ٹائروں کی چرچراہٹ اور ایک خوفناک دھماکے سے لرز اُٹھی تھی۔

☆☆☆

"دشمن ہے اور ساتھ رہے جان کی طرح

مجھ میں اتر گیا ہے وہ سرطان کی طرح
جکڑے ہوئے ہے تن کو میرے اس کی آرزو
پھیلا ہوا ہے جال سا شریان کی طرح''

اس کی دوبارہ آنکھ کھلی تو خود کو ہاسپٹل میں پایا تھا۔ سفید بستر، سفید چادر میں اس کا سراپا چھپا ہوا تھا۔ ایک پل کو تو اسے لگا کہ وہ مرگئی ہے، عدم میں ہے۔ مگر اس سے مخاطب وہ مہربان آواز اپنا احساس بخش رہی تھی جو اس سے مخاطب تھی۔ مگر اسے آواز کا، الفاظ کا مفہوم سمجھنے میں دشواری کا سامنا ہوا۔ ایکسیڈنٹ بہت شدید تھا۔ پتا نہیں وہ بچ کیسے گئی تھی......؟ سر میں، جسم کی ایک ایک پور میں درد کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اس تکلیف کے احساس نے آنکھوں سے سیل رواں جاری کر دیا۔

''ارے......! نائس گرل......! آپ رو رہی ہو......؟ کم آن بی بریو......!''

اس کی داہنی جانب سے وہی آواز ابھری۔ اس مرتبہ وہ مفہوم بآسانی سمجھ گئی۔ مگر کوئی ردعمل نہ دیا اور کچھ اور شدتوں سے رونے لگی۔

''آپ پہلے سے بہت بہتر ہیں۔ حوصلہ کریں، میں نے آپ کے فادر کو انفارم کر دیا ہے۔ ابھی کچھ دیر میں وہ آپ کے پاس پہنچنے والے ہوں گے۔''

اس بھاری بھرکم آواز نے پھر تسلی سے نوازا تو اس نے یوں ہی بہتے آنسوؤں کے ساتھ ذرا سی نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔ دراز قامت فیئر کامپلیکشن، بڑی بڑی پرکشش آنکھیں، وہ شاندار پرسنالٹی کا مالک تھا۔

''آئی ایم ہارون کاردوانی......! میں ہی آپ کو ہاسپٹل لے کر آیا ہوں۔ وہ گاڑی جس سے آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا، میری ہی تھی، اور مجھے بے حد افسوس ہے۔''

وہ اس کی نگاہوں کی اجنبیت کو پا کر ہی تفصیلی تعارف کرانے لگا تھا۔ ایمان نے تھکے ہوئے انداز میں آنکھیں موند لیں۔ جبکہ ہارون کاردوانی کی نگاہیں اس کے چہرے کے ساحرانہ نقوش میں بھٹکنے لگی تھیں۔

تینتیس سالہ ہارون کاردوانی کا دل اس نازک پھول جیسی لڑکی کو ایک نگاہ دیکھ کر ہی خود پہ ایک بار پھر اختیار کھو بیٹھا تھا۔ وہ جس کا خیال تھا، اب وہ کبھی زندگی میں دوبارہ ضویا جیسی محبت کسی اور کو نہ دے سکے گا، جبھی تو اس نے ماں جی کی منتوں، سماجتوں کے باوجود شادی سے انکار کر دیا تھا کہ وہ کسی لڑکی کے ساتھ زیادتی کا خواہاں نہیں تھا۔ وہ بہت صاف گو، کھرا اور سچا انسان تھا۔ دوغلی زندگی سے نفرت تھی، جبھی شادی نہ کرنے کا عہد خود سے باندھ لیا تھا۔

ضوئی اس کی محبت تھی۔ دس سال قبل وہ ایک حادثے کا شکار ہو کر مرگئی تھی اور دس سالوں سے ہی ہارون کاردوانی نے خود پہ ہر قسم کی خوشی کو حرام کر لیا تھا۔ موسیٰ اور ماں جی کی بے حد خواہش کے باوجود، موسیٰ جو اس کا چھوٹا بھائی تھا، دونوں کی عمروں میں آٹھ سال کا فرق تھا، وہ موسیٰ کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتا تھا۔ موسیٰ کی بھی اس سے محبت دیوانگی کی انتہاؤں کو چھوتی تھی۔ موسیٰ کی ہر بات ماننے والا ہارون کاردوانی اسے یہ خوشی نہیں دے سکا تھا۔ وہ جب بھی شادی پر اصرار کرتا، ہارون چپ سادھ لیتا۔ ابھی کل ہی دونوں کی ایک بار پھر شدید بحث ہوئی تھی۔ موسیٰ کا موقف تھا کہ وہ کسی لڑکی کو زندگی میں شامل کر لے، محبت خود بخود ہو جائے گی۔

''پچھلے دس سالوں سے تو ہوئی نہیں، اگر ہونی ہوتی تو ہو چکی ہوتی۔''

ہارون کاردوانی نے کہا تھا اور وہ ہارون سے خفا ہو گیا تھا۔ مگر اب جب ہارون نے اس کومل سی لڑکی کو دیکھا اور خود کو اس کا اسیر ہوتے محسوس کیا تو سب سے پہلے اسے ہی خوش خبری سنائی تھی۔

''مجھے وہ لڑکی مل گئی ہے موسیٰ......! جسے تمہاری بھابی بننا چاہئے۔''

''رئیلی......! مجھے ملائیں بھائی......! ابھی، اسی وقت۔''

وہ کیسے بے تاب ہو اٹھا تھا، مچل کر فرمائش کر دی۔

''ابھی ممکن نہیں......! اس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے میری گاڑی سے، اور میں اسے لے کر ہاسپٹل جا رہا ہوں۔ فی الحال تو بس تم اس کے لئے دعا کرو، کیونکہ اس وقت اسے سب سے زیادہ دعا کی ہی ضرورت ہے۔''

ہارون نے کہہ کر رابطہ کاٹ دیا تھا اور اب پچھلے دو گھنٹوں سے ہارون کے سیل پہ مسلسل موسیٰ کے میسجز اور کالز آ رہی تھیں، جن میں ایک یہ تقاضہ تھا کہ وہ اسے ہاسپٹل کا نام بتائے، وہ خود وہاں پہنچ جائے گا، اور ہارون کاردوانی اس کی شدتوں سے گھبرا اٹھا تھا۔

''پاگل ہو تم موسیٰ......! انجان لڑکی ہے، ہمیں کیا پتا وہ انگیجڈ ہو......؟ یہ بھی ممکن ہے، میریڈ ہی ہو......؟''

اس نے دل میں مچلتا خدشہ اس تک پہنچایا اور وہ اپنے مخصوص اناؤلے اور جذباتی انداز میں بولا تھا۔

''اول تو ایسا کچھ ہو گا نہیں، اگر ہوا بھی تو اب وہ صرف آپ کی ہے لالہ......! ڈونٹ وری......!''

اور اس کی بات پہ ہارون کاردوانی سر جھٹک کر ہنس پڑا تھا۔

''محترم......! آپ کی حکمرانی شاہ پور میں ہے، پورے پاکستان میں نہیں......!''

''پورے پاکستان میں ہی ہے۔ بس......! طاقت کا استعمال آنا چاہئے۔''

موسیٰ کے لہجے نے پہلی بار ہارون کاردوانی کو ٹھٹکایا، اور اسے ایک دم لگا جیسے وہ موسیٰ کو بتانے میں جلد بازی کر گیا ہے۔

''کیا مطلب......؟''

اس کا لہجہ ایک دم سخت ہو گیا۔

''کچھ نہیں......!''

موسیٰ بھی سنبھل گیا اور فون بند کر دیا تھا۔ ہارون نے سیل آف کر کے جیب میں رکھا، اسی پل دروازہ کھلا اور ارتضیٰ کے ساتھ ولید اور تابش، عاقب بوکھلائے، گھبرائے ہوئے اندر چلے آئے۔

''منی......! ایمان بیٹا......!''

پاپا نے تڑپ کر اسے پکارا تو وہ جو آنکھیں موندے نڈھال سی پڑی تھی، چونک کر متوجہ ہوئی۔ تب تک پاپا اس کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ وہ ان سے لپٹ کر بری طرح سے بلک اٹھی۔

''پاپا......! پاپا......! مجھ سے بہت لاس ہو گیا ہے، ہماری گاڑی تباہ ہو گئی ہوگی۔ مجھے معاف کر دیں پاپا......! میری وجہ سے......''

تب سے اب تک جو پریشانی اسے گھبراہٹ، تشویش اور شرمندگی میں مبتلا کرتی رہی تھی، بے اختیاری میں وہی الفاظ ٹوٹے پھوٹے انداز میں اس کی زبان سے پھسل پڑے تھے۔ رونے کی شدت میں اور اضافہ ہوگیا تھا۔ ولید گہرا سانس بھر کے سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ پاپا اسے ساتھ لگائے نرمی و محبت سے تھپکتے رہے تھے۔ جبکہ تاؤ جی اس کی بات پہ سخت مضطرب ہو کر سرعت سے اس کے قریب آئے تھے، پھر اس کے دوسری جانب بیٹھ کر بڑی شفقت اور سبھاؤ سے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر ڈھارس بندھاتے ہوئے بولے تھے۔

''کاہے کو فکر کرتی ہے پتری......؟ ایسی دس گاڑیاں تیری جان کا صدقہ سمجھ کر وار دیں تیرے تاؤ جی......! اللہ سوہنے کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری دھی صحیح سلامت ہے۔''

''السلام علیکم......! آئی ایم ہارون کادوانی، فکر نہ کریں، انہیں زیادہ چوٹیں نہیں آئی ہیں۔ بائیں ٹانگ کا فریکچر ہوا ہے، میری ڈاکٹرز سے بات ہوگئی ہے۔''

ہارون کادوانی آگے بڑھ کر ولید سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا تو ولید جو کسی قدر روتی بلکتی ہوئی ایمان کو مضطرب سا دیکھ رہا تھا، چونک کر اس کی سمت متوجہ ہوا۔

''بہت بہت شکریہ جناب......! آپ کے اتنے تعاون کا۔''

ولید واقعی مشکور ہوا تھا کہ ہارون نے نہ صرف ایمان کو ہاسپٹل پہنچایا تھا، بلکہ ایمان کے سیل فون میں جتنے بھی نمبرز تھے، سب پہ کال کر کے اس حادثے کی اطلاع پہنچا کر ہاسپٹل آنے کا کہا تھا، اور ان کے پہنچنے تک خود بھی وہاں موجود رہا تھا اور یہ آج کے اس مفاد پرست دور میں کسی کی اچھائی و بھلائی کا غماز تھا۔

''نو تھینکس سر......! یہ تو میرا فرض تھا، کوئی احسان تھوڑا ہی کیا ہے آپ پر......؟ اگر سچ پوچھیں تو مجھے یہ سب بہت اچھا لگا ہے۔ اس حادثے کے سبب اتنے اچھے لوگوں سے ملاقات ہوگئی۔''

کچھ ایسا تھا انوکھا ہارون کادوانی کے لہجے میں کہ ولید نے چونک کر اسے دیکھا اور اس کی نگاہوں کو ایمان کے چہرے کا مرکز پا کے اس کا فشار خون ہی نہیں بڑھا، چہرے کے ساتھ ساتھ آنکھوں میں بھی سرخیاں اتر آئی تھیں کہ ہارون کادوانی کی نگاہوں کا انداز ہی ایسا تھا۔ پھر ولید نے اس سے جان چھڑانے کی بہتیری کوشش کی، مگر وہ تو گویا جان کو چپک گیا تھا۔ ایمان کو ڈس چارج کروا کے جب وہ لوگ آنے لگے، تب بھی ہارون نے اپنی گاڑی میں انہیں گھر تک چھوڑنے کی آفر کی اور اس کے انکار کے باوجود منوا کر ہی دم لیا۔ اس کا یہ التفات ولید کے اعصاب پہ بوجھ بن کر گر رہا تھا۔

اور جس کی وجہ سے یہ سب ہو رہا تھا، وہ ہر بات سے بے نیاز پاپا کے کاندھے سے لگی کتنی مطمئن اور سرشار نظر آ رہی تھی۔ یہ ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈال کر ہی ولید کو اندازہ ہوگیا، اس کی جان جل کر خاک ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

''سکون بھی خواب ہوا نیند بھی ہے کم کم پھر
قریب آنے لگا دوریوں کا موسم پھر
بنا رہی ہے تیری یاد مجھے سلک گہر
پرو گئی میری پلکوں پہ آج شبنم پھر
وہ نرم لہجے میں کچھ کہہ رہا ہے پھر مجھ سے
چھڑا ہے پیار کے کومل سروں مدھر پھر
تجھے مناؤں کہ اپنی انا کی بات سنوں
الجھ رہا ہے میرے فیصلوں کا ریشم پھر
نہ اس کی بات میں سمجھوں نہ وہ میری نظریں
معاملات زبان ہو چلے ہیں مبہم پھر
بہت عزیز ہیں آنکھیں اسے میری لیکن
وہ جاتے جاتے انہیں کر گیا ہے پرنم پھر''

وہ نڈھال سی بستر پر پڑی تھی۔ آج اس کا دل عجیب وحشتوں میں گھرا ہوا تھا ایک بار پھر اسے لگا تھا جیسے واقعی وہ خوش گماں تھی۔ ورنہ وہ واقعی اس میں انٹرسٹڈ نہیں تھا۔ صبح شام تاؤ جی کی زبردست ڈانٹ سن کر وہ مارے بندھے ہی اس کی بینڈ یج چینج کرنے آیا کرتا تھا، مگر انداز ایسا اجنبیت سے بھرپور اور لاتعلقی لئے ہوئے ہوتا کہ وہ بھی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہ جاتی۔

''آج ابھی تک ولید نہیں آیا۔ دیکھنا کہیں چلا نہ جائے۔ اتنے تو کام ہیں بیچارے کی جان کو لگے ہوئے، یاد بھی بھول سکتا ہے۔''

اسے ان لایعنی سوچوں سے ماما کی آواز نے نکالا تھا جو فضہ سے مخاطب تھیں۔

''نہیں ماما......! ناشتہ کر رہے ہیں ولی بھائی......! ویسے میں انہیں جا کر یاد کراتی ہوں۔''

فضہ ان کے آگے ناشتے کی ٹرے رکھ رہی تھی۔ ماما اس کی بیماری کی وجہ سے مستقل اس کے ساتھ رہتی تھیں۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے زحمت کی، ان سے کہہ دینا، جو وہ دن رات یہ احسان کرتے ہیں، بڑی مہربانی ہوگی جو اسے اٹھالیں گے۔''

وہ جو پہلے ہی بے مائیگی کا شکار تھی، اس قسم کی باتیں سن کر جیسے حواسوں میں نہیں رہی تھی۔ جبھی تو دروازے سے اندر آتے ولید کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ ماما نے بے اختیار گھبرا کر اس کا ہاتھ دبا کر گویا ولید کی موجودگی سے آگاہ کرنا چاہا مگر وہ کچھ لاوہ بھڑک گئی تھی۔

''ہاں تو سن لیں، جو بھی سنتا ہے سن لے، میں کسی سے ڈرتی نہیں ہوں۔''

وہ ضبط گنواتی چیخ پڑی تھی۔ ولید کچھ کہے بغیر آگے بڑھ آیا۔ پلنگ کے ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھ کر ہاتھ بڑھا کر بینڈ یج اتارنا چاہی تو ایمان نے بہت شدت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

''آپ تو مجبوراً بھی وہ کام نہیں کرتے جو آپ کا کرنے کو جی نہ چاہے، پھر یہ مجبوریاں کیوں نبھا رہے ہیں......؟''

وہ بے حد زور سے چیخی تھی۔ ولید نے ہونٹ بھینچ کر سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''کیا ہوگیا ہے ایمی ......! کام ڈاؤن ......!''

فضہ نے گھبرا کر اسے کاندھوں سے تھاما، مگر وہ بپھرے ہوئے انداز میں اسے بھی جھٹک کر سرک کر دور ہوگئی۔

''پلیز فضہ ......! انہیں کہہ دو، اپنی ہمدردیوں کی بھیک لے کر یہاں سے چلے جائیں۔''

وہ چیختے ہوئے نڈھال ہو کر ماما کی گود میں منہ چھپا گئی۔ ولید کچھ کہے بغیر اُٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ ماما سسکتی بلکتی ایمان کو سنبھال رہی تھیں۔ فضہ بھاگ کر ولید کے پیچھے آئی جو لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے سیڑھیوں کی سمت جا رہا تھا۔

''آئی ایم سوری ولید بھائی ......! وہ اَپ سیٹ ہے۔''

''کس وجہ سے ......؟''

اس نے گہری کاٹ دار نظروں سے اسے دیکھا۔

''اور پلیز ......! آپ اس کی بدسلوکی کی مجھ سے معافی مت مانگا کریں، مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

وہ زندگی میں پہلی بار فضہ سے بھی تلخ کلامی کر گیا۔ فضہ نے متحیر ہو کر اسے دیکھا، مگر وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگ گیا تھا۔ وہ پریشان سی ہو کر اس کے پیچھے آئی تھی مگر تب تک وہ ڈیوڑھی میں کھڑی اپنی بائیک گھسیٹتا ہوا باہر نکل رہا تھا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر اسے جاتے دیکھتی رہی تھی۔

☆☆☆

وہ حیرانی و تحیر کے عالم میں کوریئر سروس کے ذریعے آنے والے فریش پھولوں کے بکے کو دیکھ رہی تھی جو ابھی کچھ دیر قبل ہی فضہ نے اسے لا کر دیا تھا۔

''یہ کہاں سے آیا ہے ......؟''

اس کے استفسار پہ فضہ نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

''پڑھ لو، کارڈ پہ نام بھی لکھا ہوا ہے بھیجنے والے کا۔''

وہ اپنی حیرانی کے باعث فضہ کے لہجے پر غور ہی نہ کر پائی جو خاصا خفا خفا سا تھا۔ اس نے خوب صورت مومی چکنے پیپر کے اندر احتیاط سے ہاتھ ڈال کر کارڈ باہر کھینچ لیا۔ ننھے سے کارڈ پہ موتیے کی ادھ کھلی کلی پہ شبنمی اوس کے قطرے اتنے اوریجنل محسوس ہو رہے تھے کہ اس نے بے اختیار انہیں چھوا اور پھر اپنی بے وقوفی پہ مسکرا کر کارڈ کھولا۔

''پت جھڑ کے موسم میں اس کو
کون سے پھول کا تحفہ بھیجوں
میرا آنگن خالی ہے
لیکن میری آنکھوں میں
نیک دعاؤں کی شبنم ہے
شبنم کا ہر تارہ

تیرا آنچل تھام کے کہتا ہے
خوشبو، گیت، ہوا، پانی
اور رنگ کو چاہنے والی لڑکی
جلدی سے اچھی ہو جا
صبح بہار کی آنکھیں کب سے
تیری نرم ہنسی کا رستہ دیکھ رہی ہیں
ہارون کاردوانی ......!''

اس کا استعجاب کچھ اور بڑھ گیا۔

''کس نے بھیجا ہے یہ ......؟''

اس کی سوالیہ نگاہیں پھر سے فضہ کی سمت اُٹھیں۔

''میں کہہ چکی ہوں، کارڈ پہ نام لکھا ہے بھیجنے والے نے۔''

''میں پڑھ چکی ہوں، مگر یہ ہارون کاردوانی ہے کون ......؟''

وہ بری طرح سے جھلائی۔ فضہ کا انداز اس کا خون کھولا گیا تھا۔

''تم واقعی ہارون کاردوانی کو نہیں جانتی ہو ......؟''

فضہ کا انداز اب کی مرتبہ خوب استعجابی ہوگیا تھا۔ ایمان نے خون خوار نظروں سے اسے گھورا۔

''پاگل ہوگئی ہو فضہ ......! یا مجھے کرنے کا ارادہ ہے ......؟ اسٹامپ پیپر پر لکھ کر دوں کہ میں نہیں جانتی ......؟''

وہ بے طرح جھنجلائی تو فضہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگی۔

''ہارون کاردوانی وہی شخص ہے جس کی گاڑی سے تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور وہ ہاسپٹل ٹریٹ منٹ کے بعد تمہیں گھر بھی چھوڑنے کے لئے آیا تھا۔''

''تو ......؟''

''تو یہ کہ وہ ہر روز ولید کے، عاقب کے سیل فون پر کال کر کے تمہاری خیریت دریافت کرتا ہے۔''

فضہ کے لہجے میں ایک ہیجان سا تھا۔ ولید نے جب سے اسے بتایا تھا سب کچھ وہ بھی ایمان سے خفا ہوگئی تھی۔

''تو ......؟''

ایمان کا انداز ہنوز تھا۔ فضہ پاگل ہونے لگی۔

''تو یہ کہ وہ آج اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ تمہاری عیادت کو بھی آ رہا ہے۔''

''تو اس میں ایسی کیا بری بات ہے فضہ ......! کہ تم مجھ سے اس طرح روڈلی بات کر رہی ہو ......؟''

وہ پھٹ پڑی تھی۔

''تمہیں واقعی کچھ نہیں پتا ......؟ اس نے تم سے کوئی بات نہیں کی ......؟''

اب کے فضہ ٹھٹک کر اسے تکنے لگی تھی۔

''کون سی بات......؟ فضہ......! کوئی خاص بات ہے کیا......؟ وہ مجھ سے کیوں بات کرے گا بھلا......؟ بتاؤ مجھے، میرا سیل فون اسی روز سے ایکسپائر ہے، تم کیا سمجھ رہی ہو آخر......؟''

اب کے وہ خود بھی ٹھٹک گئی تھی اور روہانسی ہونے لگی۔ فضہ نے ہونٹ بھینچ کر سر تھام لیا تھا۔

کل شام جب اس نے ولید سے اس کے رویہ کی شکایت کی تو وہ جو خود ضبط کرتے ہوئے پاگل ہو رہا تھا، اس کے سامنے پھٹ پڑا۔

''اب کی بار آپ مجھے قصوروار نہیں ٹھہرا سکتی ہیں فضہ......!''

''ہوا کیا ہے آخر......؟ کچھ مجھے بھی پتا چلنا چاہئے ناں......؟''

فضہ کو اب اس پہ غصہ آنے لگا تھا۔ دونوں بچوں کی طرح فضول حرکتیں کر کے سب کو پریشانی میں مبتلا کر بیٹھے تھے۔

''ایمان کو میں پسند نہیں تھا، یہ بات تو کلیئر ہے ناں......؟''

وہ اس کی تصدیق چاہنے لگا جو فضہ چاہنے کے باوجود نہ کر سکی۔

''اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہارون کاوونی ہر لحاظ سے بہتر ہے مجھ سے۔''

''کیا مطلب......؟ تھرڈ پرسن کا کیا ذکر یہاں بھلا......؟''

فضہ نے ہونق ہو کر اسے دیکھا تو ولید کے چہرے پر زخمی سی مسکان بکھر گئی تھی، جس میں کرب تھا، اذیت تھی۔

''انہی کا تو ذکر ہے محترمہ......! اور تھرڈ پرسن وہ نہیں، میں ہوں۔''

وہ خود ترسی کا شکار ہونے لگا۔

''کیا کہہ رہے ہیں ولی بھائی......! مجھے بتائیں پلیز......! میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا ورنہ۔''

وہ ڈوبتے دل سمیت وہیں بیٹھ گئی۔

''ہارون کاوونی آپ کی سسٹر سے شادی کے خواہاں ہیں۔ ہر روز جانے کتنی بار کال کر کے مجھ سے ان کی خیریت دریافت کی جاتی ہے۔ آج اپنی آمد کا بتا رہے تھے کہ کل والدہ اور بھائی کے ساتھ باقاعدہ پرپوزل لے کر آئیں گے۔''

فضہ کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا۔

''آپ نے منع کیوں نہیں کیا انہیں......؟''

وہ ہول کر بولی تو وہ گہرے طنز سے بولا تھا۔

''کس بیس پہ......؟''

''وہ آپ سے انگیجڈ ہے ولی بھائی......! اور آپ یہ بات جانتے ہیں۔''

''مگر آپ کی بہن اس بات کو نہیں مانتی اور شاید ایسی بات ہو تو وہ انکار بھی کرے۔ اور آپ جانتی ہیں کہ مجھے اپنی یہ تذلیل گوارہ نہیں، اور اس بات کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ ہارون صاحب یہ اتنا بڑا اقدام

آپ کی سسٹر کی ایماء پر نہیں اٹھا رہے ہیں......؟''

اس کی پور پور زہر ہو رہی تھی، اور فضہ سے اس سے آگے کچھ بولا ہی نہیں گیا تھا۔ اس نے اپنے تئیں فرض کر لیا تھا کہ ہارون کا یقیناً ایمان کے ساتھ فون پہ کانٹیکٹ ہوگا، مگر اب وہ اپنی حماقت پہ بے حد خفت زدہ تھی۔

''کیا بات ہے......؟ تم کچھ بتا کیوں نہیں رہی ہو......؟''

ایمان اس کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کو حیرت کی نگاہ سے تک رہی تھی۔ طویل خاموشی پہ اُکتا کر بولی۔ فضہ نے چونک کر اسے دیکھا، پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے دباتے ہوئے بولی تھی۔

''ہارون کاوونی کی حیثیت مستقبل میں تمہاری زندگی میں بہت بڑھ جائے تو کیسا لگے گا تمہیں......؟''

''کیا مطلب......؟''

ایمان نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم خفگی در آئی تھی۔

''مطلب یہ کہ وہ شاید تمہیں بہت پسند کرنے لگا ہے۔ آج آ رہا ہے اپنی فیملی کے ساتھ تم سے ملنے۔''

''دماغ ٹھیک ہے اس کا......؟''

وہ بھڑک اٹھی۔

''ایک ذرا سا احسان کر کے وہ مجھے اپنا زر خرید بنا لے گا......؟''

''یہ بات نہیں ہے امی......! وہ پراپر......''

''اس کی فیور مت کرو فضہ......!''

وہ چیخ پڑی۔

''میں اس کی فیور نہیں کر رہی ہوں۔ یہ جنرل بات ہے امی......! کہتے ہیں، جہاں بیری ہو، وہاں پتھر آیا ہی کرتے ہیں۔''

''تم لوگوں کا یہ فرض تھا کہ اسے پہلے ہی منع کر دیا جاتا کہ میں انگیجڈ ہوں۔''

شدید غصے میں کہی گئی بات پہ شاید اس نے خود بھی دھیان نہیں دیا تھا یا محبت کو کھونے کے ڈر سے انا کو سائیڈ پر ڈال دیا تھا، جو بھی تھا، بہرحال فضہ کو شاک لگا تھا۔ وہ قطعی سمجھ نہیں پائی اپنی فیلنگ کو کہ وہ ایمان کی بات پہ خوش زیادہ ہے یا حیران......؟

''انگیجڈ ہو......؟ مگر کس سے......؟''

معاً فضہ نے خود کو سنبھالا اور کسی قدر طنز سے یہ سوال کیا تھا۔ ایمان جو اپنی بے اختیاری پہ جیسے خود سے بھی نظریں چرا رہی تھی، ہونٹ بھینچ کر اسے تکنے لگی۔

''تمہیں نہیں پتا......؟''

اس کے بے بسی کے مظہر آنسو گالوں پر اُتر آئے۔ فضہ کے اندر جیسے کلیاں چٹخنے لگی تھیں۔ بے اختیار بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

"مجھے تو پتا تھا، شاید تمہیں یاد نہیں رہا تھا۔"

فضہ یوں ہی اس کے گلے لگی گنگنائی تو ایمان نے مسکرا کر اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

"وہ بہت اَنا پرست ہے، اور شاید کسی اور سے محبت کرتا ہے۔"

"وہ صرف تم سے محبت کرتے ہیں ایمی...... ! اَنا پرست وہ واقعی ہیں، اپنی عزت نفس بہت عزیز ہے انہیں۔"

"مجھ سے بھی زیادہ......؟"

ایمان نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا تو فضہ ہلکی پھلکی ہو کر بولی تھی۔

"یہ سوال تم مجھ سے نہیں، انہیں سے کرنا۔"

فضہ نے اسے چھیڑا اور وہ بے طرح سرخ ہو گئی۔ فضہ نے بہت دلچسپی سے اس کا یہ حسین روپ دیکھا تھا۔

"ویسے اب بات کر لو گی ان سے......؟"

ایمان نے تکیے سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں اور کچھ توقف سے بولی تھی۔

"جب وہ آئیں، تب میرے پاس بھیج دینا۔ خود خدمت میں حاضر ہوتی، مگر لاچاری ہے۔"

اس نے اپنے پیر کی سمت اشارہ کیا تھا، جس پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔

"اوکے میم......!"

فضہ ہنستی ہوئی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

"اب وہ میری ضرورت بن گیا ہے
کہاں ممکن رہا اس سے نہ بولوں
تیری خوشبو بچھڑ جانے سے پہلے
میں اپنے آپ میں تجھ کو سمو لوں"

"اور فضہ پوچھتی ہے، میں اس سے بات کر لوں گی......؟ میں تو اس سے آج بھی جھگڑوں گی۔ مگر آج کی لڑائی کا انداز اور ہوگا۔ میں اس سے پوچھوں گی۔ اس نے مجھے کسی اور کو سونپنے کی گستاخانہ جرأت کیسے کی......؟ کہ وہ اَنا کا قیدی تو ہو، مجھے اپنی محبت کی بقا عزیز ہے۔"

وہ اپنی سوچوں پہ خود کو داد دیتی رہی، مسکراتی رہی۔

☆☆☆

"کن لکیروں کی نظر سے تیرا رستہ دیکھوں
نقش معدوم ہوتے جاتے ہیں ان ہاتھوں کے
تو مسیحا ہے بدن تک ہے تیری چارہ گری
تیرے امکاں میں کہاں زخم لڑی باتوں کے"

وہ بے حد مضمحل تھا۔ آج گویا اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی بازی بھی ہار دی تھی۔ پتا نہیں اس نے انا کو محفوظ رکھ کر دل کو کیوں دار پہ لٹکا دیا تھا، جو سسک سسک کر کہے جاتا تھا۔

"اک بار تو کوشش کی ہوتی
شاید وہ مل جاتی
قسمت یاوری بھی تو کر سکتی تھی
نارسائی نصیب نہ ہوتی"

"بھلے ہو بھی جاتی مگر تم تو یہ ظلم نہ کرتے۔"

سوچیں اسے اضطراب بخش رہی تھیں۔ وہ بے طرح تھک گیا تھا۔ بے مقصد بائیک کو سڑکوں پر دوڑا دوڑا کر گھر جانے سے خائف تھا۔ حقیقت سے فرار چاہ رہا تھا جو تلخ تھی، مگر کب تک......؟

اب جبکہ یہ فیصلہ کیا تھا تو پھر اس پہ ڈٹ جانا بھی ضروری تھا۔

وہ ہارا تھا پر اپنی ہار کسی پہ آشکار نہیں کرنا چاہتا تھا، جبھی خود کو مضبوط بناتا گھر چلا آیا تھا۔ گھر میں مہمانوں کی آمد کے آثار نمایاں تھے۔ خصوصی صفائی کی گئی تھی۔ کچن سے اشتہا انگیز خوشبوؤں کا ایک طوفان سا اٹھ رہا تھا۔ وہ ایک اچھی فیملی تھی، اس کے مطابق شاید تاؤ جی اور تائی ماں نے اہتمام کیا تھا۔ انہوں نے تو ایمان پہ کیے گئے احسان کے پیش نظر یہ عزت افزائی دینا تھی کہ یہ اصل بات تو صرف ولید کو ہی پتا تھی، اور ولید کے بعد فضہ کے علم میں آئی تھی۔ مگر اب وہ بھی ایمان سے بات کلیئر کرا لینے کے باعث بے حد ریلیکس تھی۔

مگر ولید کے سر کا درد شدید ٹیسوں میں ڈھل گیا تھا۔ بائیک ڈیوڑھی میں کھڑی کر کے وہ سرعت سے اپنے کمرے کی سمت جا رہا تھا، جب تائی ماں نے اسے دیکھ کر پکار لیا تھا۔

"بیٹا......! کب تک آ رہے ہیں مہمان......؟ کوئی فون آیا تمہیں......؟"

اور اس کی جان جل کر خاک ہو گئی تھی، ان کے لہجے کی بے تابی و اشتیاق پہ۔

"جی نہیں......!"

اصل بات وہ اُگل نہیں سکا کہ اپنا سیل آف کر رکھا ہے۔ اپنے کمرے میں آنے کے بعد وہ فریش ہونے اور چینج کرنے کی بجائے، تھکے ماندے انداز میں بستر پہ ڈھے گیا۔ تبھی دروازہ ناک ہوا اور کوئی اندر چلا آیا۔ مگر اس کی پوزیشن میں فرق نہیں آیا تھا۔

"ولی بھائی......!"

فضہ کی آواز پہ وہ اپنی سرخ دہکتی آنکھیں ذرا کی ذرا کھول کر اسے تکنے لگا۔

"چائے لے لیجیے......!"

وہ جھک کر کپ تپائی پہ رکھ رہی تھی۔

"تھینکس......!"

ولید کی آواز بے حد بوجھل تھی۔

"چائے پی لیں تو ایمان کی بینڈیج چینج کر دیجیے گا یاد سے۔"

''اس بار کی کیا گارنٹی ہے کہ اب وہ مجھ سے جھگڑیں گی نہیں......؟''

اس نئے آرڈر پر ولید کے اندر جیسے صدیوں کی تھکن اتر آئی تھی۔

''یہ آپ سے اس کی آخری لڑائی ہوگی، آئی تھنک......! سو پلیز......! اسے معاف کر دیجئے گا۔''

فضہ نے آہستگی سے کہا اور پلٹ کر باہر نکل گئی۔ وہ چاہتی تھی ولید ہر بات ایمان کے منہ سے سنے تاکہ ان کی زندگی کے یہ لمحے یادگار ٹھہریں۔ مگر تازہ ترین صورت حال سے بے خبر ولید حسن فضہ کی بات پہ جیسے پل صراط سے گزر گیا۔ اس نے ہونٹ اتنی سختی سے دانتوں سے کاٹے کہ منہ میں لہو کا ذائقہ گھلنے لگا۔

اس کی چائے جس کی کچھ دیر قبل اسے شدید طلب تھی، پڑے پڑے ٹھنڈی ہوگئی۔ تب اس نے خود کو کمپوز کیا تھا اور اٹھ کر کمرے سے باہر آیا۔ برآمدے اور صحن کو عبور کیا اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلا آیا۔ البتہ اس کے کمرے کے سامنے رک کر اسے ایک بار پھر اپنے حوصلے جوڑنے پڑے تھے۔ دروازہ ناک ہونے پر ایمان جو دل و جان سے اس کی منتظر تھی، بے اختیار سیدھی ہو بیٹھی۔

''فضہ نے بھیجا تھا مجھے کہ آپ کی بینڈیج چینج کر دوں۔''

اس سے نظریں چار کیے بنا وہ کسی قدر خشک انداز میں بولا۔ ایمان نے بہت دھیان سے اسے دیکھا تھا۔

''جی......! میں نے کہا تھا اسے۔ آپ کھڑے کیوں ہیں......؟ پلیز......! تشریف رکھئے ناں......!''

اس درجہ عزت افزائی پہ ولید چونک کر متوجہ ہوا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ نگاہیں چار ہونے پر دلکشی سے مسکرائی۔ ولید نے ہونٹ بھینچتے ہوئے نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا اور کرسی گھسیٹ کر ذرا تکلف سے بیٹھا۔ ایمان اس کی ایک ایک جنبش کو بغور تکتی رہی۔

''میرا پلاسٹر کب تک کھل جائے گا......؟''

''پتا نہیں......! اپنے معالج سے پوچھئے......!''

وہ ناگواری سے بولا اور ایمان نے مسکراہٹ چھپائی۔

''میرے معالج تو آپ بھی ہیں۔''

''مگر یہ پلاسٹر میں نے نہیں چڑھایا تھا۔''

وہ بدمزگی سے بولا تو ایمان نے منہ پھلا لیا تھا۔

''آپ کا موڈ کیوں اتنا بگڑا ہوا ہے......؟''

''آپ کا موڈ جو خوش گوار ہے۔''

وہ کانچ کی طرح سے تڑخا۔

''حالانکہ خفا ہونے کا حق تو میرا تھا۔ آپ نے کس حساب میں ہارون کا دوانی کو پرپوزل لے کر آنے کی اجازت دی تھی......؟ کیا آپ جانتے نہیں کہ میں آل ریڈی انگیجڈ ہوں......؟''

☆☆☆

ولید حسن کے اعصاب کو گویا ہزار وولٹیج کا کرنٹ لگ گیا تھا۔ اس نے چونک کر، ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں غیر یقینی استعجاب تھا، تحیر تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اسے کچھ دیر یوں ہی تکتا رہا تھا۔ کئی لمحے یوں ہی چپ چاپ ان کے بیچ آئے، ٹھہرے اور گزر گئے۔ ایمان اسے تکتی رہی، ان آنکھوں میں کیا کچھ نہ تھا......؟ شکوہ، رنج، خفگی، محبت، ناراضگی۔

''یہ کیسا مذاق ہے......؟''

معاً وہ خود کو سنبھال کر کسی قدر ناگواری سے بولا۔

''مائنڈ اٹ......! یہ مذاق نہیں ہے۔ مذاق تو وہ ہے جو آپ نے کیا ہے میرے ساتھ۔ ولید......! کیوں کیا آپ نے میرے ساتھ ایسا......؟''

اب کے وہ بھڑک اٹھی تھی۔

''آپ نے کبھی مانا تھا اس رشتے کو......؟ کبھی اعتراف کیا تھا......؟''

وہ بھی جیسے شاکی ہوئی۔

''اگر اعتراف نہیں کیا، کبھی تسلیم نہیں کیا تو آپ نے اپنا حق کیوں استعمال نہ کیا......؟ محبت کرتے تھے ناں مجھ سے......؟''

وہ کچھ اور بھی تلخ ہوئی، بلکہ آنکھوں میں آنسو مچل اٹھے۔

''آپ کو مجھ سے زیادہ اپنی انا کی فکر تھی۔ میں بھلے آپ کے پاس رہتی نہ رہتی......''

آنسو اب پلکوں کی ریشمی باڑیں پھلانگ کر گالوں پہ اتر آئے تھے۔ ولید تو بھونچکا تھا، ششدر تھا۔

''ایمان......! آئی کانٹ بلیو اٹ......! یہ تم ہو......؟''

''مجھے یہ بات کبھی نہیں بھولے گی ولید......! کہ میری حیثیت آپ کے نزدیک......''

''بے وقوف مت بنو......! کتنی عزیز ہو مجھے، کبھی نہیں بتا سکتا۔ دیکھو......! کیا حال ہو گیا ہے چند دنوں میں میرا......؟ کانٹوں پر گزارا ہے ہر اک لمحہ۔''

وہ بے چین، مضطرب ہو کر اسے اپنی وحشتوں کے بارے میں بتانے لگا۔ معاً پھر ایک دم رک گیا اور اس کے رخساروں پہ بہتے آنسوؤں کو اپنی پوروں پر سمیٹتے ہوئے کس قدر دلکشی سے بولا تھا۔

''اگر مجھ سے محبت کرتی تھیں تو پھر وہ سب کیا تھا......؟ بے رخی......؟ بے نیازی......؟ جھگڑا......؟

فساد......؟"

اور ایمان بھیگی آنکھوں سے مسکرا دی تھی۔

"حسن کو سمجھنے کو عمر چاہئے جاناں......!
دو گھڑی کی چاہت میں لڑکیاں نہیں کھلتیں"

"اوہو......!"

وہ بے ساختہ ہنسنے لگا، کھلی کھلی روشن خوب صورت ہنسی۔

"پھر اب کیسے کھل گئیں ہیں محترمہ......؟"

اس کا لہجہ شوخ تھا، معنی خیز تھا، انگ انگ سے جیسے سرور چھلک رہا تھا۔

"کتر کے جال بھی صیاد کی رضا کے بغیر
تمام عمر نہ اڑتی اسیر ایسی تھی
بس اک نگاہ مجھے دیکھتا چلا جاتا
اس آدمی کی محبت فقیر ایسی تھی"

اس نے پھر شاعری کی زبان میں اپنے احساسات بیان کئے اور یوں ہی مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"اس کے علاوہ ایک اور مسئلہ بھی تو تھا......؟"

"کیسا مسئلہ......؟"

ولید چونکا۔

"تیرے سوا بھی کئی رنگ خوش نظر تھے مگر
جو تجھ کو دیکھ چکا ہو وہ اور کیا دیکھے"

"یار......! اتنا خوب صورت اظہار، مگر اتنے فاصلے سے بیٹھ کر اچھا نہیں لگ رہا کچھ، یہاں آؤ ناں......! نہیں ٹھہرو......! میں آتا ہوں۔"

وہ ایک دم ہی شوخ ہو گیا تھا۔ ایمان بری طرح سے بوکھلا گئی۔

"تمیز سے، خبردار جو تہذیب سے ماورا حرکت کی۔"

اسے ایک دم ہی اپنی پوزیشن کا خیال آیا تھا۔ اس کی شوخ نگاہوں کی جنوں خیزی سے گھبرا کر وہ بے ساختہ چپ ہوئی۔ جسم و جاں میں پُر حدت سی سنسنی پھیلتی چلی گئی تھی۔

"بہت غلط موقع پر یہ سارے انکشاف ہوئے ہیں۔ کاش اس پل تم پر مکمل اختیار حاصل ہوتا مجھے۔"

دھیما دھیما سرگوشی کرتا ہوا لہجہ، نظروں کی شوخ تپش، اسے اپنے رُخسار دہکتے ہوئے محسوس ہوئے۔

"اُٹھیں......! چلتے پھرتے نظر آئیں۔ اُٹھیں شاباش......!"

وہ اس کی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے گھبرا کر بولی، وہ ہنسنے لگا۔

"بینڈ بج نہیں کراؤ گی کیا......؟"

"جی نہیں......! دوسرے لفظوں میں مجھے آپ پہ اعتبار نہیں ہے۔"

اس کے لہجے میں شرارت کا عکس تھا، وہ چیخ پڑا۔

ایمان نے ہنستے ہوئے اسے باہر نکال کر دم لیا تھا اور خود بے حد ریلیکس ہو کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

"اس نے چوما میری آنکھوں کو سحر دم اور پھر
رکھ گیا میرے سرہانے میرے خوابوں کے گلاب
کون چھو کے انہیں گزرا کہ کھلے جاتے ہیں
اتنے سرشار تو نہ تھے ہونٹوں کے گلاب"

فضہ دوبارہ کمرے میں آئی تو وہ بند آنکھوں کے ساتھ گویا کسی تصور میں گم مسکرا رہی تھی۔ وہ دانستہ شرارتاً کھنکھاری۔

"ہائے میم......! کیسی گزری دل و جان پر......؟"

ایمان نے آنکھیں کھولیں اور مسکرا دی۔

"وہ خوب صورت تو ہے ہی مگر جب محبت سے دیکھتا ہے تو اور بھی دل کو بھاتا ہے۔"

اس کی حسین آنکھوں میں فتح کر لینے کا خمار تھا۔ فضہ خوش گواریت میں گھرتی مسکرا دی۔

"انہیں پتا ہے کہ محترمہ شاعرہ ہو گئی ہیں عشق میں......؟"

"سارا اظہار ہی شاعری کی زبان میں کیا ہے۔"

وہ سوچ کر ہنس دی۔

"آپ کے مہمان آ گئے ہیں، نیچے تشریف لے کر آئیں گی یا انہیں اوپر لایا جائے......؟"

"کیا ہے فضہ ڈارلنگ......! میرا موڈ خراب مت کرو، وہ بھی آج کے دن۔"

اس نے منہ بسور لیا تو فضہ نے جھک کر اس کا گال چوم لیا تھا۔

"میں تو تمہاری دائمی خوشیوں کے لئے دعا گو ہوں اپنے رب سے۔ مگر سویٹی......! بھلے انہیں انکار کر دیا جائے گا۔ مگر......"

"مگر کچھ نہیں......! تم انہیں ٹال دو کسی بھی طریقے سے۔ میں ملنا نہیں چاہتی۔"

وہ بے زار ہونے لگی۔ فضہ سوچ میں پڑ گئی۔

"یار......! ویسے ایک بات ہے، اگر ولید حسن سے ہٹ کر سوچا جائے تو بندہ یہ بھی گڈ لکنگ ہے۔"

"ولید حسن سے ہٹ کر سوچا ہی کیوں جائے بھلا......؟"

اس نے نخوت سے کہا اور فضہ کھلکھلا اٹھی۔

"گڈ......! یہی تو سننے کی خواہش تھی مجھے، ویری نائس......!"

وہ اس کا گال چھوتی وش کرنے کے بعد چلی گئی۔ جس پل وہ نیچے آئی، مہمان چائے پی چکے تھے۔

"ایمان نہیں آئی ابھی تک......؟ ہم اس سے تو ملنے آئے ہیں۔"

ہارون کاردانی کی والدہ جو بے حد سوبر سی خاتون تھیں، ماما سے مخاطب ہوئی تھیں۔ اس سے قبل کہ ماما

...نے معاملہ سنبھالا تھا۔

''ایکچوئلی آنٹی...... امی کا پاؤں......''

''ہاں بیٹا...... ! میں جانتی ہوں۔ ابھی پلاسٹر ہے اس کے پیر پہ، آپ ہمیں لے چلو ناں بچی کے پاس......!''

ان کے کہنے پہ فضہ کو سمجھ نہیں آ سکی، بزرگ خاتون کو کیسے صاف انکار کرے......؟ اس نے کچھ بے چین سی ہو کر دیکھا تو ولید اس کی سمت متوجہ تھا۔ آنکھ کے اشارے سے گویا انہیں ایمان کے پاس لے جانے کا عندیہ دیا۔

''جی بہتر...... ! آئیے پلیز......!''

فضہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ساتھ میں آنٹی سے بھی پہلے ان کا چھوٹا بیٹا اُٹھا تھا، جسے وہ موسیٰ کہہ کر مخاطب کر رہی تھیں۔

''میں تو ضرور چلوں گا ایمان صاحبہ سے ملنے کے لئے۔''

وہ بیس بائیس سال کا نوخیز مگر خوبرو سا لڑکا تھا۔ پاپا اس کی بات پر مسکرا دیئے۔ یہ گویا اجازت دی گئی تھی۔ فضہ نے کاندھے اُچکا دیئے اور دونوں کے ہمراہ جب وہ ایمان کے کمرے میں آئی تو وہ دیوار کی طرف منہ کئے لیٹی ہوئی تھی۔

''امی...... ! آنٹی تمہیں ملنے آئی ہیں۔''

فضہ نے دانستہ اسے پکارا۔ وہ ایک دم سیدھی ہوئی تھی اور کسی قدر خفگی سے اسے دیکھا۔

''ماشاء اللہ...... ! چشم بددور...... ! بہت پیاری بچی ہے۔ خدا نصیب اچھا کرے۔ ہمیشہ خوش رکھے۔''

آنٹی صاحبہ تو گویا ایمان کو دیکھتے ہی فریفتہ ہو گئیں۔ البتہ وہ چمک دار آنکھوں والا لمبا لڑکا بس مسکراتی نظروں سے اسے تکتا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی واضح ستائش تھی۔

''پڑھتی ہو بیٹا......؟''

آنٹی اس کے پلنگ پہ ہی بیٹھ گئیں تھیں۔ فضہ نے کرسی اُٹھا کر بیڈ کے نزدیک رکھ دی تھی۔

''بیٹھئے موسیٰ...... ! آپ بھی۔''

وہ بھی اطمینان سے بیٹھ گیا۔

''جی...... ! بی ایس سی کر رہی ہوں۔''

کچھ دیر مزید اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہنے کے بعد وہ جانے کو اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''او کے بیٹا...... ! خدا نے چاہا تو دوبارہ ملاقات ہو گی، اب اجازت......؟''

ایمان محض مسکرا دی اور ان کے جانے کے بعد طویل سانس بھر کے پھر سے نیم دراز ہو گئی۔ خاتون واپس بیٹھک میں آئیں تو لبوں پہ ایک مستقل مسکان تھی۔ موسیٰ نے سب کی نگاہ بچا کر وکٹری کا نشان بنا کر ہارون کو دکھایا۔ وہ خوش دلی سے مسکرا دیا۔

''بھائی صاحب...... ! ہم ایک خاص مقصد کے تحت آئے تھے۔ بچی کی عیادت کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے ہارون بیٹے کے لئے ایمان بیٹی کا ہاتھ مانگنا ہے۔ ہمارا بچہ آپ کے سامنے ہے۔ اس کے علاوہ آپ جس قسم کی چاہیں تسلی کرا لیں۔ ہم انتظار کر لیں گے، مگر بات اصل یہ ہے کہ ہمیں بس ہاں سننی ہے۔''

خاتون نے بہت رواداری اور سبھاؤ سے بات کی تھی، مگر بیٹھک میں موجود تمام نفوس ایک دم ٹھٹک گئے، سوائے ولید حسن کے کہ وہ پہلے سے ہی آگاہ تھا۔ تاؤ جی سب سے پہلے حواسوں میں لوٹے اور اڈ لے چوٹ پہ ایک قہر بھری نگاہ ڈالی تھی اور گلا کھنکار کر کچھ کہتے کہتے ہونٹ بھینچ گئے کہ بیٹے کا شدید انکار دھیان میں آ گیا تھا۔

''آپ سوچ کر ہمیں جواب دے دیجئے گا۔ میں نے کہا ناں کہ ہم انتظار کر لیں گے۔''

خاتون نے اس معنی خیز خاموشی سے اپنی مرضی کا مطلب اخذ کر کے گویا ان کی مشکل آسان کرنا چاہی۔ ولید اپنی جگہ بری طرح سے جزبز تھا۔ غلطی یہ ہوئی تھی کہ مختصراً سہی، وہ باپ کو اپنے نئے فیصلے سے آگاہ نہیں کر پایا تھا اور اب جان پہ بنی ہوئی تھی۔

پاپا نے اس عجیب چوایشن میں گرفتار ہو کر پریشانی سے بڑے بھائی کو دیکھا، مگر وہ سر جھکائے ہوئے تھے۔ عجیب مجرمانہ سا انداز تھا۔ ان کی نگاہ ولید حسن کی سمت اُٹھی جو انہی کو دیکھ رہا تھا۔ نگاہ میں اضطراب تھا، التجا تھی۔ وہ بے ساختہ مسکرائے اور نگاہوں ہی نگاہوں میں گویا بھتیجے کو تسلی دی تھی۔

''اس عزت افزائی کے لئے تھینکس محترمہ...... ! مگر مجھے افسوس ہے کہ ہم آپ کو مایوس لوٹا رہے ہیں۔ ایکچوئلی میری بیٹی تو بہت سال قبل سے ہی میرے بھتیجے سے منسوب ہے۔ ولید حسن، آپ ملے ہیں اس سے۔''

انہوں نے انگلی سے اس کی سمت اشارہ کر کے کہا۔ اس کی سمت سب نے دیکھا تھا۔ وہاں تو یک لخت گویا سوگ کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ پھر وہ لوگ زیادہ دیر رکے نہیں تھے۔

''مجھے ایک بار پھر افسوس ہے۔ پلیز...... ! آپ مائنڈ مت کیجئے گا۔''

پاپا نے انہیں رخصت کرتے ہوئے کہا تھا اور ہارون کا دوائی ان کا ہاتھ تھپک کر بہت ضبط سے مسکرایا تھا۔

☆☆☆

ایک بار پھر وہ رات کو اسی جگہ پہ اکٹھے ہوئے تھے۔ بیچ میں الاؤ بھی روشن تھا، مگر آج ان کے بیٹھنے کی ترتیب بہت خوب تھی۔ ماہتاب کے ساتھ فضہ کی چیئر تھی، جبکہ ولید کے پہلو میں وہ فروکش تھی۔ البتہ اشعر اکیلا تھا اور خوب بسورا بھی تھا۔

''میں چاچو سے سخت خفا ہوں۔ آخر ایک اور بیٹی کا اضافہ کر لیتے تو میرا بھی بھلا ہوا ہوتا۔ میری باری پہ آ کر ہی انہیں خاندانی منصوبہ بندی کا خیال آنا تھا...... ! ہائے ہائے...... ! نہ کوئی اور چاچو، اور نہ اس چاچو کی اور بیٹی......؟ ارے ظالم...... ! میں کیا کنوارہ ہی رہوں گا......؟''

''اچھا...... ! بس بھی کرو یار...... ! کیا رونا پیٹنا ڈالا ہوا ہے......؟ ہماری شادیاں ہو لینے دو، تمہارا بھی انتظام کرتے ہیں۔''

ولید نے مسکرا کر ٹکڑا لگایا تھا۔

''تو میں کیا تب تک ایسے ہی بے رنگ زندگی گزارتا رہوں جس میں کسی بادِ صبا کا جھونکا نہ ہو......؟''

''ہم بھی اب تک کوئی رنگوں سے نہیں کھیلتے رہے ہیں......؟ سو پلیز......! بکواس بند کرو۔''

ولید نے جھڑکا تو وہ منہ لٹکا کر بیٹھ گیا۔

''ہائے ہائے......!

مطلب نکل گیا ہے تو پہچانتے نہیں
یوں جا رہے ہیں جیسے ہمیں جانتے نہیں''

وہ لہک لہک کر دہائی دینے لگا۔ ایمان کا ہنستے ہنستے برا حال ہونے لگا۔

''کبھی تو روئے گا وہ بھی کسی کی بانہوں میں
کبھی تو اس کی ہنسی کو زوال ہوتا ہے
ملیں گی ہم کو بھی اپنے نصیب کی خوشیاں
بس انتظار ہے کب یہ کمال ہوتا ہے''

وہ دانت پیس پیس کر گویا بددعائیں دینے لگا۔

''ایمی......! وہ ایک مثل مشہور ہے ناں......! کوؤں کی بددعاؤں سے ڈنگر نہیں مرا کرتے۔''

ولید کو سب سے زیادہ مزہ آ رہا تھا اسے جلا کر۔ اشعر نے آہ بھری پھر فضہ کی طرف رُخ کر کے روہانسا ہو کر بولا۔

''بعد مرنے کے میرے تم جو کہانی لکھنا
کیسے برباد ہوئی میری جوانی لکھنا
یہ بھی لکھنا میرے ہونٹ ہنسی کو ترسے
کیسے دن رات بہا آنکھوں سے پانی لکھنا''

''یہ نہ بھی لکھے میں لکھ دوں گا، تم مرو تو سہی......!''

ولید نے پھر اسے زچ کیا۔ ان سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''حد ہے یعنی بے حسی کی۔''

وہ چلبلانے لگا، پھر جیسے موڈ بدل کر بولا تھا۔

''میں ایک شعر پڑھوں گا، آپ چاروں میں سے کسی ایک نے جواب دینا ہے۔ ویسے عاقب بھائی......! پچھلی بار کا ایوارڈ ولی بھائی نے جیتا تھا، اس بار آپ بازی لے جانے کی کوشش کیجیے۔ جی......! تو شعر ہے...... آہم آہم......!

بکنے والے اور بھی ہیں جا کر خرید لو محسن!
ہم لوگ قیمت سے نہیں، قسمت سے ملا کرتے ہیں''

ولید نے عاقب کی سمت دیکھا، وہ خجالت سے مسکرا دیا۔

''یار......! تم ہی دے دو، مجھے نہیں آتے شعر ویر۔''

ولید نے کاندھے اُچکا دیے، پھر آہستگی مگر گمبھیر لہجے میں بڑے جذب سے گویا ہوا تھا۔

''اگر چاہوں تو اک نگاہ میں اس کو خرید لوں فراز
جس کو ناز ہے بہت کہ بکتا نہیں ہوں میں''

''ویل ڈن......!''

فضہ اور ایمان نے بے ساختہ اسے داد دی۔ اشعر کا البتہ منہ اُتر گیا تھا۔

''اب میں کچھ سناتی ہوں۔''

''کھری کھری سنائیں، وہ بھی ولی بھائی کو۔''

ایمان کے کہتے ہی اشعر نے لقمہ دیا۔ وہ ہنسنے لگی۔ پھر بڑے انداز سے بولی۔

''دل اس راہ پہ چلتا ہی نہیں
جو مجھے تم سے جدا کرتی ہے''

''گڈ......!''

ولید نے اس کے کان میں مدھر سرگوشی کی جس کے نتیجے میں اس کے گلابی ہونٹوں پہ مسکراہٹ کی کلیاں کھل اٹھیں۔

''زندگی میری تھی مگر اب تو
تیرے کہنے میں رہا کرتی ہے''

''امیزنگ......! یہ دن بھی ہم نے دیکھنے تھے......؟ خدایا......! یہ خواب تو نہیں......؟''

اس کی شرارت عروج پہ پہنچنے لگی۔ ایمان کی آنکھوں کی روشنیاں جگمگانے لگیں۔

''اس نے دیکھا ہی نہیں ورنہ یہ آنکھ
دل کا احوال کہا کرتی ہے''

''اب تو خیر یہ شکوہ بے جا ہے۔ ہم دل و جان سے فدا ہیں محترمہ......!''

وہ پھر سے بھاری آواز میں گویا ہوا۔ ایمان نے گویا اس مداخلت پہ گھورا تھا۔ وہ سہمنے کی اداکاری کرنے لگا۔

''دیکھ تو آن کے چہرہ میرا
اک نظر بھی تیری کہا کرتی ہے''

''ابھی تو کچھ بھی نہیں جناب......! شادی کے بعد ہم دکھائیں گے آپ کو، آپ کے چہرے کی قوسِ قزح۔''

اس کی بوجھل سرگوشی میں سراسر شرارت کا عکس تھا۔ ایمان کا چہرہ حیا آمیز خفگی سے رنگین ہونے لگا۔

اس نے جھینپ کر اس کے کاندھے پہ مکا دے مارا تھا۔

''شام پڑتے ہی کسی شخص کی یاد
کوچۂ جاناں میں صدا کرتی ہے''

''یار...... ! شام نہیں، دوپہر کہو...... ! شام کو تو میں گھر آ جاتا ہوں ناں...... !''
وہ بسورا، مگر ایمان نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔

''مجھ سے بھی اس کا ویسا ہی ہے سلوک
حال جو تیرا انا کرتی ہے''

''چھوڑو ڈارلنگ...... ! پرانے قصے ہیں۔''
وہ آنکھیں بند کر کے گنگنایا۔ سبھی اس کی حاضر جوابی اور برجستگی پہ مسکرا رہے تھے۔

''دکھ ہوا کرتا ہے کچھ اور بیان
بات کچھ اور ہوا کرتی ہے''

''کریکٹ...... ! یہ بالکل درست کہا آپ نے...... ! واقعی ہم نے ہمیشہ اپنا دکھ ڈیلیٹ کر رکھا۔''
وہ داد دینے والے انداز میں جھوم کر بولا تو ایمان نے کسی قدر خفگی سے اسے گھورا تھا۔
''ہم کا صیغہ استعمال مت کریں آپ...... ! میں نے ایسی حماقت نہیں کی۔''
''افوہ...... ! یار...... ! یہ لڑکی ساری زندگی مجھے اسی بات پہ رگیدے گی......؟''
اس نے منہ لٹکا کر گویا عاقب سے شکایت کی۔
''ہاں...... ! تو رگیدنا بھی چاہئے۔ حماقت ہی کر رہے تھے تم...... !''
عاقب نے بھی ایمان کی سائیڈ لی تو ایمان اسے انگوٹھا دکھاتے ہوئے ہنسنے لگی۔ وہ خجل سا ہو کر سر پہ ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔
''حاضرین...... ! ہم پہ پھر آمد ہو رہی ہے، بہتر ہے فائدہ بہرہ ور ہو جائیں۔''
اشعر نے ایک دم شور مچا دیا۔ سب نے تالیاں بجا کر آمد کو خوش آمدید کہا تو وہ باچھیں چیر کر ''آداب آداب'' کرنے لگا۔

''بھی گر آنے میں مصلحت حائل
یار آنا کوئی ضروری تھا
دیکھئے ہوگئی غلط فہمی
مسکرانا کوئی ضروری تھا''
لیجئے بات ہی نہ یاد رہی !
گنگنانا کوئی ضروری تھا
گنگنا کر میری جواں غزلیں
جھوم جانا کوئی ضروری تھا
مجھ کو پا کر کسی خیال میں گم
چھپ کے آنا کوئی ضروری تھا
اف! وہ ذلفیں وہ تاکنی وہ ہنسی

یوں ڈرانا کوئی ضروری تھا
اور ایسے اہم مذاق کے بعد
روٹھ جانا کوئی ضروری تھا
کیسی لگی......؟''
وہ دانت نکوس کر پوچھ رہا تھا۔
''زبردست...... ! سب سے زیادہ داد ایمان نے دی تھی، پھر اتنی ہی سنجیدگی سے بولی تھی۔
''ویسے اشعر...... ! بالفرض تمہاری بھی کوئی گرل فرینڈ ہو تو کیا تم اسے بھی ایسی ہی چغد...... میرا مطلب ہے، مزاحیہ شاعری میں تعریفیں کرو گے......؟''
''جی کیوں نہیں...... میں اسے ایسی چغد...... میرا مطلب ہے، مزاحیہ شاعری سنا سنا کر اتنا ہنساؤں گا کہ اس کے پیٹ میں مسلسل ہنسنے سے درد ہو جائے گا۔''
''بہت اچھے خیالات ہیں آپ کے، جبھی میرا خیال ہے کہ کسی لڑکی نے آپ کو دوستی کا شرف نہیں بخشا کہ پیٹ کا درد کوئی افورڈ نہیں کر سکتا۔''
نفسہ نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ اشعر نے کاندھے اچکا دیئے۔ پھر بے رخی سے بولا تھا۔
''کر لو آپ لوگ جتنی باتیں مجھے کرنی ہیں۔ آج میں اکیلا ہوں ناں...... ! اس لئے۔ میری والی کو بھی آ لینے دیں، پھر میں اس کے ساتھ مل کر آپ لوگوں پہ پھبتیاں کسا کروں گا۔''
''اور انشاءاللہ وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔''
''ہائیں...... ! آپ مجھے بددعا دے رہے ہیں......؟ میں اماں کو بتاؤں گا۔''
اشعر نے منہ بنا کر کہا۔ ولید نے بے نیازی سے کاندھے جھٹک دیئے تھے اور مسکرا کر بولا تھا۔

''ایک ہی فن تو ہم نے سیکھا ہے
جس سے ملئے اسے خفا کیجئے
ہے تفاخر میری طبیعت کا
ہر اک کو چراغ پا کیجئے''

وہ ہنسا، پھر بولا۔
''خیر...... ! یہ مذاق تھا۔ اب ذرا حال دل بھی عرض ہے۔ پلیز...... ! آداب کہئے۔''
وہ شوخ ہوا۔ وہ سب جھک کر فرشی سلام کرنے لگے۔

''یہ تھوڑا سا جیون
ادھورا سا موسم
یہ رنگوں کی چاہت
گلابوں کی حسرت
یہ روشن سویرے

یہ مدہم اندھیرے
کسی روز تنہا ملو تو بتائیں
خیالوں کی راہیں
چھلکتی نگاہیں
وفائیں نبھانا
ادائیں دکھانا
یہ اک سلسلہ ہے
مگر فیصلہ ہے
اگر جان جاؤ
تو احساس رکھنا
اسے راز رکھنا
کرو ایک وعدہ
بنا لو گے اپنا
ملاقات کو تم
نیا نام دو گے
کسی روز تنہا ملو تو بتائیں
ہماری محبت ہماری ادائیں"

"ویری ویل ڈن......!"

فضہ اور عاقب نے دل کھول کر داد دی جبکہ ایمان روشن مسکراتی نگاہوں سمیت اسے دیکھ رہی تھی۔ تب ہی تاؤ جی شاید واش روم میں آئے تھے، انہیں وہاں دیکھ کر خفا ہونے لگے۔

"چلو......! جاکے سو دو اپنے اپنے کمروں میں۔ اتنی رات گئے درختوں تلے بیٹھے ہو بے وقوفو......!"

اور وہ سب اپنی اپنی مسکراہٹ دباتے رفو چکر ہو گئے۔ مگر آسمان کے سیاہ تھال پہ چمکتے ستارے محبت کے ان سنہری لمحات کا کچھ عکس محفوظ کر چکے تھے۔

☆☆☆

تاؤ جی تک جیسے ہی ولید کی رضامندی پہنچی، انہوں نے اگلے ہفتے کی ہی منگنی کی تاریخ طے کر دی تھی۔ مگر ولید منگنی کی بجائے نکاح کا خواہاں تھا۔

"ہے ہے......! باؤلا ہوا ہے لڑکا......! کہاں سرے سے نہیں مان رہا تھا......؟ اب منگنی پہ بھی صبر نہیں، نکاح پر زور ڈال دیا ہے......؟ پھر کہے گا رخصتی بھی کریں ساتھ......!"

تاؤ جی نے اس کے لتے لیے تھے، مگر اس نے چالاکی یہ کھیلی کہ دادو کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ پھر انہوں نے ہی انہیں منایا تھا۔ پاپا کو تو خیر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

"تو بھی بتا رے پتر......! تجھے بھی نکاح کروانا ہے تو......؟"

تاؤ جی نے عاقب حسن سے پوچھا تو وہ جھینپ کر مسکرا دیا۔

"نہیں بابا......! آپ منگنی ہی کر دیں۔ میں ہر دور کو انجوائے کرنا چاہتا ہوں، منگنی کا الگ چارم ہے۔"

اور تاؤ جی نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ ایمان نے جانا تو ایک بوکھلا اٹھی۔

"کیا ضرورت تھی یہ شوشہ چھوڑنے کی......؟"

"ضرورت تھی ناں......! یہ میں تمہیں پھر بتاؤں گا۔"

اس کی نگاہیں پھر بے لگام ہونے لگیں تو ایمان کو راہ فرار ڈھونڈنا پڑا تھا۔ تیاریوں میں بیچ کے دن گویا پر لگا کر اڑ گئے۔ حرا آپا بھی کئی دن پہلے ہی اپنے بچوں کے ہمراہ آ گئی تھیں۔ گھر میں ہر روز ہلہ گلہ ہوتا، رات کو ڈھولک بجائی جاتی اور اشعر اپنے خود ساختہ گیتوں سے سب کو خوب ہنساتا، مگر اس رات آپا نے اچانک ولید سے فرمائش کر دی تھی۔

"ولید......! تو سنا کوئی اچھا سا گانا......!"

وہ بھی جانے کس موڈ میں تھا کہ فوراً ہی تیار ہو گیا۔ اشعر بھاگ کر سب کو بلا لایا۔

"ولی بھائی......! اپنی شادی کی خوشی میں گانا سنانے لگے ہیں۔"

وہ چیخ چیخ کر سب کو اکٹھا کرتے ہوئے کہتا رہا تھا۔

"میں یہ گیت ڈیڈیکیٹ کروں گا اپنے چاچو کی بیٹی ایمان ارتضیٰ کو جو چند دنوں میں میری منکوحہ ہو جائیں گی، یعنی ایمان ولید حسن......!"

اس نے تاؤ جی اور تائی کے سامنے جب یہ بات کہی تو ایمان ایک دم بری طرح سے شرما گئی۔ جبکہ ولید دلربائی اور اعتماد کے ساتھ بڑی دلچسپی اور شوق کے عالم میں اس کا حیا آلود گلاب چہرہ تکتے ہوئے خوب صورت آواز میں گنگنانے لگا۔

"ہمیں تم سے ہوا ہے پیار
ہم کیا کریں
آپ ہی بتائیے
ہم کیا کریں
آپ سے بھی حسین ہیں
آپ کی یہ ادائیں
ہم کس ادا پہ
کیوں نہ مریں
ہمیں تم سے ہوا ہے پیار
ہم کیا کریں

آپ ہی بتائیں
ہم کیا کریں"

وہ اس کے گھورنے کی پرواہ کیے بغیر مسکراتے ہوئے اس گانے کو وہیں چھوڑ کر دوسرا گانا گنگنانے لگا۔

"تیرے چہرے سے نظر ہٹتی نہیں
ہم کیا کریں
ہم تو دیوانے ہوئے ہیں صنم
ہم کیا کریں
تیرے چہرے سے نظر ہٹتی نہیں
ہم کیا کریں"

تب ہی فضہ چائے لے آئی۔ وہ سب جو بے سُروں میں تالیاں بجا رہے تھے، مسکراتے ہوئے چائے کی سمت متوجہ ہوگئے۔ جبکہ اس کی افسانوی سی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"تیری آنکھوں کو دیکھ کر دلبر
کتنے نغمے لکھے ہیں چاہت کے
اپنے نازک لبوں سے کہہ دو ناں
ہم ہی الفاظ دو محبت کے
دل کی یہ پیاس کبھی بجھتی نہیں
ہم کیا کریں
تیرے چہرے سے نظر ہٹتی نہیں
ہم کیا کریں"

وہ خاموش ہوا تو سب نے تالیاں بجا کر اسے داد دی تھی۔ لیکن جب تاؤ جی نے اسے پانچ سو کا نوٹ نکال کر دیا تو اشعر اٹھ کر بھنگڑا ڈالنے لگا تھا۔

"شاوا شاوا
شادی تاں سجدی
جے نچے منڈی دی ماں"

وہ تائی ماں کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی کھینچنے لگا۔ تائی ماں نے ہنستے ہوئے ہاتھ چھڑا لیا تھا۔

☆☆☆

ولید کی خواہش تھی، ایمان کا برائیڈل ڈریس وہ خود پسند کر کے لائے۔ کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا.....؟ مگر جب یہ اجازت مل گئی تو اس نے ایک اور خواہش ظاہر کر دی، ایمان کو ساتھ لے جانے کی۔ جس کی کچھ تامل سے سہی، مگر بہرحال اجازت مل گئی تھی۔

"اٹھو فٹافٹ.....! تیار ہو جاؤ.....!"

وہ اپنی فتح پہ سرشار مسکراتا ہوا اس کے پاس آ کر چٹکی بجا کر بولا۔ ایمان مسکراتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس نے اپنی وارڈروب کھولی تو کوئی بھی لباس اس قابل نہ لگا کہ آج کے دن پہن کر جا سکے۔ بہت دیر تک اسی اُلجھن میں مبتلا رہنے کے بعد اس نے بلیو جینز کے ساتھ آف وائٹ چکن کا ٹاپ اور جینز کا اپر سلیکٹ کیا تھا۔ چینج کرنے کے بعد اس نے لانبے بالوں کو سلجھا کر کیچر میں جکڑ دیا۔ آئینے میں خود کو دیکھا اور مطمئن ہو کر باہر آ گئی۔ یقیناً ولید اسی تاخیر کی وجہ سے اوپر آیا تھا، اس سے ٹکراؤ برآمدے میں ہی ہو گیا۔

"سوری.....! آپ کو ویٹ کرنا پڑا۔ ایکچوئلی مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی، کون سے کپڑے پہنوں.....؟"

"یہ کپڑے پہن کر جاؤ گی.....؟"

ولید نے ایک نگاہ اس کے سانچے میں ڈھلے دلکش و سڈول سراپے پہ ڈال کر سنجیدگی سے سوال کیا تو ایمان قدرے کنفیوز ہو گئی تھی۔

"کیا اچھے نہیں لگ رہے.....؟"

"ایمان.....! یہاں بیٹھو.....!"

ولید نے اسے واپس کمرے میں لا کر بیڈ پر بٹھا دیا۔

"ایک بات کہنے لگا ہوں، بہت دھیان سے سننا ہے، اوکے.....!"

وہ اس کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہوا اسی سنجیدگی سے بولا تو ایمان اس کی سنجیدگی سے خائف ہونے لگی۔

"اگر ہم اپنے اردگرد غور کریں تو دیکھیں گے کہ دُنیا میں موجود ہر انمول اور قیمتی چیز کو اللہ نے سب کی نظروں سے دُور، بہت چھپا کر ڈھیروں پرتوں کے نیچے بہت پیار سے رکھا ہوا ہے۔ چاہے وہ پہاڑوں کی چٹانوں کے تلے چھپے جواہرات ہوں یا پھر سمندر کی تہہ میں موجود سیپ کے اندر چھپے نادر و نایاب موتی۔ ہر بیش قیمت چیز ہمیں بہت حفاظت سے دُنیا کی آلائشوں سے پاک محفوظ رکھی نظر آئے گی۔
بالکل ایسا ہی ایک قیمتی اور گراں قدر خزانہ عورت کی ذات بھی ہے جس کا وجود اتنا ارزاں ہرگز نہیں کہ ہر نظر بآسانی اس تک رسائی حاصل کر سکے۔ لہٰذا خود کو نایاب اور انمول بناؤ۔ تاکہ ہر اٹھنے والی نگاہ از خود تمہارے احترام میں عزت سے جھکنے پر مجبور ہو جائے۔"

کس قدر گہری بات اس نے اس قدر شائستگی، نرمی اور خوب صورتی سے کہی تھی کہ ایمان کو برا بھی نہیں لگا اور ایک اہم خامی کی سمت اشارہ بھی کر دیا گیا۔ وہ آہستگی سے مسکرا دی۔

"آپ چلیے.....! میں دوبارہ چینج کر کے آتی ہوں، اور اس مرتبہ آپ کو انتظار کی زحمت بھی نہیں اٹھانا پڑے گی۔"

اس کے لہجے میں خفیف سی شوخی تھی۔ ولید جیسے ہلکا پھلکا سا ہو کر مسکراتا باہر نکل گیا۔ ایمان نے دوبارہ کپڑوں کی الماری کھولی اور بلوچی کڑھائی کا وہی گولڈن براؤن سوٹ نکال لیا۔ اسے اپنی ٹیچر سے سنی وہ بات یاد آ گئی تھی جو انہوں نے لیکچر کے دوران کہی تھی۔

"دیکھ لو......! آدم و حوا علیہم السلام کا لباس شیطان نے اُتروا دیا۔ جب وہ بے لباس ہوئے تو خدا نے انہیں زمین پر بھیج دیا۔ اب وہی شیطان پھر تمہارا لباس چھین رہا ہے۔ ابنِ آدم و بنتِ حوا کا لباس مختصر سے مختصر، لباس کم نظر آتا ہے، جسم زیادہ۔ یا اگر لباس پورا ہے بھی تو ایسی شیپ میں کہ وجود کے خدوخال کو نمایاں و اجاگر کرتا ہے۔ ذرا سوچیں......! آدم علیہ السلام تو جنت سے نیچے زمین پر آ گئے تھے۔ تم زمین سے کدھر جاؤ گے......؟ اس سے نیچے تو دوزخ ہے۔"

وہ دوبارہ کھینچ کر کے نیچے آئی تو ولید حسن کی نگاہیں اسے تکتے لو دینے لگی تھیں۔

"تھینکس فار دس آفر......!"

"مائی پلیژر......!"

تائی ماں نے اسے گلے سے لگا کر بہت ساری دُعاؤں کے ساتھ فی امان اللہ کہا اور وہ خوب صورت احساسات کے ساتھ پہلی بار اس کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔

"ماشاء اللہ......! اس فرمانبرداری کے مظاہرے سے تو مجھے لگ رہا ہے محترمہ ساری عمر مجھے سر آنکھوں پہ بٹھائیں گی۔"

پُر شوق نظریں، آنچ دیتا ہوا لہجہ، وہ پھر سے اپنی ٹون میں واپس آ گیا تھا۔

"لیکن صرف اچھی اور جائز بات......!"

اس نے اُنگلی اُٹھا کر تصحیح کی اور ولید حسن مسکرانے لگا۔

"تمہیں پتا ہے، جب تم نے بابا سے میرے ساتھ کالج جانے سے انکار کیا تو مجھے کتنا غصہ آیا تھا......؟ اور میں نے کون سی بددُعا تمہیں دی تھی......؟"

گاڑی کی اسپیڈ بڑھاتے ہوئے اس نے گفتگو کا رُخ پھیرا۔ ایمان نے نفی میں سر ہلا کر دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ مسکرا دیا تھا۔

"وہ بددُعا تمہیں لگی ہے، جبھی تم اس وقت میرے ساتھ بیٹھی ہو، یعنی عمر بھر میرے ہی ساتھ سفر کرنے کی۔"

ایمان نے جھینپ کر اسے ایک گھونسا دے مارا تھا۔ شاپنگ کے دوران ولید نے اپنی نہیں، اس کی پسند کو اولیت دی تھی۔ مگر جب لہنگے کے انتخاب کا مرحلہ آیا، تب ولید نے اس کی رائے بھی گوارہ نہیں کی تھی اور گولڈن کلر کا لہنگا پیک کرنے کا کہا تھا۔ ایمان نے منہ بنا لیا۔

"کوئی اور کلر دیکھ لیں ناں......! یہ فیشن میں اتنا اِن نہیں ہے۔"

"ڈونٹ وری......! ہم پینڈو لوگ ہیں، فیشن کی دوڑ میں ہمیشہ پیچھے رہتے ہیں۔"

اس نے کاندھے جھٹک دیے تو ایمان نے مزید کچھ نہیں کہا تھا۔ مگر جب نکاح کے بعد اسے فوٹو سیشن کے لئے ولید کے ساتھ لا کر بٹھایا گیا، تب وہ ہی نہیں، جتنے لوگوں نے بھی اسے دیکھا، کئی تانیے پلکیں جھپکانا ہی بھول گئے تھے۔ سر اُٹھاتی حسین جوانی کا روپہلا قیامت خیز حسن اس سج دھج اور آرائش کے ساتھ ہوش ربائی کے جلووں کی بجلیاں گراتا دیکھنے والی نگاہوں کو چکا چوند کر رہا تھا۔

ولید تو اس کے جلووں کی تاب نہ لاتے ہوئے گویا گنگ رہ گیا تھا۔ اس کے محفل میں آنے سے قبل وہ ہر کسی پہ چھایا ہوا لگ رہا تھا، مگر جب ایمان کو لا کر بٹھایا گیا تو گویا قدرت کی کوئی حسین تخلیق مکمل ہو گئی تھی۔

"اگر میری محبت روشنی کی صورت ہوتی تو تم اتنی روشن ہو جاتیں کہ جہاں بھی اندھیرے میں قدم رکھتیں، اُجالا ہو جاتا۔"

ولید حسن نے اس کی سمت جھک کر بوجھل سرگوشی اس کی سماعتوں میں اُتاری، جس نے اس کے چہرے کو حیا بار کر دیا۔

"اگر میری محبت خوشبو کی صورت ہوتی تو تم اتنی معطر ہو جاتیں کہ جہاں بھی جاتیں، ساری فضائیں مہک اُٹھتیں۔"

دھیمے، مخمور سرگوشیانہ انداز میں اپنے دل میں سنبھالے بے تاب اظہار کو اس کی سماعتوں کی نذر کیا۔ ایمان کچھ اور جھینپ گئی اور لرزتی پلکوں کی جھالریں اُٹھا کر اسے دیکھا، مگر وہ چند لمحوں سے زیادہ دیکھ نہیں پائی۔ اس کی نگاہ کی وارفتگیوں نے اسے پلکیں جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"اگر میری محبت خوشی کی صورت ہوتی تو دُنیا تمہیں دیکھتے ہی مسکرانے لگتی۔ مجھے دُنیا میں ایسا کوئی نظر نہیں آتا جو میری محبت کی گہرائیوں کی شدتوں کو ناپ سکے۔"

اس سہانے سمے جب سب ہی مہمان پنڈال سے اُٹھ کر کھانے کے لئے چلے گئے تھے، تب ولید نے اپنا شرعی حق استعمال کرتے ہوئے پہلی بار اس کے ہاتھ پہ اپنے ہونٹ رکھتے ہوئے بہت گمبھیر لہجے میں ایک اور اقرار کیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے، میں کبھی دوست نہیں بنا پایا۔ ایسا دوست جو مجھے محسوس کر سکے، میں بارش میں چل رہا ہوں، میرا چہرہ پانی سے تر ہو مگر وہ میرے آنسوؤں کو پہچان لے، میرے مسکراتے چہرے کی آڑ میں چھپے غم کو پہچان لے، میری خاموشی کے پیچھے بولتے لفظوں کو سن سکے، میرے غصے میں چھپی میری محبت کو دریافت کر سکے۔

ایمان......! تمہیں پتا ہے۔ ایسا میرا صرف ایک ہی دوست تھا، اور وہ ہے اللہ......! میں نے اللہ سے تمہاری محبت تمہاری دوستی مانگی تھی۔ کرو گی مجھ سے دوستی......؟"

وہ اپنا ہاتھ پھیلائے عہد چاہ رہا تھا۔ ایمان نے کچھ کہے بغیر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھ کر عہد نبھانے کا عزم کیا تھا۔

☆☆☆

جس روز نکاح ہوا، اسی شام فضہ اور عاقب کی منگنی کا بھی اہتمام تھا۔ ایمان نے ہر ہر لمحہ سے خوشی کشید کی تھی۔ شام کی تقریب کے لئے اس نے الگ سے تیاری کی تھی۔ شارٹ سلک کا پاؤڈر، پنک شلوار سوٹ جس پر پرلز اور اسٹون کا انتہائی نازک اور خیرہ کن کام جھلمل جھلمل کر رہا تھا، اس کی سفید اُجلی رنگت پہ بے حد جچ رہا تھا۔ زرقون سے سجی جیولری نے اس کی خوب صورتی کو اور بھی دلفریب بنا دیا تھا۔

اشعر سے اس نے تازہ گجرے منگوائے تھے جو فضہ کے کمرے میں تھے کہ بیوٹیشن وہیں اسے تیار کر

رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں تیار ہو کر نیچے جانے کو جیسے ہی دروازے سے نکلی، ساتھ والے کمرے سے کسی آ کے ہاتھ نے ایک دم اس کی کلائی تھامی اور ایک جھٹکے سے اپنی جانب گھسیٹ گیا۔ اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ کا گلا منہ پہ جما دیے جانے والے ہاتھ نے گھونٹ دیا۔

تقریب کا اہتمام نیچے تھا، اس وقت اوپر شاید ہی کسی کی موجودگی کا امکان ہو۔ اپنے ہی گھر میں ہونے والی اس واردات نے ایمان کے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ وہ حواسوں میں لوٹتے ہی تھرا کر پلٹی اور اپنے بے حد نزدیک کھڑے ولید حسن کو دیکھ کر صحیح معنوں میں بھونچکی ہو گئی۔

''مائی گاڈ...... یہ کیا حرکت تھی......؟''

وہ بے طرح جھلائی۔

''جب تم پہنچ سے دور تھیں، تب بھی فاصلے پہ تھیں۔ اب جبکہ جائز رشتہ ہے، فاصلے تب بھی برقرار ہیں......؟ اس کی وجہ......؟ یہ خوب صورت سی واردات اسی احتجاج کا ایک انداز ہے۔''

وہ جو بے خود سا کھڑا اس کا یہ دلکش روپ نگاہ کے رستے دل میں اُتار رہا تھا، اس پر جھک کر سرگوشی میں کہتے ہوئے اسے ایک دم اپنی بانہوں کے حصار میں جکڑ لیا۔ ایمان کو کہاں اس سے ایسی بے محابا کی توقع تھی......؟ اس کے لو دیتے حصار میں چند ثانیے گم صم کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اس کی گرم سانسوں، آنچ دیتی قربت نے اپنا احساس بخشا تو وہ اگلے ہی لمحے کرنٹ دکھانے والے انداز میں اسے دھکیل کر سرعت سے فاصلے پہ ہوئی تھی۔ وہ تمام تر توجہ، تمام تر شوخی سے اس کے حیا سے دہکے خفا خفا چہرے کو دیکھ کر سرشاری انداز میں ہنس دیا۔

''بہت بدتمیز ہیں آپ......!''

اس کی گستاخ نگاہوں کی آنچ سے پگھلتی وہ سرعت سے باہر جانے کو لپکی تھی، جب ولید نے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''مائنڈ کیا......؟''

وہ جواب دیے بنا ہونٹ کاٹتی رہی۔ وہ اس کی پلکوں کے سائے کو گالوں پر نقش دیکھتا رہا۔ پھر کسی قدر شریر انداز میں بولا۔

''یار......! ساری دنیا نے ہمیں گلے لگا کر نکاح کی مبارک باد دی، جبکہ میں سمجھتا ہوں، اس مبارک باد اور گلے ملنے کا حق سب سے زیادہ ہم دونوں کا تھا۔''

سرشاری کی حدت سے اس کا لہجہ پھر سے بہکنے لگا۔ ایمان نے حیا بار خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

''اگر کوئی دیکھ لیتا، کیا سوچتا ہمارے بارے میں......؟''

اس کے خوف پہ ولید نے شوخ سا قہقہہ لگایا تھا۔ پھر ایک بار اس کا راستہ روکتا ہوا وہ بولا تھا۔

''جبھی تو کہہ رہا ہوں، ابھی مت جاؤ، ابھی اس خوب صورت حادثے کے تمام آثار تمہارے چہرے پر سجے ہوئے ہیں۔''

اس کے بھاری لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ ایمان کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔

''کیا مطلب......؟''

''مطلب......؟''

ولید نے سر کھجایا تھا اور پھر بھاری مگر شوخ لہجے میں اسے دیکھ کر گنگنانے لگا۔

''ابھی گھر نہ جانا
یہ بکھری سی زلفیں
یہ پھیلا سا کاجل
یہ بے چین آنکھیں
یہ سمٹا سا آنچل
تیرے حال سے لوگ
پہچان لیں گے
تجھے دیکھ کر
سب جان لیں گے
یہ بہکے قدم لڑکھڑاتی جوانی
یہ بے تاب دل اور محبت دیوانی
شفق جیسے گالوں پہ
بکھری ہوئی ہے
تیرے ہونٹوں کی
اک مہکتی نشانی
تیرے جسم سے اڑتی
میری یہ خوشبو
سنائے گی ہر اک
کو ساری کہانی
قدم جب جائے اپنا
من اک فسانہ
سنو جان جاناں
ابھی گھر نہ جانا
یہ کہہ رہے ہیں''

وہ بے حد ہراساں و متوحش ہو کر پوچھنے لگی، اور ولید حسن کا قہقہہ ہوا میں گونج اٹھا۔ وہ جان گئی اسے تنگ کیا جا رہا ہے۔ جبھی خفگی سے اسے گھور کر اس کی پکاروں کو نظر انداز کرتی ہوئی کمرے سے نکل بھاگی تھی۔

☆☆☆

ہر ایک دونوں نئے جوڑوں کی وجہ سے ایک بار پھر پوری فیملی کی دعوت کی تو، ولید اس کے لئے

پہننے کو اپنی پسند کا سوٹ خرید کر لایا۔ ڈبہ اس کے سامنے پھینک کر وہ بے نیازی سے بولا تھا۔

"شام کو یہی کپڑے پہن کر تیار ہونا۔"

فضہ اتنی متجسس ہوئی کہ فوراً پیکٹ کھولنے لگی۔ میرون کلر کا بہت اسٹائلش سوٹ تھا۔ فضہ نے بے ساختہ تعریف کی۔

"لیکن ولید......! میرے اور فضہ کے لئے تو تائی ماں نے سوٹ اپنی پسند سے پہلے ہی نکال دیئے ہیں۔"

ایمان نے واش بیسن کے آگے کھڑے ہو کر پانی کے چھپاکے منہ پہ مارتے ولید سے کہا تھا۔ تائی ماں نے بہت شوق سے دونوں کے ایک جیسے لباس دیکھے تو پہننے کی فرمائش کر دی تھی۔ گو کہ ایمان کو وہ سوٹ اتنا خاص پسند نہیں تھا، لیکن وہ محض تائی ماں کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی، جبھی وہی سوٹ پہننے کا ارادہ کر لیا تھا۔

"نہ نہ میری دھی...... ! تو یہی سوٹ پہن جو تیرے سر کا سائیں لے کر آیا ہے۔ میں نے تو یوں ہی اک بات کہہ دی تھی۔ اسے پھر کسی دن پہن لینا۔"

تائی ماں اس کی اس سعادت مندی پہ نہال ہی ہو اٹھیں تھیں۔ اچھا تو ولید کو بھی بہت لگا تھا مگر اس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ اماں کی طرح نہ اس کی بلائیں لینے کی پوزیشن میں تھا نہ ہی ماتھا چوم کر گلے لگانے کی۔ البتہ آئینے میں دکھائی دیتے اس کے عکس پہ نظریں جما کر جتانے والے انداز میں بولا تھا۔

"بس...... ! ہو گئی تسلی...... ! اب رات کو اسے ہی یہ اعزاز بخش دیجئے گا۔"

ایمان کچھ جھینپ سی گئی، جبھی اسے منہ چڑھا کر وہاں سے بھاگ گئی تھی۔ مگر شام کو جب وہ تیار ہو کر آئی تو ولید مکمل تیاری کے ساتھ صحن میں کرسی پہ بیٹھا چائے پیتے ہوئے ساتھ ساتھ فضہ کو بھی زچ کر رہا تھا۔

کریمی کے وائٹ کرتا شلوار پہ میرون دھسا اپنے چوڑے شانوں پر ڈالے وہ اتنا وجیہہ لگ رہا تھا کہ اسے اپنی دھڑکنیں منتشر ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔

"اچھا لگ رہا ہوں ناں......؟"

وہ سیڑھیاں اتر کر آنگن میں اس کے پاس آئی تو ولید کے سوال پہ آنکھیں پھیلا کر رہ گئی۔

"اب یہ مت کہنا کہ مجھے کیا پتا......؟ محترمہ...... ! ہم آپ کا ٹھٹکنا ملاحظہ کر چکے ہیں۔"

اس کے جتلانے پر وہ کھسیا گئی۔

"بہت خوش فہم ہیں۔"

"خوش فہمی نہیں محترمہ...... ! اسے خود آگاہی کہتے ہیں۔"

"وہ اترایا۔ پھر کسی قدر نخوت سے بولا تھا۔

"ویسے اگر تعریف کر دیتیں تو انا کے اونچے مینار کی بلندی میں کچھ خاص فرق نہ پڑتا۔ میں بھی تو کرتا ہوں تمہاری تعریف۔"

"یہ آپ کا کام ہے، کرتے رہیں۔"

وہ بے نیازی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔ ولید اسے دیکھ کر رہ گیا۔ راستے میں جب ان کی گاڑی حا

آپا کے گاؤں کی حدود میں داخل ہوئی تو ولید نے عاقب سے کہہ کر گاڑی رکوا دی تھی۔

"خیریت......؟ کچھ بھول آئے ہو......؟"

عاقب نے گردن موڑ کر اچنبھے سے اسے دیکھا اور وہ گہرا سانس کھینچ کر بولا تھا۔

"یار...... ! مجھے اس وقت ایک جوک یاد آ رہا ہے۔ میں اسے شیئر کرنا چاہتا ہوں، تم لوگوں سے۔"

"ہاں تو کرو...... ! گاڑی رکوانے کی کیا ضرورت تھی......؟"

عاقب نے تحیر سے اسے دیکھا اور پھر سے گاڑی کو اسٹارٹ کرنا چاہا، مگر ولید نے اسٹیئرنگ وہیل پہ رکھے اس کے ہاتھوں پہ اپنا ہاتھ رکھ کے گویا یہ کوشش ناکام بنا دی تھی، پھر کسی قدر سنجیدگی سے بولا تھا۔

"ایک آدمی اپنے ہمسائے کے گھر چارپائی مانگنے گیا تو صاحب خانہ نے دروازے پہ ہی اسے روک لیا مدعا سن کر بولے۔

بھائی...... ! ہمارے گھر میں بھی صرف دو ہی چارپائیاں ہیں۔ ایک پہ میں اور میرے ابا سوتے ہیں، جبکہ دوسری چارپائی پر میری اماں اور بیوی سو جاتے ہیں۔"

اس آدمی نے ہمسائے کی بات سنی اور جواباً بولا۔

"بھائی...... ! چارپائی نہیں دینی تو نہ دو۔ لیکن اپنی ترتیب تو صحیح کر لو۔"

اس نے جتنی سنجیدگی سے جوک سنایا تھا، ان تینوں کا مشترکہ قہقہہ اسی قدر بلند تھا۔

"بات صرف ہنسنے کی نہیں ہو رہی ہے جناب...... ! ہمیں بھی اپنی ترتیب صحیح کرنی چاہئے۔ اگر یہاں آپ کے پہلو میں فضہ جی اور میں اپنی زوجہ کے ساتھ ہوتا تو ذرا تصور کریں، یہ سفر کیسا سہانا ہو سکتا تھا......؟"

وہ کچھ توقف سے بولا تو لہجہ ہنوز شرارتی تھا۔ عاقب نے اب کی بار اپنی مسکراہٹ چھپالی تھی۔

"تو گویا آپ نے یہ ترتیب صحیح کرنے کی خاطر گاڑی رکوائی تھی......؟"

عاقب نے گہرا سانس بھر کے اس کی صورت دیکھی تو وہ کاندھے جھٹک کر بولا تھا۔

"یہ قیاس آدھا صحیح کیا جا سکتا ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

عاقب حیران ہوا۔

"گاڑی اس لئے رکوائی ہے کہ فضہ جی کو آپ کے پہلو میں بٹھا دیا جائے اور ہم یہاں آپ کو تنہا چھوڑ دیں تاکہ آپ کو بھی تھوڑا رومانس کا موقع مل سکے۔"

اس نے کسی قدر شوخ مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے اتر کر پچھلا دروازہ کھولا اور حیران نظر آتی ایمان کا ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔

"بائے...... ! ہم آپ سے آپا کے گھر پہ ملاقات کرتے ہیں۔"

وہ انہیں ہاتھ ہلانے لگی۔ عاقب سر جھٹک کر رہ گیا جبکہ فضہ جھینپ گئی تھی۔

"کیا کر رہے ہیں......؟ میں اتنی دور تک مارچ پاسٹ نہیں کر سکتی۔"

ایمان نے گاڑی کو بڑھتے دیکھ کر بے اختیار احتجاج کیا تو ولید نے جواباً اسے بے حد خاص نگاہوں

سے دیکھا۔

''نہیں چل سکتیں تو ہم ہیں ناں...... ! بخوشی اٹھا لیں گے آپ کو...... !''

ایمان اس کی نگاہوں کی بہکتی چمک پا کے ذھنک سے گھور بھی نہ سکی۔

''آپا کا گاؤں بہت خوب صورت ہے۔ میں یہاں کچھ یادگار وقت گزارنے کا متمنی تھا۔''

سیاہ تارکول کی سڑک پر ہوا خشک پتے اُڑا رہی تھی۔ وہ ان ہی خشک پتوں کو روند کر چلتا ہوا مزے سے بولا۔ سڑک کے دونوں جانب کھیت تھے۔ وہ سڑک کنارے سفید پھولوں کے جھنڈ کو دیکھ کر رُک گئی اور جھک کر کچھ پھول توڑ کر مٹھی میں قید کر لئے۔ موڑ مڑتے ہی سنبل کے درختوں کا سلسلہ تھا۔ تیکھی ہوا کی شرارت سے لانبے درخت ذرا سا جھکتے اور روئی کے سفید گالوں سے فضاء بھر جاتی۔ ایمان نے مبہوت ہو کر روئی کے ان گالوں کو دھیرے دھیرے زمین پر اُترتے دیکھا تھا اور ولید حسن نے اس نازک بے حد حسین لڑکی کو۔

''ایمی...... !''

وہ ہنوز اسی منظر میں گم تھی جب ولید حسن نے اسے پکارا۔

''جی...... ! وہ چونکی اور سوالیہ نگاہوں سے اسے تکنے لگی۔

''وہ دیکھو ادھر...... !''

اس نے اونچی نیچی پگ ڈنڈی کی سمت اشارہ کیا جو شہتوت اور سفیدے کے درختوں کے بیچ سے گزرتی نہر تک جا رہی تھی۔

''آؤ...... ! دوڑ لگاؤ بھئی...... ! جو پہلے نہر تک پہنچا، وہی ونر...... ! ٹھیک ہے...... ؟''

اس کے لہجے میں بچوں کی سی معصومیت اور جوش تھا۔ ایمان نے نہ چاہتے ہوئے بھی ہامی بھر لی۔

''اوکے...... ! اسٹارٹ...... ! ون...... ! ٹو...... ! تھری...... ! گو...... !''

ولید نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور اگلے ہی لمحے دونوں بھاگ پڑے تھے۔ ولید تمام تر کوشش کے باوجود اس سے پہلے رننگ اسٹینڈ تک نہیں پہنچ پایا جبکہ اس کا سانس بھی پھول چکا تھا۔

''میں جیت گئی...... ! میں جیت گئی...... !''

وہ بچوں کی طرح اُچھل اُچھل کر تالیاں بجاتے ہوئے ہنس رہی تھی۔ ولید نے رُک کر اس کے اس انداز کو بہت دلچسپی سے دیکھا تھا۔ اس کے دل کی بے ایمان اُبھرتی دھڑکنوں نے اسے شرارت پہ اُکسایا اور اس نے آگے بڑھ کر ایک دم سے بازوؤں میں لے کر گھما ڈالا۔

''تم ہنستی اچھی لگتی ہو، ہمیشہ ہنستی رہنا۔''

وہ اس پہ جھک کر بے حد شوخی سے گنگنایا۔ اس کی چمکدار آنکھ میں بلا کی شرارت تھی۔ ایمان کا چہرہ کچھ غصے، کچھ شرم سے سرخ پڑا تھا۔ حیا کے غلبے اور لمس کی میٹھی میٹھی دہکتی ہوئی مدہوشی اپنی جگہ تھی مگر اسے ولید کی یہ جسارت خفت زدہ کر گئی تھی۔

''نہیں چھوڑیں...... ! آپ کو شرم نہیں آتی ہے...... ؟''

زبردستی اس سے الگ ہو کر وہ بے ترتیب دھڑکنوں پہ بمشکل قابو پاتے ہوئے لرزتی آواز میں بولی۔

''جس نے کی شرم
اس کے پھوٹے کرم''

وہ جواباً اسی ڈھٹائی سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر وارفتگی سے بولا۔

''میں ان لمحات کو یادگار، حسین اور خوب صورت بنا دینا چاہتا ہوں ایمی...... ! تاکہ جب ہم بوڑھے ہو جائیں تو پھر اپنے بچوں کو یہ قصے سنا کر خود بھی محظوظ ہوں اور انہیں بھی کریں۔''

دھیما، جذباتی، بے قابو سا لہجہ ایمان کو کانوں کی لوؤں تک سرخ کر گیا۔

''یہ بچے کہاں سے آ گئے بیچ میں، حد ہے بھئی...... !''

وہ بے طرح جھینپتی جز بز سی ہوتی اس سے نظریں چرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''میں بھی بڑھاپے کی بات کر رہا ہوں، ابھی کی نہیں...... ! ویسے میں بچوں کے بعد بھی تمہیں یوں ہی چاہتا رہوں گا۔ وہ ایک شعر سنا ہے تم نے...... ؟''

معاً وہ رُک کر سر کھجانے لگا جیسے ذہن پر زور ڈال رہا ہوں۔

''میں وہ عاشق ہوں جو اپنے بچوں سے حسد کرتا ہے
اپنی ماں سے لپٹ جاتے ہیں جب وہ پیار کے ساتھ''

اس نے بڑے ہی شوخ و شنگ سے انداز میں شعر پڑھا تھا، پھر اسے دیکھ کر ایک آنکھ دبا کر بولا تھا۔

''ایسا ہی شوہر ثابت ہونے والا ہوں میں تمہارے لئے...... !''

''بہت شکریہ جناب...... ! اب گھر چلیں، آپا انتظار کر رہی ہوں گی۔''

وہ اس کے رومانٹک موڈ سے خائف، کتراتے ہوئے انداز میں بولی تو ولید نے منہ بنا لیا تھا۔

''ابھی تو جان چھڑا رہی ہو ناں مجھ سے، کبھی سر پہ ہاتھ رکھ کر یاد کرو گی مجھے۔''

''کیوں...... ؟ آپ کہیں تشریف لے جانے والے ہیں کیا...... ؟''

ایمان کو اس کی بات چبھی تھی، جبھی نخوت سے کہہ ڈالا۔

''ہاں...... ! جانا تو ہے۔''

وہ جیسے ایک دم سنجیدہ ہوا۔ ایمان نے قدرے چونک کر اسے دیکھا تھا اور وہ مضطرب ہو اٹھی۔

''کہاں جانا ہے آپ کو...... ؟ بتائیے...... !''

''یار...... ! ابھی تو نہیں جا رہا، بتا دوں گا۔''

وہ جیسے صاف ٹال رہا تھا، بلکہ اپنے منہ سے پھسل جانے والی بات پہ خود کو کوس رہا تھا۔

''جانا کہاں ہے...... ؟ ولید...... ! بتائیں مجھے ابھی اسی وقت۔''

ایمان نے بے اختیار اس کا بازو پکڑ کر روکا۔ وہ یوں گہرا سانس بھر کے رہ گیا گویا ہار مان لی ہو۔

''جس کمپنی میں پارٹ ٹائم جاب کر رہا ہوں ناں میں، ان کی طرف سے چار چھ ماہ کے لئے فارن کنٹری بھیجا جا رہا ہے مجھے۔ یہ تقریباً ایک سال قبل کی بات ہے جب میں نے بھی اپنا نام لکھوا دیا تھا۔ اب میری سلیکشن ہو گئی ہے تو بس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہ رہا ہوں۔ میرے اس ٹور اور وہاں حاصل کئے جانے والے

تجربے کی بدولت نہ صرف میری سیلری میں اضافہ ہوگا، بلکہ میری پروموشن بھی ہو جائے گی۔ میں نے منگنی کی بجائے نکاح کا آئیڈیا بھی اسی لئے دیا تھا کہ اس بندھن کو پائیدار کرنا چاہتا تھا۔"

"آپ نہیں جارہے ہیں ولید......!"

اس نے گویا پوری بات سنی ہی نہیں تھی۔ ولید نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

"کیا مطلب......؟"

"مطلب واضح ہے۔ آپ نہیں جائیں گے۔ آپ کے لئے یہاں بھی ترقی کے چانسز ہیں۔"

وہ اپنی بات پہ زور دے کر بولی تو ولید نے سرکو نفی میں جنبش دی تھی۔

"میرے خواب بہت اونچے ہیں ایمان......! ان تک رسائی کی خاطر مجھے مستقل جدوجہد کرنا ہے۔"

"آپ سب کچھ یہاں رہ کر بھی تو کر سکتے ہیں ولید......؟"

"صرف چند ماہ کی تو بات ہے۔"

وہ زچ ہوا۔

"مہینے صدیاں بن جاتے ہیں ولید......! جب یہ انتظار میں گزارنے ہوں۔ بس......! میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔"

اس کا لہجہ دوٹوک اور قطعی تھا۔ ولید نے ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھا تھا پھر نرمی سے بولا۔

"اچھے بچے ضد نہیں کرتے۔"

"میں بڑی ہو چکی ہوں، اب بچی نہیں ہوں۔"

وہ نروٹھے پن سے بولی تو ولید ہنس پڑا۔

"او کے......! اچھی بیویاں ضد نہیں کرتیں۔ اب ٹھیک......؟"

"ولید......! بحث مت کریں۔ میں کہہ چکی جو مجھے کہنا تھا۔"

اس نے اب کے کسی قدر غصے سے کہا تو ولید کو بھی تاؤ آ گیا۔

"تم بھی ضد مت کرو، مجھے جانا ہے اور ہر صورت جانا ہے، انڈر اسٹینڈ......!"

اس نے کسی قدر برہمی سے کہا اور قدموں کی اسپیڈ بڑھا دی۔ ایمان اس سے پیچھے رہ گئی تھی۔

☆☆☆

"یہ اب جو موڑ آیا ہے
یہاں رک کر کئی باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے
سنا ہے ایک صحرا کے سفر میں
راستے میں دو قدم بھٹکیں
تو منزل تک پہنچنے میں
کئی فرلنگ کی دوری نکلتی ہے
سو اب جو موڑ آیا ہے

یہاں رک کر
کئی باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے"

وہ تب سے بے حد خاموش تھی، گم سم، حیران، پریشان۔ فضہ کو تو اس کی کیفیت نے پریشان کر ڈالا۔ آپا اور عاقب الگ وجہ پوچھتے رہے۔ وہ "ہوں، ہاں" کر کے چپ ہو گئی۔ ولید البتہ نارمل تھا۔ ویسے ہی شوخ جملے، ویسی ہی ہنسی، مذاق و برجستگی۔

"کتنا آسان ہوتا ہے مرد کے لئے کسی بھی بات کو کہہ دینا، اسے منوا لینا۔"

اس نے مگن سے انداز میں آپا کے بچوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے ولید کو دیکھ کر سوچا تھا۔

"تم نے کچھ کہا ہے ایمان سے......؟"

عاقب کے سوال پہ وہ صاف منکر ہو گیا تھا۔

"میں کیا کہوں گا......؟ سارے راستے ہنساتا لایا ہوں۔ پوچھ لیں جو کوئی بھی نازیبا حرکت کی ہو۔ کیوں ایمی......؟"

اسی بہانے ولید کو بھی اس سے براہِ راست بات کرنے کا موقع ملا تھا۔ مسکرا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا، مگر ایمان نے کوئی تاثر دیئے بغیر نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا۔ عاقب کو جیسے اپنی بات کا ثبوت مل گیا۔ جبھی ولید جھنجھلاہٹ کا شکار ہوتا سر کھجانے لگا تھا اور دعوت سے واپسی پر جب آپا نے انہیں تحائف دے کر رخصت کیا، تب تک ولید کی بھی تمام خوش مزاجی جیسے مفقود ہو چکی تھی۔

"اب ترتیب صحیح نہیں رکھنی ہے کیا......؟"

ایمان کو پچھلی سیٹ پہ فضہ کے ساتھ بیٹھتے دیکھ کر عاقب نے شرارت سے کہا تھا۔

"فضہ آگے نہیں آئے گی، عاقب بھائی......! آپ گاڑی چلائیں، جسے بیٹھنا ہے، بیٹھے۔ ورنہ مرضی ہے۔"

وہ نروٹھے پن سے بولی تو ولید گہرا سانس کھینچ کر دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھ پر آئندہ سیٹ کرنے کی۔"

وہ بھڑک کر بولی تھی۔ ولید کا بڑھا ہوا ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن ہو گیا۔ چہرے پہ ایک رنگ سا آ کے گزر گیا۔ عاقب نے مسکراہٹ چھپائی تھی۔ جبکہ فضہ الجھن زدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ولید نے ایک کیسٹ سلیکٹ کی اور ٹیپ آن کر دی۔

"مجھے تم چپکے چپکے سے اکیلے جب بھی دیکھتی ہو
اچھی لگتی ہو
کبھی زلفوں سے کبھی آنچل سے جب کھیلتی ہو
اچھی لگتی ہو"

وہ دانستہ ساتھ ساتھ گنگنانے لگا۔ ایمان کا پارہ چڑھ رہا تھا، مگر ہونٹ بھینچے ضبط کرنے لگی۔

"مجھے دیکھ کے جب تم ٹھنڈی آہیں بھرتے ہو

اچھے لگتے ہو
مجھ کو جب لگتا ہے تم مجھ پہ ہی مرتے ہو
اچھے لگتے ہو

تم میں اے مہرباں ساری ہیں خوبیاں
بھولا پن، سادگی، دلکشی، تازگی
تم ہو نے ہم نشیں میں ہوتی اور حسیں
تعریف جو کروں کے تم شرما جاتی ہو
اچھی لگتی ہو
کبھی ہنس دیتی ہو اور کبھی اترا جاتی ہو
اچھی لگتی ہو"

جب اس نے ذرا سا رُخ پھیر کے اسے براہِ راست مبہم شوخ نگاہوں کی زد پہ رکھا تو ایمان کا دل جواب دینے لگا۔

"عاقب بھائی......! ذرا ٹیپ تو آف کریں پلیز......!"

اس نے ماتھے پہ تیوریاں ڈال کر کہا تو ولید مچل اٹھا تھا۔

"کیا ہے بیوی......! دیکھنے پہ پابندی......؟ ساتھ بیٹھنے پہ پابندی......؟ اب میوزک سے دل تو بہلا لینے دو......!"

"میں آپ کے منہ نہیں لگنا چاہتی۔"

وہ نروٹھے پن سے کہتی ہوئی منہ بگاڑ کر بولی تو ولید نے جواباً آنچ دیتی بے لگام نظروں سے اسے دیکھا اور ذومعنی لہجے میں بولا تھا۔

"اسے منہ لگنا تو نہیں کہتے ولید......! اتنے فاصلے سے یہ ممکن ہے بھی نہیں......!"

ایمان خفت، حیا اور شرمندگی سے اپنے چہرے سے بھاپ نکلتی محسوس کرنے لگی۔ اس نے دیکھا، فضہ کھڑکی سے باہر دیکھتی گویا دونوں کو اگنور کیے ہوئے تھی، جبکہ عاقب گاڑی ڈرائیو کرنے میں محو۔ مگر کیا انہوں نے اس کی فضول بات کو نہ سنا ہوگا......؟

اسٹوپڈ......!

اس نے ہونٹ بھینچ لیے اور باقی کا راستہ خاموشی سے کٹا، جبکہ ٹیپ ہنوز چل رہا تھا۔

"سوچتا ہوں کہ میں کیا پکاروں تمہیں
دلنشیں، ماہ رو، نازنیں، ماہ جبیں
میرے اتنے سارے نام میں جب تم یہ کہتے ہو
اچھے لگتے ہو اچھے لگتے ہو"

ایمان نے اس کی نگاہوں کی تپش کو محسوس کرنے کے باوجود نظریں نہیں اٹھائیں۔ گاڑی گھر کے سامنے رکی تو سب سے پہلے وہی اتر کر اندر گئی تھی۔ ولید نے ہونٹ بھینچے اسے جاتے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سوچ کے متفکر رنگ گہرے ہوتے چلے گئے تھے۔

رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر واپس آیا تو اشعر ٹی وی کے آگے بیٹھا نیوز سن رہا تھا۔

"سب لوگ کدھر ہیں......؟"

"سب سے مراد اگر آپ کی ایمان سے ہے تو وہ اوپر ہیں۔"

اشعر نے کسی قدر شرارت سے جواب دیا تو وہ کچھ سوچتا ہوا کمرے سے نکل کر سیڑھیوں کی سمت آیا۔ ابھی دو تین اسٹیپ ہی اوپر آیا تھا کہ عاقب سیڑھیاں پھلانگتا ایک دم اس کے سامنے آ گیا۔

"آؤ یار......! بیٹھتے ہیں کچھ دیر اور......!"

ولید کے کہنے پہ عاقب نے سرکوشی میں جنبش دی تھی۔

"میرا دل نہیں لگے گا۔ فضہ گئی ہے ناں......!"

اس نے شرارتی انداز میں کہا تو ولید مسکرایا تھا۔

"اور میری والی محترمہ......؟"

"جاگ رہی ہیں، جایئے جایئے......!"

عاقب اسے پیش کرتا خود سائیڈ سے ہو کر باقی ماندہ سیڑھیاں پھلانگ گیا۔ وہ اوپر آیا تو ایمان کتابیں کھولے بیٹھی تھی۔ ٹی وی بھی چل رہا تھا۔

"اس طرح کروگی تو پھر ہو چکی پڑھائی......؟"

ولید نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کر دیا، مگر ایمان کی لاتعلقی اور بے نیازی میں کمی نہیں آئی۔

"اے لڑکی......! شوہر آیا ہے تمہارا، اس سے چائے کا ہی پوچھ لو......؟"

مقصد اسے چھیڑنا، زچ کرنا، کسی طور بولنے پہ اکسانا تھا۔ مگر وہ صاف اگنور کر گئی۔

"مجھے بات کرنا ہے تم سے۔"

ولید نے کہتے ہوئے اس کی کتاب بند کی تو ایمان نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"بدتمیزی مت کریں اور جائیں یہاں سے۔"

ولید نے کچھ دیر اسے دیکھا، پھر بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

"تم روٹھ جاؤ مجھ سے ایسا کبھی نہ کرنا
میں اک نظر کو ترسوں ایسا کبھی نہ کرنا
میں پوچھ پوچھ ہاروں سو سو سوال کر کے
تم اک جواب نہ دو ایسا کبھی نہ کرنا
مجھ سے ہی مل کے ہنسنا مجھ سے ہی مل کر رونا
مجھ سے بچھڑ کے جی لو ایسا کبھی نہ کرنا
تم چاند بن کے رہنا میں دیکھتا رہوں گا

کسی روز تم نہ تھکو ایسا کبھی نہ کرنا
تم چلے جاؤ جب بھی دیکھوں تمہارا راستہ
تم لوٹ کے نہ آؤ ایسا کبھی نہ کرنا''

اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ ایمان کو اپنی ناراضگی زائل ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ جو لب بھینچے ہوئے تھی، اسے دیکھ کر کچھ کہنے لگی تھی کہ ولید نے ہاتھ اُٹھا کر اسے روک دیا تھا۔

''پہلے بتاؤ......! اب بھی خفا ہو گیا......؟''

''ولی......! میں آپ سے کب خفا رہنا چاہتی ہوں......؟''

وہ عاجز ہونے لگی۔

''پھر کیا تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے......؟''

اور ایمان نے نظریں چرا لی تھیں۔ ولید نے ٹھنڈا سانس کھینچا، پھر کچھ توقف سے بولا تھا۔

''میں تمہارا اسیر ہو چکا ہوں جانِ من......! اب کہیں نہیں جا سکتا۔ ٹرسٹ می......!''

''ٹھیک ہے......! اب جائیں......!''

ایمان نے غصے سے کہا تو ولید نے منہ بنا کر اسے دیکھا تھا۔

''ایسے نہیں......! مسکرا کے اجازت دو......!''

''کوئی زبردستی ہے کیا......؟''

وہ تلملائی۔

''ہاں......! زبردستی ہے......!''

ولید نے بے نیازی سے کاندھے اُچکائے تو ایمان ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھنے لگی۔

''پتا نہیں کیوں ولی......! میرا دل ڈر رہا ہے۔ کوئی انجانے سے خدشات ہیں جو وہمی بنا رہے ہیں۔ پلیز......! مت جائیے ناں......!''

وہ بجھی ہونے لگی۔ ولید نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے پُر حدت مضبوط ہاتھوں میں لے لیے۔ کچھ دیر اس کی آنکھوں میں ڈولتے آنسوؤں کی نمی میں اپنا عکس تکتا رہا، پھر آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''تمہاری انگشتری کے نگ میں
میری محبت چمک رہی ہے
اگر کبھی یہ گماں بھی گزرے کہ
میں تمہیں بھولنے لگا ہوں
تو اس نگینے کو دیکھ لینا
میری نگاہوں کی جگمگاہٹ
تمہاری نگاہوں سے یہ کہے گی
سنو......! محبت خوش گماں ہے

اگر کوئی بغض کا مارا
فلک سے ٹوٹا ہوا ستارہ
تمہارے سینے میں وسوسوں کے
کسیلے خنجر اُتارتا ہو
تو اس سے پہلے کہ رو پڑو تم
تو اس سے پہلے کہ جل بجھو تم
تو اس سے پہلے کہ یہ کہو تم
وہ عہد و پیماں سب غلط تھے
سحر کے امکاں سب غلط تھے
تو اپنی انگشت ماہ وش پر
گلاب چہرہ جھکا کے کہنا
سنو وہ سچ مچ ہی بے وفا ہے
تمہارا روتا سوال سن کر
وہ شوخ رنگ مسکرا پڑے گا
تمہاری پلکوں پہ ہونٹ رکھ کر
تمہارے گالوں کو تھپتھپا کر
حسین انگشتری کہے گی
سنو......! محبت تو خوش گماں ہے''

وہ خاموش ہوا اور پھر اس کے خاموشی سے بہتے آنسو بہت توجہ، محبت اور دھیان سے اپنی پوروں پہ سمیٹ لیے۔

''سنو......! کرو گی نا ایسا......؟''

اور ایمان کے پاس سر کو اثبات میں ہلا دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

''گڈ......!''

وہ بے طرح خوش ہو گیا۔

''میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

وہ اُٹھ گئی تھی۔ ولید وہیں بیٹھے بیٹھے نیم دراز ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنے والے وقت کے سہانے سپنے تھے۔ تو آنے والا وقت جس کے بارے میں کوئی بھی کچھ نہیں جانتا، سوائے رب کے۔

☆☆☆

''میرے ویران کمرے کی کھلی کھڑکی سے
جب ٹھنڈی ہوا کا کوئی جھونکا

میری آنکھوں سے تیری یاد کے آنسو چراتا ہے

تو میرے سرد کمرے میں بھی ہر چیز کے اندر

تمہارے ہونے کا احساس پھر سے جاگ اُٹھتا ہے

یہاں جب شام ڈھلتی ہے

میری ہر نظم کی بانہیں

تیرے احساس کو خود میں سمو لینے کی خواہش میں

جو وا ہوتی ہیں تو صبح تک گرتی نہیں تھک کر"

وہ کسی کام کی غرض سے وہاں آیا تھا۔ ہارون کمرے میں نہیں تھا۔ ہیٹر آن تھا۔ اسٹڈی ٹیبل پر کھلی ڈائری کے صفحے کے اندر پین یوں پڑا تھا، جیسے وہ ابھی لکھتا ہوا اُٹھ کے گیا ہو۔ موحد کی نگاہیں اس کے لکھے الفاظ پہ ٹھہریں اور ڈھیروں تپش سمیت لائیں۔

☆☆☆

اس نے یوں ہی بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ نگاہوں کو پھر سے صفحے پہ جمایا تو آنکھوں کی حدت بے تحاشہ بڑھ چکی تھی۔

"میری بک شلف میں رکھی ہوئی ساری کتابوں پر

تمہاری اُنگلیوں کا لمس اب بھی دل کو چھوتا ہے

تیرے ملبوس سے اُٹھتی ہوئی مدہوش کن خوشبو

میرے کاندھے پہ اپنے ہونٹ رکھتی ہے

میری ہر سوچ کے ہر خواب کو

خود میں جکڑ کر توڑ دیتی ہے

یہ تیری مختلف سی بے بسی ہے کہ

میں جب بھی جینے لگتا ہوں

یہی خوشبو، یہی آہٹ

چھڑا کے ہاتھ مجھ سے

مجھ کو اس انجان دُنیا میں

اکیلا چھوڑ دیتی ہے"

موحد نے ڈائری واپس نہیں رکھی تھی۔ شدید طیش کے عالم میں دیوار سے کھینچ ماری۔

"ایمان ارتضیٰ شاہ.....! ہارون کاردوانی کے سوا ہر نام کو بھول جاؤ۔ میں تمہیں کسی اور کا نہیں ہونے دوں گا۔ یاد رکھنا..... ! اگر اس روئے زمین پر تم کسی مرد کی ہوئیں تو وہ صرف میرا بھائی ہوگا۔"

اس کی سوچوں میں بھی آگ بھڑک اُٹھی تھی۔ دروازے کو ٹھوکر سے بند کرتا وہ راہ میں آئی ہر شئے کو گراتا ہوا آندھی طوفان کی طرح باہر نکلتا چلا گیا تھا۔

چند لمحوں کے توقف سے واش روم کا دروازہ کھول کر ہارون کاردوانی تولیے سے گیلے بال خشک کرتا اندر آیا تھا۔ تولیہ صوفے پہ اُچھال کر ڈائننگ ٹیبل کی سمت بڑھتے ہوئے اس کی نگاہ ہی نہیں، قدم بھی ٹھٹک گئے تھے۔ کچھ ثانیے وہ یوں ہی متحیر سی نگاہ سمیت غیر یقینی کے عالم میں دیوار کے ساتھ کارپٹ پر اوندھی پڑی اپنی ایمان ڈائری کو دیکھتا رہا تھا، پھر آہستگی سے آگے بڑھ کر جھکتے ہوئے ڈائری اُٹھالی۔

''بہر حال یہ جرأت کسی ملازم کی نہیں ہو سکتی تھی۔''

ڈائری واپس ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے انٹر کام کا ریسور اٹھایا تھا۔

''صابر......! ابھی کچھ دیر قبل میرے کمرے میں کون آیا تھا......؟''

''چھوٹے صاحب......!''

''یعنی موحد......؟ تم کنفرم ہو صابر......؟''

وہ کچھ دیر خاموش کھڑا دوسری سمت کی بات سنتا رہا، پھر مزید کوئی ایک لفظ بھی کہے بغیر ریسور رکھ دیا۔

اس کی آنکھوں میں اتری حیرت کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

''وہ تم کو سوچنے کی عادت ہوگئی ہے
کہ مجھ کو بھی محبت ہوگئی ہے
تجھے ہے فکر دنیا اور مجھ کو
فقط تیری ہی چاہت ہوگئی ہے
ستم گر! کیا خبر تجھ کو محبت
عبادت تھی اذیت ہوگئی ہے
ہمارے دل پہ اپنا ہاتھ رکھ دو
بہت بے تاب حسرت ہوگئی ہے
بہلنے سے بہلتا ہی نہیں اب
یہ دل کی کیسی حالت ہوگئی ہے''

سوچوں نے اسے مضمحل کر دیا تھا۔ وہ تنہائی سے گھبراتی نیچے چلی آئی۔ ولید کے جانے کی خبر اب پورے گھر کو ہو چکی تھی۔ تائی ماں کے سوا اور کسی نے بھی احتجاج نہیں کیا تھا۔ شام ہونے کو تھی۔ دھوپ آنگن کے فرش سے رینگتی دیوار کے اوپر چڑھ رہی تھی۔

صحن میں لگی ٹونٹی قطرہ قطرہ ٹپکتی تھی اور جس جگہ یہ پانی کا قطرہ گرتا تھا، وہاں ایک ننھا سا گڑھا بن گیا تھا۔ ایک چھوٹے پروں والی چڑیا اس گڑھے میں اپنی چونچ ڈال کر پانی پی رہی تھی۔ چڑیا نے سیراب ہو کر اپنے پر زور سے پھڑ پھڑائے، تب وہ جو خالی الذہن کی کیفیت میں اسے دیکھ رہی تھی، چونکی اور سر جھٹک کر نیچے چلی آئی۔

آنگن میں بچھی دونوں چارپائیاں خالی تھیں۔ سکھ چین کے درخت سے ہر دم گرنے والے پتے بیٹھے ہوئے تھے، یوں جیسے کسی نے کچھ دیر قبل ہی جھاڑو لگائی ہو۔ وہ آہستگی سے چلتی کچن میں آ گئی۔ فضہ وہیں مصروف تھی۔ وہ چھلے ہوئے آلوؤں کو میش کر کے مختلف مصالحے ملانے میں مصروف اسے دیکھ کر مسکرائی۔

''کیا بنا رہی ہو......؟''

وہ دروازے کی چوکھٹ میں ہی تھم گئی۔

''آلو کے کباب......! عاقب کو بہت پسند ہیں ناں......!''

''میں تمہاری ہیلپ کروں......؟''

اس کے سوال پر فضہ کو اتنی ہی حیرت ہونی چاہیے تھی جتنی اس کی آنکھوں سے چھلکی تھی۔ یہ وہ ایمان تھی جو بنی ہوئی چائے بھی خود سے کپ میں نہیں نکالتی تھی۔ فضہ یا پھر ماما کو اس کے لئے نئی پاٹ سے چائے نکالنا پڑتی تھی۔

''شیور......! وائے ناٹ......! تم ایسا کرو، کڑاہی میں تیل ڈال کر چولہے پر رکھو۔''

اپنی حیرت چھپا کر اس نے نارمل سے انداز میں اسے کام سونپا۔ ایمان عمل کرنے لگی۔

''فضہ......! آپ کا فون ہے۔''

ولید حسن اپنے دھیان میں تیزی سے کچن میں آیا تھا، مگر اسے وہاں فضہ کے ساتھ لگے دیکھ کر ٹھٹکا۔

''کس کا ہے......؟''

فضہ جو بیسن گھول رہی تھی، متعجب ہوگئی۔

''شاید آپ کی کوئی فرینڈ ہیں۔''

فضہ کی بات کا جواب دیتے ہوئے بھی وہ ایمان کی سمت ہی متوجہ تھا جو فضہ کا چھوڑا ہوا بیسن خود پھینٹنے لگی تھی۔

''یہ ہماری گنہگار آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں......؟''

فضہ سیل فون سمیت کچن سے نکل گئی، تب ولید نے کسی قدر شوخی سے اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ جواب دیئے بغیر اپنے کام میں محو رہی تو ولید نے آگے بڑھ کر محض اس کی توجہ حاصل کرنے کو پیچھے سے آ کر اپنے بازو اس کے کاندھے پر پھیلا دیئے۔ اس کے خوش رو سے چہرے کے تاثرات میں خوش گواریت کا تاثر تھا۔

''معدے سے ہو کر دل کا راستہ تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے مادام......؟ آپ تو یہ معرکہ بہت پہلے سے مار چکیں۔''

دھیما، مخمور، سرگوشیانہ انداز، وہ سرعت سے ہٹ کر فاصلے پر ہوئی۔ ولید نے بہت دلچسپی سمیت اس کے گالوں پہ اترتی شفق کو دیکھا تھا۔

''پریکٹس کر رہی ہوں۔ ظاہر ہے، مجھے اسی گھر میں رہنا ہے۔ اب کاموں کی عادت بھی ڈال لینا چاہیے۔''

جواباً وہ بڑی سنجیدگی سے گویا ہوئی تو ولید نے تحیر آمیز مسرت سمیت اسے دیکھا تھا۔

''ریئلی......؟''

وہ ہنسا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر لو دیتی نگاہوں سے اس کے چہرے کو تکتا ہوا سرگوشی سے مشابہ آواز میں بولا۔

''میں بہت خوش نصیب ہوں کہ مجھے تمہاری محبت مل گئی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر خوش نصیبی یہ کہ تم ہماری محبت میں ہر مشکل کو فیس کرنے کو بھی تیار ہو۔''

''میں سب کچھ کروں گی ولید......! بس آپ باہر مت جائیے۔''

وہ ایک دم ملتجی ہوگئی تو ولید کا سارا خوش گوار موڈ ایک دم گہری سنجیدگی کی دبیز چادر میں گم ہوگیا۔

"پلیز امی...... ! ہم اس ٹاپک کو مزید ڈسکس نہیں کریں گے۔ میں تمہیں قائل کر چکا تھا ناں......؟"

ایمان نے کچھ کہے بغیر سر جھکا لیا تھا۔ وہ کچھ دیر یوں ہی اس کے جھکے سر کو دیکھتا رہا، پھر اس کا موڈ بدلنے کی غرض سے بولا تھا۔

"ویسے تمہارے لئے ایک گڈ نیوز بھی ہے۔"

آپ نہیں جا رہے ہو ناں......؟"

وہ بچوں کی طرح پُر جوش ہو کر اشتیاق سے بولی۔ ولید نے سنجیدہ قسم کی نگاہ اس پر ڈالی اور سر کو نفی میں جنبش دی تھی۔

"چاچو نے آپ لوگوں کو واپس شہر والے گھر بلوایا ہے۔"

ولید کی بات پہ ایمان نے کسی قسم کا تاثر نہیں دیا اور سر جھکائے کڑاہی میں تڑ تڑ کرتے تیل کو دیکھتی رہی۔

"تمہیں خوشی نہیں ہوئی......؟"

ولید کو واقعی اچنبھا ہوا تھا۔

"اب میری خوشیوں کی نوعیت بدل گئی ہے۔"

ایمان نے جواباً سرد انداز میں کہا تو ولید گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

"فضہ کی شادی بھی ابھی چند دنوں میں متوقع ہے۔ بابا چاہتے ہیں میری روانگی سے قبل اس قصے کو کوئی حتمی موڑ دے دیا جائے۔ چاچو کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

اس نے ایک اور اطلاع دی تھی۔ ایمان نے محض ایک نگاہ اسے دیکھا تھا اور رخ پھیر کر میش کئے ہوئے آلوؤں کے آمیزے سے بالز بنانے لگی۔

"یار...... ! کیا ہے......؟ ایسے بی ہیو کرو گی تو میں وہاں اطمینان سے کیسے رہ پاؤں گا۔ تمہاری یہ بسورتی ہوئی شکل ہی تصور میں آیا کرے گی۔"

ولید نے اس کے کاندھے کو انگلی سے ٹھک ٹھک بجا کر روٹھے ہوئے انداز میں کہا تو ایمان نے گہرا سانس کھینچا اور خود کو محض اس کی خاطر کمپوز کر کے بولی تھی۔

"اچھا ہے ناں...... ! شاید اس طرح ہی واپس جلدی آ جائیں......؟"

"میں تمہارے خوابوں کی تکمیل کی غرض سے جا رہا ہوں امی......!"

اس نے جیسے باور کرایا تھا۔ ایمان نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"مگر میرے خواب تو...... ولید...... ! میں نے کب آپ سے اپنی خواہشات کا اظہار کیا ہے......؟"

"تم نے نہیں کیا تو کیا ہوا......؟ میں خود کیا تمہارا طرزِ زندگی نہیں جانتا۔"

وہ نظریں کترا کر کہہ رہا تھا۔ ایمان نے تڑپ کر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔

"طرزِ زندگی تو فضہ کا بھی......"

"فضہ کی بات مت کرو ایمان...... ! وہ ہر طرح کے ماحول میں خود کو ڈھالنے کی صلاحیت سے مالا مال ہے۔ اور میں......؟ ولید...... ! محبت تو انسان سے سب کچھ کروا لیتی ہے۔ آپ مجھے آزما......"

"میں تمہیں آزمائش میں ہی تو نہیں ڈالنا چاہتا۔ ایمان...... ! میں نے تم سے محبت کی ہے۔ میں تمہاری پرکھ کیوں کروں......؟ جبکہ میں جانتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ یہ چند ماہ محض چند ماہ ہوں گے۔ پلیز...... ! میری خاطر......؟"

اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکال کر اپنی گرفت میں لیتا ہوا وہ اتنی لجاجت سے کہہ رہا تھا کہ ایک بار پھر ایمان کو ہی ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔

☆☆☆

"کاش ہم سمجھ لیتے
راہ میں بھٹکنے سے منزلیں نہیں ملتیں
بے سبب اُداسی میں رونقیں نہیں ملتیں
لوگ لوگ رہتے ہیں ہاتھ تھام لینے سے
ساتھ ساتھ چلنے سے ہم سفر نہیں بنتے
درد بانٹ لینے سے
کوئی چارہ گر نہیں ہوتا
اعتبار کرنے سے کوئی معتبر نہیں ہوتا
کاش ہم سمجھ لیتے
شہر جب اُجڑتے ہیں
ان کے ویراں کھنڈر میں
داستاں تو ملتی ہے آشیاں نہیں ملتی
جگنوؤں کو مٹھی میں قید کر بھی ڈالیں تو
روشنی نہیں ملتی
کاش ہم سمجھ لیتے
آس آس رہتی ہے
پیاس پیاس رہتی ہے
سراب تک پہنچنے سے تشنگی نہیں مٹتی
وفاؤں کو لوٹانے سے
جان سے بھی جانے سے
زندگی نہیں ملتی"

وہ ناشتے کی ٹیبل پہ آیا تو معمول سے زیادہ خاموش تھا۔ ماما نے بغور اپنے خوبرو بیٹے کو دیکھا جس کی خوب صورت آنکھوں میں پچھلے کچھ دنوں میں کیسی زندگی سی لوٹ آئی تھی۔ ان کا دل جانے کیا کچھ سوچ کر ملول ہونے لگا۔ انہوں نے سلائس پر بٹرنگ کی اور پلیٹ میں رکھ کر اس کی سمت بڑھا دیا۔ وہ فریش جوس کے سپ لیتا

ہوا چونکا اور ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔

''بیٹا......! ناشتہ تو اچھی طرح کر لیا کرو......!''

آفس جا کے ناشتہ کر لیتا ہوں ماما......! ڈونٹ وری......!''

وہ کوئی دُنیا کی آخری لڑکی نہیں تھی، میں تمہارے لئے......''

''نو ماما......! وہی لڑکی دُنیا کی آخری لڑکی ہے بھائی کے لئے۔ بس......! کچھ ویٹ کریں، میں سب کچھ پاسیبل بنا لوں گا۔''

اسی پل ڈائننگ ہال میں داخل ہونے والے موسیٰ نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے اتنے یقین سے کہا تھا کہ دونوں ماں بیٹے نے چونک کر اس کی شکل دیکھی تھی۔

''وات یو مین......؟''

ہارون نے کسی قدر پُرتپش نگاہ اس کے فریش چہرے پر ڈالی تھی۔ وہ اپنے لئے چائے نکال رہا تھا، اطمینان سے اس کام سے فارغ ہوا تھا، پھر مگ ہونٹوں سے لگا کر ایک سپ لیا تھا۔

''آپ موسیٰ کو ابھی تک بچہ سمجھتے ہیں لالہ......! مگر موسیٰ اب بچہ نہیں رہا۔''

اس کا لاپرواہ، بے فکر سا لہجہ اطلاعیہ تپش لئے ہوئے تھا۔

''آئی نو......! کہ تم بچے نہیں ہو۔ مگر تم کیا کرنے والے ہو......؟ مجھے بتاؤ......!''

ہارون نے ہاتھ میں پکڑا ہوا جوس کا گلاس بھی واپس رکھ دیا تھا۔

''ابھی تو نہیں بتانے والا۔''

وہ بے نیازی سے کاندھے جھٹک کر بولا تو ہارون کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔

''کل تم میرے روم میں آئے تھے......؟ اس کے بعد میں نے دیکھا میری ڈائری......''

''اوہ......! سوری لالہ......! وہ میں......''

''موسیٰ......!''

ہارون نے کرسی دھکیلی اور اُٹھ کر دونوں ہاتھ ٹیبل کی سطح پر جما کر ہلکا سا جھکتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔

''میں اپنی فیورٹ چیزوں کے متعلق بہت ایموشنل ہوں۔ تم یہ بات جانتے ہو۔ اس کے باوجود میں تمہیں دوبارہ بتا رہا ہوں تو اس کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے......؟ تم سمجھ سکتے ہو۔''

ہارون کا لہجہ معمول سے ہٹ کر تنبیہی انداز لئے بے حد سرد تھا۔ ورنہ موسیٰ کو یاد نہیں پڑتا تھا اس نے کبھی موسیٰ سے اس طرح بھی بات کی ہو۔ وہ موسیٰ کے لئے مشفق، محبت کرنے والی ہستی تھی اور بس۔

''جی لالہ......! آئی ایم سوری......! آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔''

موسیٰ نے آنکھیں چرا کر کہا تو ہارون کچھ کہے بغیر پلٹ کر کمرے سے چلا گیا۔ ماما خاموش بیٹھی تھیں۔

☆☆☆

''تیرے پیلے ہوں گے ہاتھ کڑے! تیری ہو گئی پکی بات کڑے!
تیرے من ہی من لڈو پھوٹیں اور آنکھوں سے برسات کڑے!''

تاریخ طے ہو گئی تو گھر میں شادی کا ہنگامہ جاگ اُٹھا۔ دوا کی خواہش تھی کہ شادی اسی گھر میں ہو۔ یوں پاپا نے فی الحال شہر واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ شادی کی ساری رسومات یہیں ہونا تھیں۔

ایسے میں جہاں سب کے حصے میں مصروفیت آئی تھی، اشعر نے بھی ایک کام ذمے لیا تھا۔ وہ تھا، فضہ اور عاقب کو تنگ کرنے، زچ کرنے کا، جسے وہ بہت خوبی سے نبھا رہا تھا۔ ابھی بھی اس نے فضہ کو دیکھتے ہی کچن میں ہی کھڑے ہو کر راگ الاپنا شروع کیا تھا۔ فضہ نے ایسے گھورا مگر اس پہ خاک اثر ہونا تھا، سو مگن رہا۔

''ہے سانولا رنگ، نقش تیکھا، قد کا بڑا، ہنس مکھ، سوہنا
سب دیکھ بھال کے ڈھونڈا ہے اب آگے تیری برأت کڑے!
اک نند اور دو نٹ کھٹ دیور تینوں اسکول میں پڑھتے ہیں''

''یہاں تھوڑا مضائقہ ہے، مگر شاعری میں چلتا ہے۔''

وہ ذرا سا رُکا اور دانت نکوس کر پھر سے کہنے لگا۔

''تیرے سسر ساس کے ناں تھاں کو مانے سارا کڑے!
سب اپنا آپ بھلا رکھنا سائیں سے خوب نبھا رکھنا
مردوں کے سر نہ نویں کرنے کڑیوں کی یہی ذات کڑے!
ہر وقت نماز، قرآن پڑھیں کم کاج سبھی بچ نال کریں
سبھی بولیں کہ اب ماں باپ کی ہے لاج تمہارے ہاتھ کڑے!
کہتے ہیں پیدا ہوتے ہی بیٹی پردیسن ہوتی ہے
ہو اک دیوار اِدھر چاہے یا پار سمندر سات کڑے!
مت آنکھیں بھر بھر تک بیٹی تیرا جانا ہے برحق بیٹی
یہ حکم ہے اس کا اور اس کی ذات صفات کڑے!''

فضہ کی آنکھیں جھلکتی دیکھ کر وہ اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر بزرگانہ انداز میں بولا تو فضہ نے جھلا کر اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''بہت بدتمیز ہو......! جیسے سچ مچ میرے ابا ہو ناں......؟''

فضہ کی رنگت دہک گئی، وہ دانت نکالنے لگا۔ پھر کچن سے منہ نکال کر ایمان کو آوازیں دیتے ہوئے ہانک لگائی۔

''آئیں......! ہم وہ والا گانا گاتے ہیں۔

ساڈا چڑیاں دا چنبا اے
بابل اساں اُڈ جانا''

''یہ گانا مجھے تو نہیں آتا، ویسے ضروری بھی نہیں ہے۔''

ایمان کمرے سے نکل کر چلی آئی تھی۔ ہاتھ میں زیور کا ڈبہ تھا۔ جولا کر فضہ کے آگے رکھ دیا تھا۔

''تائی ماں کہہ رہی ہیں، یہ گلو بند پہن کر دکھا دو۔''

''کیوں بھئی......؟ کیا ضرورت ہے......؟ ایسے ہی ٹھیک ہے ناں......!''

فضہ گھبرائی اور اشعر کو ایک اور موقع مل گیا، اسے زچ کرنے کا۔

''ہاں تو کیا ضرورت ہے......؟ ابھی تو عاقب بھائی بھی گھر پہ نہیں ہیں۔ وہ ہوتے تو کوئی فائدہ بھی ہوتا......؟ کوئی افسانوی ٹچ آتا سچوایشن میں......؟ خیر......! آپ کوشش تو کریں، ابھی بھی ایسا حسین واقعہ رونما ہوسکتا ہے۔ ادھر آپ اپنی مرمریں گردن سے اس گلو بند کو لپیٹیں، ادھر ٹھک سے عاقب بھائی کمرے میں آجائیں۔ ایسا ہی ہوتا ہے ناں کہانیوں میں اپی بھابی......؟''

وہ شرارتاً بولا تھا۔ آنکھیں شوخی کے احساس سے جگمگ جگمگ کر رہی تھیں۔ فضہ بے تحاشہ خجل ہوگئی۔ اسے مارنے کو دوڑی تھی مگر وہ ہاتھ آنے والا کہاں تھا......؟

☆☆☆

فضہ کی مہندی کی تقریب بہت شاندار رہی تھی۔ ایمان نے بلڈ ریڈ کلر کا بہت اسٹائلش سوٹ پہنا تھا جو اس کی دہکتی ہوئی رنگت پر بہت جچا تھا۔ میچنگ کی نگی چمکتی چوڑیاں اور مہک نے اس کی حچب ہی بدل ڈالی تھی۔ جب وہ فضہ کو رسم کے لئے پنڈال میں لے کر آئی تو ولید حسن صحیح معنوں میں مبہوت ہو کر رہ گیا تھا۔

پیلے جوڑے اور ہم رنگ کھنکھناتی چوڑیوں کے ساتھ فضہ بھی غضب ڈھا رہی تھی مگر ایمان کا حسن تو گویا شعاعیں بکھیر رہا تھا۔ سب اس سے گانے کی فرمائش کرنے لگے۔ اس کی نگاہ ایمان پر جا ٹھہری اور الفاظ خود بخود گویا زبان پر آٹھہرے۔

''گوری کرت سنگھار گوری کرت سنگھار
بال بال موتی چمکائے روم روم مہکار
مانگ سندور کی سندرتا سے چمکے چندن وار
گوری کرت سنگھار گوری کرت سنگھار''

پروین شاکر کے کلام کو اپنے جذبات کے ہم آہنگ بنا کر گایا تو ماحول میں اک سماں بندھ گیا۔ ایمان نے اس کی نگاہوں سے چھلکتے ہوئے رنگوں سے اپنا چہرہ رنگین ہوتا محسوس کیا تھا۔

''جوڑے میں جوہی کی بینی بانہہ میں ہار سنگھار
کان میں جگمگ بالی پتہ گلے میں جگنو ہار
صندل ایسی پیشانی پہ بندیا لائی بہار
گوری کرت سنگھار گوری کرت سنگھار''

اس کے لبوں پہ دل آویز مسکان تھی اور آنکھوں میں محبت کو پا لینے کا خمار۔ وہ جانتا تھا، اس وقت محفل میں موجود متعدد لوگوں کی نظریں انہیں ہی فوکس کئے ہوئے ہیں۔ مگر وہ کسی کو خاطر میں لائے بغیر ایمان کے دلکش روپ کو نگاہوں کے رستے دل میں اتار رہا تھا۔

''تیز کٹار اس آنکھوں میں کجرے کی دو دھار
گالوں کی سرخی میں جھلکے پردے کا اقرار
ہونٹوں پہ کچھ پھولوں کی لالی کچھ ساجن کے کار
گوری کرت سنگھار گوری کرت سنگھار
ہاتھوں کی اک اک چوڑی میں موہن کی جھنکار
سہج چلے پھر بھی پائل میں بولے پی کا پیار
اپنا آپ دامن میں دیکھے اور شرمائے نار
نارک کے روپ کو انگ لگائے دھڑک رہا سنسار
گوری کرت سنگھار گوری کرت سنگھار''

تالیوں کی گونج میں اس نے گیت ختم کیا تو ایمان کے ہونٹوں پر بھی ایک مہکی ہوئی مسکان تھی۔ اشعر جو ہینڈی کیم سے ان لمحات کو محفوظ کر رہا تھا، ایمان کو فوکس کرتے ہوئے بولا تھا۔

''ایمان......! پلیز، آپ چل کر بھائی کے ساتھ بیٹھیں۔''

''کیوں......؟''

ایمان چونکی تھی اس حکم پہ، وہ سب کے بیچ واقعی ہی کترائی تھی۔

''بھئی......! یہ آپ کا گجرا جو بندھ نہیں رہا ہے، اسے بھائی گرہ لگا دیں گے اور میرے کیمرے کو ایک حسین منظر قید کرنے کا موقع میسر آجائے گا۔''

اس کی بات پر جہاں ایمان کھسیائی، وہاں باقی سب کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

''اوہ......!''

ایمان نے زور سے سر جھٹکا، گویا خجالت مٹائی تھی، اور فضہ کو وہاں سے اندر لے جانے کے ارادے سے اٹھ گئی۔ ولید ایک خوب صورت چانس مس ہو جانے پہ دل مسوس کر رہ گیا۔

☆☆☆

''مصروف ہو دن رات تمہیں وقت کہاں ہے
تم مجھ سے کرو بات تمہیں وقت کہاں ہے
بے تابی دل کا تمہیں اندازہ نہیں ہے
سمجھو میرے جذبات تمہیں وقت کہاں ہے
تم پونچھو میری آنکھ سے بہتے ہوئے آنسو
دیکھو یہ برسات تمہیں وقت کہاں ہے
بھولے سے ہی تم پوچھنے آجاؤ میرا حال
اے گردش حالات تمہیں وقت کہاں ہے
وجود میں تڑپتے ہوئے ڈوب رہا ہوں
تھامو تم میرا ہاتھ تمہیں وقت کہاں ہے''

شادی خیریت سے انجام پائی، ساتھ ولید کی روانگی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ تائی ماں دل گرفتہ سی تھیں، مگر چاہتیں تھیں، سب کچھ ہی اس کے ساتھ روانہ کر دیں۔ گاجر کا حلوہ، دیسی گھی، پنجیری، اور جانے کیا کچھ، فضہ اور وہ بھی ان کے ساتھ لگی رہتیں، مگر کام تھا ہی اتنا کہ سمٹتا ہی نہ تھا۔ اس وقت بھی وہ تائی ماں کے کہنے پہ ولید کے سوٹ کیس میں کپڑے رکھنے آئی تھی، جب وہ واش روم سے نکل کر اس کے پاس آ رکا۔ شکایتی لہجہ گویا احتجاج کر رہا تھا۔ ایمان نے سر اونچا کر کے اسے دیکھا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''یہ شکوہ تو مجھے کرنا چاہیے آپ سے۔ سارا دن غائب رہتے ہیں۔ میری تو بات چھوڑیں تائی ماں بھی آپ کی صورت دیکھنے کو ترستی ہیں۔''

اس جوابی شکوے پہ ولید خفت زدہ سا ہو کر سر کھجانے لگا۔

''پچھتا رہا ہوں یار.....! اگر میں نے مکمل شادی کروائی ہوتی تو رات بھر کو تو میسر ہوتیں۔ پھر میں تمہیں بتاتا کہ.....''

''اچھا.....! فضول باتیں مت کریں آپ۔''

وہ اس کی بات کاٹ کر شرٹ کو تہہ لگاتے ہوئے بولی۔ چہرے پر اس کی شوخ نظروں نے سرخی پھیلا دی تھی۔

''ایمی.....! اب میرا اپنا دل ڈانواں ڈول ہو رہا ہے۔ اگر ٹکٹ نہ آ گئے ہوتے تو میں کبھی نہ جاتا۔''

وہ جیسے خود سے اُلجھ رہا تھا۔ ایمان نے گہرا سانس کھینچ کر بیگ بند کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اپنی طرف سے تو میں نے ہر چیز رکھ دی ہے۔ پھر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔ اگر کوئی کمی ہوئی تو.....''

''کمی.....؟ ہاں.....! کمی تو ہے۔''

''کیا.....؟''

ایمان کی سوالیہ نگاہیں اس کی جانب اُٹھیں۔

''تم.....! تمہاری کمی وہاں ہر لمحہ محسوس کروں گا۔''

اس کی نگاہوں میں اتنی چمک اور بھرپور تاثر تھا کہ ایمان نے گھبرا کر پلکیں جھکا لیں، اور اس کی سائیڈ سے ہو کر جانا چاہا تو ولید نے اس کی کلائی پہ اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کر لی تھی۔

''میرے ہم سفر! تیری نذر میں میری عمر بھر کی یہ دولتیں
میرے شعر میری صداقتیں میری دھڑکنیں میری چاہتیں
تجھے جذب کر لوں لہو میں، میں کہ فراق کا نہ رہے خطر
تیری دھڑکنوں میں اُتار لوں میں یہ خواب خواب رفاقتیں''

اس کے ہونٹ بہت آہستگی سے، بہت جذب سے کہہ رہے تھے۔ اس کی آواز کی گمبھیرتا نے ایمان کے احساسات کو گداز کیا تھا۔ اس مرتبہ فاصلہ ایمان نے کم کیا تھا۔ وہ اس کی بانہوں کے حصار میں مقید اس کے سینے پہ سر رکھے اس کی دھڑکنوں کو سنتی چپ چاپ آنسو بہاتی رہی تھی۔

''اس طرح مت کرو ایمان.....! پلیز.....!''

ولید نے اس کے آنسوؤں کی نمی کو اپنے سینے میں جذب ہوتا محسوس کیا تو مضطرب ہونے لگا۔ ایمان نے خود کو کمپوز کیا تھا اور آہستگی سے اس سے الگ ہو کر ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑ کر صاف کرنے لگی۔

''تھینکس فار دس آنر جناب.....!''

اس کی نگاہیں شوخ تھیں۔ ایمان نے چونک کر سر اُٹھایا۔ وہ ہنس رہا تھا۔

''کمال ہے جناب.....! میرا جانا معجزہ ہو گیا۔ میری جسارتوں پہ آگ بگولہ ہونے والی محترمہ از خود میرے گلے لگ رہی ہیں.....؟''

''امیزنگ.....!''

اس کی شوخی بھری مسکان پر ایمان ایک دم حیا سے سرخ پڑی تھی، گال تپ اُٹھے۔

''آپ میرا مذاق اُڑا رہے ہیں.....؟''

وہ اپنی شرمندگی کو غصے میں مغلوب کر کے اُلٹا اس پر چڑھائی کرنے لگی۔

''میری مجال.....؟ میں تو جناب.....! آپ کا شکریہ ادا کر رہا ہوں۔''

مسکراہٹ ضبط کرتا ہوا وہ ڈرنے کی اداکاری کرنے لگا۔ ایمان جھلا کر پلٹنے لگی تھی کہ وہ لپک کر اس کے راستے میں آ گیا۔ اس کی استفہامی و سوالیہ نگاہوں کے جواب میں سر کھجا کر بولا تھا۔

''ابھی اچھا موقع ہے، اگر مزید رونے دھونے کا پروگرام ہے تو میرا کاندھا حاضر ہے۔ پھر ایسا چانس نہ ملے۔''

شریر مسکراتا لہجہ، نظروں کی شوخ چمک، گستاخ ارادے۔

ایمان اتنی جھلائی کہ اسے سامنے سے دھکیل کر بھاگ نکلی۔

''اُفوہ.....! بے حس، مطلب پرست لڑکی.....! صرف تمہارا ہی تو جدائی سے آنسو بہانے کو جی نہیں چاہتا.....؟ میرا بھی ایسا کوئی ارادہ ہو سکتا ہے۔''

اس نے دروازے سے نکلتے ہوئے اس کی شوخی سے بھرپور آواز سنی تھی، مگر کان دھرے بغیر دہلیز پار کر آئی۔

☆☆☆

''قید میں گزرے گی جو عمر بڑے کام کی تھی
پر میں کیا کرتی زنجیر تیرے نام کی تھی
جس کے ماتھے پہ میرے بخت کا تارہ چمکا
چاند کے ڈوبنے کی بات اسی شام کی تھی
یہ ہوا کیسے اُڑا لے گئی آنچل میرا
یوں ستانے کی عادت تو میرے گھنشام کی تھی''

وہ یوں بیٹھی تھی جیسے سب کچھ کھو کر خالی ہاتھ ہو۔ عجیب سی کیفیت رقم تھی چہرے پر، عجیب خالی پن تھا آنکھوں میں۔ کوئی دیکھ لیتا تو چونک اُٹھتا مگر صد شکر کہ اس پل اس کے آس پاس کوئی نہ تھا۔

ولید چلا گیا تو ماما پپا کے ساتھ وہ بھی واپس آ گئی تھی اپنے گھر، جہاں اسے جانے اور واپس وہاں آنے کی خواہش سہی، اس نے کتنا واویلا مچایا تھا۔ مگر جب یہ خواہش پوری ہوئی تھی تو اس کی حیثیت بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔

''ماما......! فضہ کو ہی بلوا لیں ناں کچھ دنوں کو، کچھ دل تو لگے۔''

اس نے گھبرا کر ماما سے کہا تھا اور وہ ہنس پڑی تھیں۔

''اگر پھر بھی دل نہ لگا تو......؟ سویٹ ہارٹ...... ! آپ کے دل کا اطمینان تو ولید حسن لے گیا ہے اپنے ساتھ، سات سمندر پار۔''

''ارے......!''

وہ ماما کی بات پر اتنا جھینپی تھی کہ پھر ان سے یہ فرمائش ہی نہیں کی تھی۔ چند دن گزرے اور اس کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہو گیا اور وہیں اس کی ملاقات موسیٰ سے ہوئی تھی۔ وہ نیہاں کے ساتھ پہلی کلاس لے کر نکلی تھی جب وہ اچانک اس کے سامنے آتا اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

''کیسی ہیں آپ......؟''

اور ایمان جو پہلی نگاہ میں اسے پہچان نہیں پائی تھی کسی قدر استعجاب سے اسے تکتی رہ گئی تھی۔

''یقیناً آپ نے پہچانا نہیں ہوگا۔ آئی ایم موسیٰ کاردانی...... آپ کے گھر آئے تھے ناں ہم......؟''

وہ اسے یاد دلا رہا تھا اور وہ یاد کرنے کے باوجود اُلجھن و حیرت میں مبتلا تھی۔

''جی......! مگر اس وقت اس جگہ پہ روکنے کا مقصد......؟''

ایمان کے لہجے کی سختی نے موسیٰ کے چہرے کے تمام تر نرم تاثرات کو لحظہ بھر میں غائب کر دیا تھا۔

''سارے مقصد آپ سے ہی تو ہیں میم...... اور ویسے مسز کی شادی مبارک ہو......! ہمیں نہ بلا کر آپ نے غیریت کی انتہا کر دی۔ جہاں مستقبل میں روابط اور تعلقات قائم ہونے ہوں، وہاں ایسی بے رخی نہیں برتی جاتی۔''

جہاں قائم ہونے ہوں وہاں ناں......؟ یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے مسٹر......! پاپا آپ لوگوں کو منع کر چکے ہیں، پھر اس قسم کی باتوں کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی ہے۔ مائنڈ اٹ......! آئندہ میرا راستہ روکنے کی کوشش مت کیجئے گا۔''

ایمان نے بے رخی اور نخوت سے کہہ کر قدم بڑھانا چاہے تھے کہ وہ ایک بار پھر راستے میں آ گیا تھا۔

''آپ کا کیا خیال ہے کہ آپ نے بات ختم کی اور بات ختم ہو گئی......؟ نو......! نیور......! ہارون کاردانی کسی عام سے انسان کا نام نہیں ہے۔ وہ جس چیز کو دیکھتے ہیں، وہ ان کی ہو جاتی ہے۔''

اس کی آنکھیں ایک دم دہک اُٹھیں۔ اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جو ایمان کے ساتھ کھڑی نیہاں کو بھی ٹھٹکا گیا تھا۔ ایمان کو اس کی بات نے سرتاپا جھلسا کے رکھ دیا۔ وہ ایک دم آؤٹ ہوئی تھی۔

''لیکن ایمان ارتضیٰ شاہ بھی کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ یہ بات آپ بھی سمجھ لیں اور اپنے بھائی کو بھی سمجھا دیجئے گا۔ میں آپ سے پھر کہوں گی، آئندہ میرا راستہ روکنے کی کوشش مت کیجئے گا۔''

وہ بولی نہیں، غرائی تھی۔ مقابل کے لہجے کا تکبر و نخوت اسے مشتعل کرنے کو کافی ثابت ہوا تھا۔ اسے گویا ساری زندگی کا غصہ اسی لمحے میں آیا تھا۔

''ہم راستہ نہ بھی روکیں تو آپ کے نام رستے ہماری طرف آتے ہیں۔ بہت پراؤڈ ہیں آپ......! مگر آپ ابھی ہمیں جانتی نہیں ہیں۔ ہم ایک بار جو کہہ دیں، وہ کروانا بھی جانتے ہیں۔ یاد رکھئے گا۔''

اُنگلی اُٹھا کر باور کرتا ہوا وہ لمبے ڈگ بھرتا پلٹ کر دور ہوتا چلا گیا تھا۔ جبکہ وہ دونوں وہیں کھڑی رہ گئی تھیں۔ ایمان نے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں طیش کی حدتیں تھیں۔ ہوا اس کے اطراف میں خشک پتے اُڑا رہی تھی، جب نیہاں نے بہت تشویش بھری نظروں سے تکتے اس سے وہ سوال کیا تھا، جس سے وہ اس پل خود کترا رہی تھی۔

''کون تھا یہ......؟ اور یہ اس قسم کی دھمکیاں کیوں دے رہا تھا......؟''

ایمان نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ وہ خائف نہیں تھی مگر ڈسٹرب ضرور ہو گئی تھی۔ جبھی باقی کی تمام کلاسز رجیکٹ کرتی، گھر لوٹ آئی تھی۔

اور اگلے دن وہ اس بات پر سر جھٹک چکی تھی۔ مگر یہ سر جھٹکنے والی بات نہیں تھی کہ اگلے روز جب وہ اسے یکسر فراموش کر چکی تھی، تب وہ پھر اسی دھڑلے، نخوت اور اعتماد کے ساتھ اس کے روبرو تھا۔

''پھر کیا سوچا آپ نے......؟''

ایمان کا ماتھا اسے دیکھتے ہی ٹھنکا تھا۔ اس وقت وہ کینٹین میں تھی اور ٹیبل پہ اکیلی تھی۔ اتفاق تھا کہ آج نیہاں یونیورسٹی نہیں آئی تھی۔

''یہ بات میرے نزدیک اتنی اہمیت ہرگز نہیں رکھتی تھی کہ میں اس پر سوچنا گوارہ کرتی۔''

اسے دیکھتے ہی گویا ایمان کا طیش اُمڈ آیا تھا۔ موسیٰ نے اس کے حقارت زدہ تاثرات کو بہت گہری نگاہ سے دیکھا تھا۔ پھر نگاہ کا زاویہ بدل کر اطراف میں نظریں دوڑاتا ہوا بظاہر بے نیازی سے بولا تھا۔

''اس طرح کا رویہ مت رکھیں کہ بعد میں آپ کو پچھتانا پڑے۔''

''میں تم سے ڈرتی نہیں ہوں، دھمکیاں مت دو، ورنہ میں تمہاری شکایت پرنسپل صاحبہ سے کر دوں گی۔''

اس کے لہجے کی سنگین دھمکی پہ وہ غضب سے بپھر کر بولی اور ایک جھٹکے سے کرسی چھوڑ کر اپنا بیگ اُٹھانا چاہا تو یہ دیکھ کر اس کی پیشانی پر ناگواری کی سلوٹیں اُبھر آئی تھیں کہ موسیٰ نے اپنا بھاری بھرکم ہاتھ اس کے بیگ پر رکھ کر گویا اس کی اس کوشش کو ناکامی سے دوچار کر دیا تھا۔

''بہتر ہوگا میم......! کہ آپ سیدھے طریقے سے ہی مان جائیں۔ میرا آپ کا احترام کا رشتہ ہے، اور میں کوئی گستاخی آپ کی شان میں کرنا نہیں چاہتا۔''

اس کا کھردرا لہجہ بلا کا سرد اور خطرناک تھا۔ ایمان کی ریڑھ کی ہڈی میں پہلی بار خوف کی لہر اُٹھی۔ چند ثانیوں کو وہ حرکت کرنے کے قابل بھی نہیں رہی تھی۔

اگلے دن وہ دانستہ یونیورسٹی نہیں گئی۔ وہ بھی اس بات کو لے کر اس قدر مضطرب نہ ہوتی۔ اگر جو ولید حسن اس کی زندگی میں اپنی تمام تر اہمیت کے ساتھ شامل نہ ہو گیا ہوتا۔

وہ شام کا وقت تھا، وہ ماما کے ساتھ لاؤنج روم میں چائے پی رہی تھی جب ملازمہ اس کا سیل فون اُٹھائے چلی آئی تھی۔

"چھوٹی بی بی...... ! آپ کا فون بج رہا ہے۔"

اس نے موبائل لے کر اسکرین پر نگاہ کی۔ جلتی بجھتی اسکرین پر "ولید کالنگ" کے الفاظ دمک رہے تھے۔

"السلام علیکم...... !"

اس نے کال ریسیو کی تو ولید کی چہکتی، پرجوش آواز جیسے اس کے اندر زندگی کا احساس بن کر اتری تھی۔

"وعلیکم السلام...... ! کیسے ہیں......؟"

وہ بے اختیار مسکرا دی۔

"آپ کے بغیر جیسے ہو سکتے ہیں، ویسے ہی ہیں۔"

جواباً وہ ٹھنڈی آہیں بھرنے لگا اور وہ جھینپ کر ہنس دی تھی۔

"کیا ہو رہا تھا اس وقت...... ؟ کیسے یاد آ گئی......؟"

"ہمیں تو ہر وقت آپ کی یاد آتی ہے۔ تم سناؤ جانِ من...... ! تم کیا کرتی رہتی ہو......؟"

"کم از کم آپ کی طرح سے ہر وقت آپ کو یاد نہیں کرتی۔"

اس کا لہجہ صاف صاف چڑانے والا تھا۔ ولید حسن نے جواباً ٹھنڈا سانس بھرا اور گویا ہوا۔

"ہاں صحیح کہتی ہیں میم کہ

کسی کا عشق، کسی کا خیال تھے ہم بھی
گئے دنوں میں بہت با کمال تھے ہم بھی
ہماری کھوج میں رہتی تھیں تتلیاں اکثر
کہ اپنے شہر کا حسن و جمال تھے ہم بھی
زمیں کی گود میں سر رکھ کر سو گئے آخر
اس کے ہجر میں کتنے نڈھال تھے ہم بھی

اور مزید یہ کہ

کچھ اور سوچنے کی ضرورت نہیں مجھے
تیرے سوا کسی سے محبت نہیں مجھے
رہتا ہے مجھے بس دن رات تیرا خیال
میں تجھ کو بھول جاؤں طاقت نہیں مجھے
کل شب تمہاری یاد میں آنسو چھلک پڑے
اب اور کچھ بھی کہنے کی حاجت نہیں مجھے
کس کو سناؤں جا کے میں اپنا حالِ دل
تو نے تو کہہ دیا ہے فرصت نہیں مجھے"

"افوہ...... ! سوری بھئی...... ! آپ نے تو دل پہ ہی لے لیا۔ اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔ میں بھی آپ کو یاد کرتی ہوں۔"

وہ چڑنے لگی تھی۔ ولید نے ایک اور سرد آہ بھری۔

"میں کیسے یقین کروں بھلا......؟"

"اب آپ کو یقین دلانے کو مجھے کیا کرنا پڑے گا......؟"

"کوئی دیوان نذر کرو ہماری۔"

وہ پھیلا اور ایمان پھنس گئی۔

"اُف...... ! اتنی کڑی سزا......؟"

اس نے مصنوعی خفگی سے کہا اور ولید خفا ہونے لگا۔

"یہ سزا ہو گی تمہارے لئے......؟"

"نہیں...... ! سعادت ہو گی۔"

وہ ہنس پڑی۔ بڑی خوش گوار، پیاری سی ہنسی تھی، جس میں ولید کا قہقہہ بھی شامل ہو گیا۔

"چلو پھر اس سعادت کو حاصل کرو۔ آپ فون بند کریں، میں سینڈ کرتی ہوں آپ کو۔"

"نہیں...... ! خود سناؤ......!"

ولید نے صاف انکار کیا تو وہ بسوری تھی۔

"مجھے شرم آئے گی ولید...... ! ماما سامنے بیٹھی ہیں۔"

اور ولید نے خاصی دیر تک اس کا ریکارڈ لگایا تھا، پھر مانا تھا۔ اس کے فون بند کرتے ہی ایمان مسکراتے ہوئے نظم ٹائپ کرنے لگی۔

"بہت یاد آنے لگے ہو
بچھڑنا تو ملنے سے بڑھ کر
تمہیں میرے نزدیک لانے لگا ہے
میں ہر وقت خود کو
تمہارے جواں بازوؤں میں پگھلتے ہوئے دیکھتی ہوں
میرے ہونٹ اب تک
تمہاری محبت سے نم ہیں
تمہارا یہ کہنا غلط تو نہیں تھا کہ
میرے لب تمہارے لبوں سے ہی گلنار ہیں
تو خوش ہو
کہ اب تو میرے آئینے کا بھی یہی کہنا ہے
میں ہر بار بالوں میں کنگھی ادھوری ہی کر پا رہی ہوں
تمہاری محبت بھری انگلیاں روک لیتی ہیں مجھ کو
میں اب مانتی جا رہی ہوں

میرے اندر کی ساری اُمیدیں اور باہر کے موسم
تمہارے جب سے تمہارے لئے تھے"

اس نے ولید کے نمبر پہ یہ نظم سینڈ کی اور پھر کچھ سوچ کر مزید ٹائپ کرنے لگی۔

"ورق ورق یہ تیری عبارت، تیرا فسانہ، تیری حکایت
کتاب ہستی جہاں سے کھولی، تیری محبت کا باب نکلا"

اس نے یوں ہی مسکراتے ہوئے یہ شعر بھی ولید کو سینڈ کیا ہی تھا کہ اسی پل اس کے سیل پہ کسی انجان نمبر سے کال آنے لگی۔ اس نے دیکھا، ماما اسے مصروف پا کر وہاں سے اُٹھ کر جا رہی تھیں۔ اس نے چائے کا مگ اُٹھاتے ہوئے مصروف سے انداز میں کال پک کی تھی۔

"السلام علیکم......!"

اجنبی آواز، شائستہ لہجہ، وہ قدرے چونکی۔

"وعلیکم السلام......! جی فرمایئے......!"

اس کے انداز میں اُلجھن تھی۔

"اجی......! ہم کیا عرض کریں......؟ فرمانا تو آپ نے ہے۔"

دوسری جانب سے بڑے ہی انداز سے کہا گیا۔ ایمان کے اعصاب کو دھچکا لگا تھا۔ اس نے سیل فون کان سے ہٹا کر یوں دیکھا، بلکہ گھورا جیسے سیل فون نہ ہو، کال کرنے والا بدتمیز ہو۔

"آئی ایم سوری......! میں نے آپ کو پہچانا نہیں، کس سے بات کرنا ہے آپ کو......؟"

اب کے اس کا لہجہ کڑا تھا۔ دوسری جانب گہرا سانس بھرا گیا۔

"موئی کا دونی......! آپ کے ہونے والے دیور۔ آج یونیورسٹی نہیں آئیں آپ......؟ ہم انتظار کی زحمت میں مبتلا رہے۔"

اعتماد قابلِ دید تھا، مگر ایمان کو اس کے الفاظ نے آگ لگا دی تھی۔

"تم ساری زندگی بھی اس زحمت میں مبتلا رہو تو میری جوتی کو پرواہ نہیں ہے لعنتی......! اچھا چھوڑ دو میرا۔"

شدید غصے کی لہر نے اس کا دماغ دہکا ڈالا تھا۔ وہ قہر بھرے انداز میں جو منہ میں آیا، بولتی چلی گئی۔

"دھیرج میم......! دھیرج......! میں نے اسی روز بھی آپ کو سمجھایا تھا کہ ہمیں آپ کی عزت کرنا اچھا لگتا ہے۔ ایسا برہم رویہ اپنائیں گی تو کہیں آپ کو پچھتانا نہ پڑ جائے۔"

ایمان اتنا جھلائی کہ سلسلہ منقطع کر ڈالا۔ اس کا موڈ اتنا خراب ہوا تھا کہ ولید کے میسج بھی نظرانداز کر دیئے اور اس کی مزید بدتمیزی سے بچنے کی غرض سے سیل آف کر کے ایک سمت ڈال دیا تھا۔

☆☆☆

سڑک کنارے ایک قطار سے آگے کچنار اور سنبل کے درختوں سے ٹوٹ کر گرتے خشک پتے اس کے پیروں تلے آ کر چرچرائے۔ موسم خزاں آ گیا تھا۔ راتیں ٹھنڈی ہو گئی تھیں، لیکن سورج میں ابھی تک حدت باقی تھی۔ بڑا سا سرخ گولا عین اس کے سر پر تمتماتا اپنی تیز اور تند شعاعیں اس کو تاک تاک کر مار رہا تھا۔

وہ چلتے چلتے بے خیالی میں رُک گئی اور درخت کے تنے سے ٹیک لگا لی۔ سیاہ مکوڑوں کی ایک بے ترتیب قطار درخت کے تنے کے گرد کھودی ہوئی باریک مٹی کے ڈھیر پر کسی کام میں مصروف تھی۔ وہ بے دھیانی میں انہیں تکنے لگی۔ مکوڑے اپنی تیز رفتاری میں اس کے پیروں کے درمیان سے گزرتے اپنا راستہ بنا رہے تھے۔ اس نے سوچنے کی کوشش کی، کل اس پل اس پہ کیا آفت ٹوٹی تھی......؟ اسے یاد آیا اور دل بھرانے لگا۔

حسبِ معمول وہ یونیورسٹی کے گیٹ سے نکل کر باہر آئی تھی۔ روڈ پر اپنی گاڑی کی تلاش میں نگاہیں دوڑاتے اس کے گمان تک میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ یوں دن دیہاڑے اتنے دھڑلے سے اسے اغواء بھی کیا جا سکتا ہے۔ جس پل سفید پراڈو اس کے بے حد نزدیک آ کر رُکی، تب تک بھی وہ خود پر بیت جانے والی اُفتاد سے بے خبر رہی تھی۔ پراڈو کا دروازہ کھلا تھا اور اگلے ہی لمحے اسے بازو سے پکڑ کر بہت بے دردی سے اندر گھسیٹ لیا گیا تھا۔

اسے نہیں پتا تھا اتنے بے شمار لوگوں کو اس واردات کی خبر بھی ہو سکی تھی کہ نہیں......؟ اسے تو یوں خبر نہ ہو سکی تھی کہ اسے اندر گھسیٹتے ہی کسی طاقتور دوا کے ایک پف سے ہی اس کے حواسوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

دوبارہ ہوش آیا تو وہ جس کمرے میں موجود تھی، اس میں زندگی کی ہر آسائش موجود تھی۔ کمرے میں خواب آور مدہم اندھیرا تھا، ریڈ کارپٹ، بادامی ہرہرے پردے، کھڑکیوں، دروازے کے اطراف میں بہت خوب صورتی سے سمیٹے گئے تھے۔ بادامی مخملیں صوفے جن پہ سرخ سلکی کشن بے ترتیب پڑے ہوئے تھے۔ جس بیڈ پہ وہ لیٹی تھی، اس پر سرخ اور گولڈن بہت خوب صورت پرنٹ کی ریشمی جھالر والی بیڈشیٹ بچھی ہوئی تھی۔

ایمان کی آنکھ کھلی تو جیسے جیسے اس کا ذہن بیدار ہوتا گیا، اسی تیزی سے وحشت اس کے اندر سرسرائی تھی۔ بیڈ سے اُترتے ہوئے اس نے سب سے پہلے اپنے وجود کے گرد دوپٹے کی غیر موجودگی کو محسوس کیا تو اس کا دل جیسے لمحہ بھر کو دھڑکنا ہی بھول گیا۔ خود میں سمٹتے ہوئے اس نے دوپٹے کی تلاش میں نگاہ دوڑائی تو بیڈ کے سرہانے پڑا دوپٹہ نظر آیا تو جھپٹ کر اُٹھاتے ہوئے کھول کر شانوں پہ پھیلایا۔ پھر پلو سے سر ڈھانپ کر لرزتے دل کے ساتھ ہراساں نظروں سے اُٹھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

کمرے کا دروازہ باہر سے مضبوطی سے بند تھا جس پہ دستک دیتے اس کے ہاتھ شل ہونے لگے، مگر اس کی پکاروں اور دستکوں کے جواب میں کوئی رسپانس سامنے نہیں آیا تھا۔

"کون......؟ کون کر سکتا ہے میرے ساتھ ایسا......؟"

گھٹنوں کے بل وہیں دروازے کے پاس بیٹھتے ہوئے بے بسی کی انتہا پہ پہنچتے ہوئے اس نے آنسو بہاتے ہوئے پہلی بار یہ اہم سوال خود سے کیا تھا۔ آنے والے وقت کا ہراس اسے دہشت میں مبتلا کر رہا تھا۔

"ایک اغواء شدہ لڑکی کی معاشرے میں حیثیت......؟"

"اس کے ساتھ معاشرے کا سلوک......؟"

"اس کے والدین کی بے بسی......؟"

"رشتہ داروں کی نظریں......؟"

"سب سے بڑھ کر ولید حسن کا رویہ......؟"

وہ ایک ایک بات کو سوچتی متوحش ہوتی ہراس میں مبتلا ہوتی رہی تھی، جب دروازے کے باہر کھٹکا ہوا اور اگلے پل دروازہ کھول کر کوئی اندر آ گیا۔ ایمان کی نگاہیں آنے والے کے چمکدار جوتوں سے بہت سرعت سے اوپر اٹھیں، جیسے ہی اس کے چہرے پر پڑیں تھیں، اسے گویا سکتہ ہو گیا تھا۔

''کتنی بے بس لگ رہی ہیں اس وقت، قسم سے آپ کو یوں مجبور، لاچار کرنے کا تو میرا بھی ارادہ نہیں تھا، مگر مجبوری......''

موسیٰ کاردوانی کے چہرے پر بہت جتا دینے والی مسکراہٹ تھی جو ایمان کو مکروہ لگی تھی، بے حد مکروہ۔ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اسی لمحے سکتے پہ اس کا طیش، غم و غصہ غالب آ گیا تھا۔

''اتنی جرأت......؟ تمہیں اندازہ ہے تم کیا کر چکے ہو موسیٰ......؟''

بہر حال اسے روبرو پا کے اس کے خدشات خوف اور سراسیمگی میں کمی واقع ہوئی تھی۔

''آئی نو......! بہت سوچ سمجھ کر یہ قدم اُٹھایا ہے اور بتایا ہے ناں، مجبوراً......! ورنہ آپ کچھ سننے پہ آمادہ کہاں ہیں......؟''

وہ اس کے سامنے صوفے پہ بیٹھتا ہوا بولا تو ایمان نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

''آپ جب تک آمادگی ظاہر نہیں کریں گی، یہیں رہیں گی، ڈونٹ وری......! یہاں آپ کو کسی قسم کی پریشانی......''

''کس بات کی آمادگی......؟''

ایمان نے بھڑک کر اس کی بات کاٹ دی، تب وہ بڑے دل جلانے والے انداز میں مسکرایا تھا۔

''آپ کو پتا تو ہے۔ خیر......! میرے منہ سے سننا چاہتی ہیں تو پھر سنئے......!''

وہ بھنوؤں کو جنبش دے کر کاندھے جھٹک کر بات کرتا اس کا ضبط آزما رہا تھا۔

''آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ ہم آپ کے ہاں لالہ کا پرپوزل بھیجیں تو آپ انکار نہیں کریں گی۔ سوچ سمجھ کر جواب دیجئے گا کہ اس وقت آپ بہت نازک سچوایشن میں ہیں۔ گویا آپ کی فیملی کی عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔''

اس نے بڑا تاک کر نشانہ لگایا تھا۔ ایمان کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر جلتی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

''تم اتنے کم ظرف اور گھٹیا ہو سکتے ہو، میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔''

اس کا گلا ایک دم بھرانے لگا۔ صورت حال کی سنگینی نے اسے یوں بے بس کیا تھا جس کا تصور بھی اس کے پاس نہیں تھا۔

''مجھے جانے دو......! میں تمہیں سوچ کر جواب دوں گی۔''

کچھ توقف کے بعد اس نے شعوری کوشش سے اپنے لہجے کے اشتعال پہ قابو پکڑ کر دھیمے انداز سے کہا تو وہ یوں ہنسا جیسے اس کا تمسخر اُڑا رہا ہو۔

''پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے......؟ بچوں کا کھیل ہے یہ......؟''

وہ اسے گھورنے لگا۔ پھر اپنی جیکٹ کی جیب سے ایک تہہ شدہ کاغذ نکالا اور اپنے اور اس کے بیچ حائل ٹیبل کے گلاس پہ اسے رکھ کر انگشت شہادت کی مدد سے اسے ایمان کی طرف اسٹرائیک کیا تھا۔

''یہ قانونی کاغذ ہے، ایگریمنٹ سمجھ لیں۔ اس پہ عہد دیں مجھے کہ آپ ہارون کاردوانی سے شادی پہ بخوشی رضامند ہیں۔ نیچے اپنے سائن کریں تب یہاں سے نکلنے کی صورت بن سکتی ہے، بصورت دیگر......''

اس نے بات اُدھوری چھوڑ کر سرد و سفاک نظریں اس پر جما دیں۔ ایمان کے حلق میں کانٹے پڑنے لگے۔ اس سے آگے وہ کچھ نہ بھی کہتا تو وہ جان سکتی تھی۔

''یہ پاسیبل نہیں ہے۔''

وہ اس کی بات سن کر بھڑک اُٹھا تو ایمان ایک دم ہراساں ہوتی ملتجی ہو کر گڑگڑائی تھی۔

''دیکھو......! میری بات سنو......! میرے جس کزن سے پاپا نے آپ لوگوں کا تعارف کروایا تھا، اس سے پچھلے دنوں میرا نکاح ہو چکا ہے۔ تم خود سوچو، یہ پاسیبل ہے......؟''

موسیٰ کاردوانی نے چونک کر، ٹھٹک کر یوں اسے دیکھا گویا اس کی بات کی صداقت کا اندازہ اس کے چہرے کے تاثرات سے لگانا چاہ رہا ہو، ور جب اسے یقین آیا تھا تو گویا شعلوں میں گھر گیا تھا۔ ایمان کو اس کی آنکھوں میں اُتری غضب کی حدتوں سے خوف محسوس ہوا تھا۔

''اگر یہ سچ ہے تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ویسے صرف نکاح ہی ہوا ہے ناں......؟''

اس کے سرد لہجے میں غراہٹ در آئی تھی۔ ایمان کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔

''بکواس بند کرو......!''

اس کا ضبط چھلکا تو وہ چیخ پڑی تھی۔ موسیٰ چونک گیا، ٹھٹکے ہوئے انداز میں اس کا چہرہ دیکھا، بغور دیکھا اور پھر ایک دم زور سے ہنس پڑا۔ ایمان کو اس کی دماغی حالت پہ ایک پل کو شبہ محسوس ہوا تھا۔

''بہت محبت کرتی ہیں اس سے......؟''

ایمان نے دیکھا، اس کی سرخ انگاروں کی مانند دہکتی آنکھوں میں ایک سرد سی کیفیت اُتر رہی تھی۔ وہ لرز سی گئی۔

''اگر چاہتی ہیں کہ وہ زندہ رہے تو پھر اس سے الگ ہو جائیں ایمان......! یہی بہتر ہے آپ کے لئے......! میرے لالہ دوسری مرتبہ بے مراد رہ جائیں، یہ موسیٰ کاردوانی برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ میری اپروچ سے کچھ آگاہ ہو گئی ہیں، بہت زیادہ اس وقت ہوں گی جب آپ یہ جانیں گی کہ آپ کے وہ رائٹ مین، کیا نام ہے ان کا......؟ خیر......! جو بھی ہو، کئی دن اچانک غائب ہو گئے ہیں۔''

اس کے سفاک لہجے میں اتنی سنگینی، اتنی جنون خیزی اور تنفر تھا کہ ایمان کی روح لرز اُٹھی تھی۔ مگر بظاہر خود کو مضبوط بنانے کو بولی تھی۔

''وہ آؤٹ آف کنٹری ہیں۔ تم ان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے ہو۔''

اس کے لہجے میں موجود نفرت نے موسیٰ کے ہونٹوں پر زہرخند بکھیر دیا تھا۔

''یعنی آپ چیلنج کر رہی ہیں میری اپروچ کو......؟ او کے......! فائن......! اب آپ کو یہاں روکنے کا

جواز ختم ہوتا ہے۔ اسی عزت و احترام کے ساتھ آپ کو واپس چھوڑوں گا، مگر اس یقین کے ساتھ کہ آپ دوبارہ یہاں تشریف لائیں گی۔ آپ کے تمام جملہ حقوق لالہ کے نام محفوظ ہو چکے ہوں گے۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ اٹھا تو اس کے انداز میں اطمینان تھا، یہی اطمینان ایمان کو مضطرب کر گیا تھا۔

وہ بے اختیار تڑپ کر اس کے راستے میں آئی تھی۔

"کیا کرو گے تم ولید کے ساتھ......؟"

"اچھا.....! تو موصوف کا نام ولید ہے......؟ کچھ نہیں......! بس آپ کو لالہ کے لئے فارغ کرنے کی خاطر راستے سے ہٹانا ہو گا، یعنی قتل......!"

وہ تاؤ دلانے والے انداز میں کہہ کر مسکرایا تو ایمان نے فق چہرے کے ساتھ اسے دیکھا۔ اسے لگا تھا جیسے اس کی ٹانگیں ایک دم بے جان ہو گئی ہوں۔

"آیئے......! آپ کو واپس چھوڑ آؤں۔"

وہ رک کر اس کے آگے بڑھنے کا انتظار کرنے لگا، مگر ایمان نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔"

وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہتی رو پڑی تو موسیٰ نے نخوت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"ابھی کیسے یقین کر لیا آپ نے میری بات کا کہ جو میں نے کہا ہے، اسے پورا بھی کر گزروں گا۔ ابھی میں آپ کو ثبوت پیش کر دیتا، تب آپ اپنی رائے سے نوازتیں ناں......!"

وہ ٹھٹک کر بولا تھا۔ ایمان نے آنسوؤں سے جل تھل ہوتی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا، پھر گلوگیر آواز میں بولی۔

"میں نے کہا ناں، تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔ میں تمہاری بات ماننے کو تیار ہوں۔"

اس کا ہر انداز ہارا ہوا تھا۔

"اچھا......! کیا کریں گی آپ......؟"

موسیٰ نے اس کے آنسوؤں کو دیکھتے ہوئے گویا بادل نخواستہ پوچھا۔

"میں ان سے طلاق لے لوں گی، بلیوی......! مگر پلیز......! کچھ وقت دیں مجھے۔"

سارا طنطنہ، سارا غرور بھلائے وہ گڑگڑا رہی تھی تو وجہ محبت کی بے بسی تھی۔ وہ بے بسی، وہ خوف، انداز بدل گیا تھا، جب اسے پتا چلا تھا کہ ولید حسن اس کے لئے اہمیت اختیار کر گیا ہے تو اس نے اسے کھونے کے خوف سے اپنی انا سے ہاتھ چھڑا لیا تھا، اور اب جبکہ وہ اس کی زندگی کو خطرہ لاحق محسوس کر رہی تھی، تب اس نے اسے کھونے کے خوف سے اس سے دستبرداری اختیار کر لی تھی۔

"میں آپ کی بات کا یقین کیسے کروں......؟"

وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے پرنخوت انداز میں بولا۔ ایمان کی شکست، ایمان کی گڑگڑاہٹ، اس کا لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہوا خوف، اس کے اندر تسکین اور تفاخر کے کتنے در وا کر رہا تھا، یہ موسیٰ ہی جانتا تھا۔

"تمہیں یقین آ جائے گا، جب میں ان سے ڈائیورس لوں گی، لیکن مجھے تھوڑا وقت چاہیے۔"

وہ اسی بانجھ، ہارے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ تب موسیٰ نے گویا اس پہ احسان جتلاتے ہوئے کاندھے اچکا کر اس کی بات مان لی تھی اور اسے اسی راز داری اور خاموشی کے ساتھ واپس اس کے گھر سے کچھ فاصلے پر چھوڑ دیا گیا، اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو سکی کہ ان چند گھنٹوں میں اس پہ کیا قیامت ٹوٹی اور اس نے کیا کچھ ہار دیا تھا......؟

☆☆☆

اداس موسم میں زرد پتے
منتظر ہیں بہار تیرے
نہ جانے کتنی رُتوں سے پیاسے
یہ دشت تم کو بلا رہے ہیں
کبھی تو لوٹو، کبھی تو پلٹو
کہ زندگی میں ویرانیاں ہیں
بنا تمہارے یہ موسموں کی اُداسیاں دیکھو
کبھی ہنسائیں کبھی رُلائیں
تم ہی کہو، اب کیا کریں ہم
یاد رکھیں یا بھول جائیں"

اس نے چپ اوڑھ لی تھی۔ ولید سے ہی تعلق نہیں توڑا تھا، نیہاں سے بھی منہ پھیر لیا۔ جو فیصلہ کیا تھا، وہ جان لیوا تھا۔ اس نے سیل آف کر دیا تھا تاکہ ولید کال نہ کر سکے۔

وہ بے حد پریشان تھا۔ فون پہ فون کرتا، ماما سے، پاپا سے، فضہ سے، عاقب سے اس کی خاموشی کی وجہ پوچھ پوچھ ہار گیا اور وہ سب اس سے۔ مگر اس کی چپ ٹوٹنے والی ہی نہیں تھی۔ سب زچ ہو گئے۔

اس وقت اس نے یوں ہی سیل فون آن کیا تو ولید کے لاتعداد میسجز تھے۔ شکوؤں سے بھرے، شکایتوں سے بوجھل۔ وہ اس کی خاموشی اور خفگی پہ حیران تھا۔ وہ چپ چاپ اس کے میسجز پڑھتی گئی، ڈیلیٹ کرتی گئی۔ معاً اس کا ہاتھ تھما تھا۔

"ادا نظریں چرانے کی کہاں سے سیکھ لی تم نے
یہ عادت روٹھ جانے کی کہاں سے سیکھ لی تم نے
بھروسہ تھا تمہیں مجھ پہ مکمل آج سے پہلے
روایت آزمانے کی کہاں سے سیکھ لی تم نے
محبت کے علاوہ کچھ نہیں تھا تیری آنکھوں میں
یہ نفرت اب زمانے کی کہاں سے سیکھ لی تم نے
میرے معصوم صنم تو ذرا اتنا بتا مجھ کو
جسارت دل دکھانے کی کہاں سے سیکھ لی تم نے"

وہ اس کی نظم ڈیلیٹ کرتے ہوئے گھٹ گھٹ کر آنسو بہانے لگی۔ مگر آزمائش ختم کہاں ہوئی تھی.....؟

"ذرا جو دُور جاتے ہو تب احساس ہوتا ہے
کہ باقی کچھ نہیں رہتا میرے جیون کے آنگن میں
میری خوشیوں کے دامن میں
تیرے بن کچھ نہیں رہتا
اُداسی چھائی رہتی ہے
سپنے اُدھورے رہتے ہیں
دن صدیوں سے لگتے ہیں
ان آنکھوں کی جلتی لو مدھم پڑنے لگتی ہے
اُمیدیں مرنے لگتی ہیں
تیرے ہاتھوں سے میرے ہاتھ
اچانک چھوٹ جاتے ہیں
میرے ارمان روتے ہیں
تجھے آواز دیتے ہیں
تجھے واپس بلاتے ہیں
سنو.....!
تم لوٹ آؤ ناں.....!"

آنسوؤں کی روانی میں شدت آگئی تھی۔ اس کے ہر لفظ سے بے قراری، اضطراب چھلک رہا تھا۔ اس کی اپنی کیا حالت ہوگی، وہ اندازہ کرسکتی تھی۔ اس نے اسی وقت آنے والا نیا میسج اوپن کیا تھا۔

"کوئی سورج جاگے دھرتی پر
کچھ ایسا ہو یہ رات ڈھلے
کوئی ہاتھ میں تھامے ہاتھ میرا
کوئی لے کے مجھ کو ساتھ چلے
کوئی بیٹھے میرے پہلو میں
میرے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھے
اور پونچھ کے آنسو آنکھوں سے
پھر دھیرے سے یہ بات کہے
یوں تنہا سفر اب کٹتا نہیں
چلو ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں"

اسے جانے کیا ہوا تھا.....؟ سیل فون ہاتھ سے رکھ کر وہ گھٹنوں میں منہ چھپا کر بری طرح سے رونے

لگی تھی۔

☆☆☆

ساحل اُداس تھا کہ سمندر اُداس تھا
لگتا تھا جیسے سارا ہی منظر اُداس تھا
لوٹی فلک سے تو بڑی دل گیر تھی دُعا
اک خواب ٹوٹنے پہ مقدر اُداس تھا
پھر چاند کو گلے سے لگا کر رو پڑی گھٹا
ایسا لگا طوفان پہ فلک بھی اُداس تھا
میری تباہیوں پہ اسے بھی ملال تھا
آئینہ خود پہ توڑ کر پتھر اُداس تھا
جو شخص بانٹتا پھرتا تھا دُنیا میں ہنسی
یہ دل اسی کی بزم میں جا کر اُداس تھا"

وہ یونیورسٹی سے لوٹی تو فضہ آئی ہوئی تھی اور گویا اس کے انتظار میں تھی۔ وہ جھٹ سے تپاک سے اُٹھ کر گلے ملی، ایمان کا انداز اسی قدر لیا دیا سا تھا، جسے فضہ نے جتنا بھی محسوس کیا ہو، مگر جتانا ضروری نہیں سمجھا۔

"بہت مصروف رہنے لگی ہو.....؟ کبھی ملنے کا خیال نہیں آیا.....؟"

فضہ کی بات پہ وہ کاندھے اُچکا کر فائل صوفے پر پھینکتے ہوئے بولی تھی۔

"ایگزام نزدیک ہیں۔"

"سیل کیوں آف کیا ہوا ہے.....؟"

اس سوال کے جواب میں خاموشی تھی۔ فضہ نے کچھ دیر جواب کا انتظار کیا تھا، پھر گہرا سانس بھر کے گویا ہوئی۔

"آخر ہوا کیا ہے تمہیں.....؟ یوں ایک دم اتنی رکھائی.....؟ ایمی.....! ولید بہت پریشان ہے۔"

"میں ان کی پریشانی کی وجہ نہیں ہوں۔"

وہ جس قدر تلخی سے کہہ سکتی تھی، کہہ گئی۔

"تم اس سے بات نہیں کررہی ہو، یہی بات اس کو پریشان کررہی ہے۔"

فضہ کے جتلانے پہ اس نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔ اسے خود پہ ضبط کرنا پڑا تھا۔ ماما پاپا اس کے رویے کی وجہ سے اس سے خفا رہنے لگے تھے۔ اب شاید فضہ کی خفگی سہنے کا وقت نزدیک تھا۔ وہ خود کو اس صورت حال کے لئے تیار کرنے لگی۔

"تمہاری خفگی کی جو بھی وجہ ہے، تم اسے بتاؤ تو سہی.....!"

"بتا دوں گی، اتنی جلدی کیوں ہے.....؟"

اس نے جتنی تلخی سے جواب دیا تھا، فضہ کو اس پر اسی قدر غصہ آیا تھا۔

''ایمان......! تمہیں اس معاملے کی نزاکت کا احساس ہے......؟ شوہر ہے وہ تمہارا......! اس بدلے ہوئے رویے کی وجہ پوچھے تو کوئی ریزن دے سکو گی تم......؟''

''کوئی ایک نہیں، بہت ساری ریزنز ہیں میرے پاس۔ تم فکر نہ کرو۔ میں کرلوں گی بات ولید سے بھی۔''

جواباً اس نے تڑخ کر کہا اور تن فن کرتی اپنے کمرے میں جا گھسی۔ فضہ کی اُلجھن کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

رات کے کھانے کے بعد جب فضہ ایک بار پھر اسے سمجھانے اس کے پاس آئی تو ایمان کی پیشانی اسے دیکھتے ہی سلوٹ زدہ ہوگئی تھی۔ جسے فضہ نے دیکھا تھا اور ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

''بیٹھو...... کھڑی کیوں ہو......؟''

ایمان کو اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس ہوا تو نظریں چرا کر بولی تھی۔

''ابھی کچھ دیر قبل پھر ولید کا فون آیا تھا۔ تم نے اپنا سیل آن کیوں نہیں کیا......؟''

''کیا پوچھنا چاہتے ہیں وہ......؟''

اس نے سرد نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دی تھیں۔

''یہ سوال تو نہیں کرنا چاہئے۔ وجہ تو ہم پوچھنا چاہتے ہیں تم سے، کیا ہوگیا ہے تمہیں ایک دم......؟''

فضہ روہانسی ہونے لگی۔

''کچھ نہیں ہوا......! صحت مند ہوں، باہوش ہوں، ہاں......! البتہ اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔''

وہ رُک رُک کر، ٹھہر ٹھہر کر کسی قدر نخوت سے بات کر رہی تھی۔

''کون سی غلطی......؟''

فضہ نے ہونق ہو کر اس کی صورت دیکھی۔

''ولید کے ساتھ عمر بھر ساتھ چلنے کی غلطی......!''

اس نے تنک کر کہا اور فضہ کو گویا سکتہ ہوگیا تھا۔

''تم...... تم ہوش میں تو ہو......؟''

معاً فضہ حلق کے بل چیخ پڑی تھی۔

''میں پہلے کہہ چکی ہوں کہ میں بقائمی ہوش و حواس بات کر رہی ہوں۔''

اس نے اس قدر برہمی سے کہا کہ فضہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''اب کیا کرنا چاہتی ہو تم......؟''

بہت دیر کی جامد اور تکلیف دہ خاموشی کے بعد بالآخر فضہ نے یہ سوال کیا تھا۔

''جو چاہتی ہوں، سب کو عنقریب پتہ چل جائے گا۔''

اس نے ریموٹ اُٹھا کر ٹی وی آن کرتے ہوئے اسی انداز میں جواب دیا۔ فضہ اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ جان گئی تھی اب وہ مزید کوئی بات نہ کرے گی، نہ سنے گی۔

☆☆☆

تمہیں مجھ سے گلہ کیا ہے

اچانک بے رُخی اتنی

بتاؤ تو ہوا کیا ہے

مناؤں کس طرح تم کو

مجھے اتنا تو بتلا دو

اگر اب ہو سکے تم سے

تو یہ احسان فرما دو

میری منزل محبت ہے

مجھے منزل پہ پہنچا دو

تمہاری آنکھ میں آنسو

مجھے اچھے نہیں لگتے

تمہارے نرم ہونٹوں پہ

گلے اچھے نہیں لگتے

تمہارے مسکرانے سے

میرا دل مسکراتا ہے

تمہارے روٹھ جانے سے

میرا دل روٹھ جاتا ہے''

اس نے ولید سے حتمی بات کرنے کی خاطر سیل فون اُٹھایا تو اس کا میسج پہلے سے موجود تھا۔ کچھ دیر ...ن نظروں سے اسکرین پہ چمکتے الفاظ کو تکتے رہنے کے بعد اس کی نظریں دھندلا گئی تھیں۔ ذہنی رو بہکنے لگی۔ ...ب وہ جا رہا تھا تو ائیر پورٹ پہ ڈیپارچر لاؤنج کی سمت جانے سے قبل اس نے اچانک اس کے ہاتھوں کو اپنے ...مضبوط پُرحدت ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں لے کر گہرے جذب سے کہا تھا۔

''کبھی ناراض مت ہونا

گلے چاہے بہت کرنا

رُلانا اور بہت لڑنا

سنو! ناراض مت ہونا

کبھی ایسا جو ہو جائے

کہ تیری یاد سے غافل

کسی لمحے جو ہو جاؤں

بنا دیکھے تیری صورت

کسی شب جو میں سو جاؤں

تو سپنوں میں چلے آنا

مجھے احساس دلانا

سنو! ناراض مت ہونا

کبھی ایسا جو ہو جائے

جنہیں کہنا ضروری ہو

وہ مجھ سے لفظ کھو جائیں

اَنا کو بیچ مت لانا

میری آواز بن جانا

کبھی ناراض مت ہونا

کرو ناں پرامس......! کبھی مجھ سے خفا نہیں ہوگی۔"

وہ اس کے لہجے کی گمبھیرتا اور اُتار چڑھاؤ کے سحر میں گم تھی، جب ولید نے اس کا کاندھا ہلا کر کسی قدر سنجیدگی سے سوال کیا تھا، اور وہ اس کے خوبرو، فریش چہرے کو تکتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"کوئی خود سے بھی خفا ہوتا ہے بھلا......؟"

کتنا ایقان تھا اس سے اس کے لہجے میں مگر اب...... اس کا گلا رندھنے لگا، جب سیل فون پر ہونے والی بپ پہ وہ اپنے خیالات سے چونک گئی۔

"ولید کالنگ......!"

اس نے کچھ دیر تک خالی نظروں سے اسکرین کو تکا تھا۔ پھر گہرا سانس کھینچ کر کال ریسیو کرنے سے قبل گویا خود کو اس سے بات کرنے کے لئے تیار کیا تھا۔

"ایمان......! ایمی......! مائی گاڈ......! تھینک گاڈ......! تم نے فون تو پک کیا۔ کیسی ہو......؟"

اطمینان اور انبساط کے ساتھ اچانک ملنے والی اس خوشی نے اسے ایک دم بے ربط کر ڈالا تھا۔

"آئی تھنک......! ادھر اُدھر کی باتوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے ہمیں ٹو دی پوائنٹ بات کرنی چاہئے۔"

اس کا لہجہ روکھا، سرد اور بے حسی لئے ہوئے کسی قدر اجنبی تھا۔ دوسری سمت کچھ دیر کو خاموشی چھا گئی۔

"تم کہو تو، کیا کہنا ہے......؟ میں سن رہا ہوں۔"

معاً وہ آہستگی سے گویا ہوا تھا۔ صورت حال کی تبدیلی کا اسے اسی پل یقین آیا تھا۔

"مجھے آپ سے صرف ایک بات کہنا ہے اور وہ یہ کہ مجھے طلاق چاہئے۔"

اس نے دل پہ پتھر رکھ کر بالآخر کہہ ڈالا۔ دوسری جانب موت کی سی خاموشی چھا گئی تھی۔ ایمان کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی، پھر سیل آف کر کے رکھا اور خود پہ ضبط کھو دیا تھا۔

☆☆☆

بہت دیر تک آنسو بہانے کے بعد اس نے ہاتھ کی پشت سے بھیگا چہرہ صاف کیا تو نگاہ بلنک کرتی اسکرین پہ جا پڑی۔ ولید حسن ایک بار پھر کال کر رہا تھا۔ وہ اس پوزیشن میں ہرگز نہیں تھی کہ مزید بات کرتی، جبھی آہستگی سے اُٹھ کر کمرے سے نکل کر ٹیرس پر جا کھڑی ہوئی، جبکہ کمرے کی نیم تاریکی میں بہت دیر تک موبائل کی اسکرین چمکتی رہی تھی۔

☆☆☆

"اپنی ہی دُھن میں رہتی تھی

اک لڑکی شوخ اور چنچل سی

پھولوں سے باتیں کرتی تھی

تتلی کے رنگ پکڑتی تھی

اک دھنک تھی اس کے آنچل پر

پھر جانے کیا طوفان آیا

تتلی کے رنگ بکھر گئے

آنچل کے رنگ اُتر گئے

جب پوچھا کسی نے اے لڑکی!

تم نے چپ کیوں سادھ لی ہے

وہ کچھ نہ بولی بس رو دی

اور خاک پہ ہاتھ کی اُنگلی سے

اک لفظ جھٹ لکھ ڈالا"

فضہ تھک کر واپس چلی گئی۔ ولید نے بھی چپ سادھ لی تھی۔ ایمان جیسے اس پُرخار راستے پہ چلتے خود سے بچھڑی جا رہی تھی۔ یونیورسٹی آتی مگر کوئی بھی کلاس اٹینڈ کئے بغیر کیمپس کی نہر کے کنارے سر جھکائے بیٹھی رہتی۔ کبھی کینٹین جا کے بیٹھ جاتی۔

اس وقت بھی وہ سر جھکائے خود سے بھی غفلت کی کیفیت میں بیٹھی تنکے سے مٹی کرید رہی تھی، جب ولی آہستگی سے چلتا اس کے مقابل آن بیٹھا۔ ایمان نے سر اُٹھایا اور موسیٰ کو دیکھ کر ہونٹ بھینچ لئے۔

"واٹ از دس......؟"

اس کا بڑھایا ہوا کاغذ کا پرزہ لینے سے گریز کرتے ہوئے بجھے بجھے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

"ولید حسن کا ایڈریس ہے، گھر کا، آفس کا۔"

موسیٰ کے جواب پہ ایمان کی نگاہوں کی اُلجھن بڑھ گئی تھی۔

"تو پھر......؟"

"افوہ......! اپنی اپروچ کا ایک ننھا سا ثبوت پیش کر رہا ہوں۔ کہیں آپ یہ نہ سمجھ بیٹھیں محض بڑکیں مار رہا ہوں میں۔ بس......! ایک فون کال، اور کام ختم......!"

وہ اپنی بات کے اختتام پہ ہلکا سا ہنسا اور ایمان کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"میں نے کہا تھا ناں...... ! تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔ میں تمہاری بات ماننے کو تیار ہوں۔"

وہ بولی تو اس کے حلق سے بمشکل پھنسی پھنسی آواز نکل سکی تھی۔

"ٹھیک ہے......! مجھے یقین ہے۔ لیکن خود کو سنبھالیں تو سہی......! یو نو......! آپ کی فرینڈشپ ختم ہو رہی ہے۔ مجھے اپنے لالہ کے لئے وہی فریش سی ایمان چاہیے جنہیں دیکھ کر وہ پھر سے زندگی کی طرف پلٹے تھے۔"

اسے کانوں پر اچھی طرح گھسیٹ کر وہ کتنے اپنائیت بھرے انداز میں گویا ہوا تھا اور جو بات کہی تھی، وہ عام حالات میں ایمان کو ہمیشہ سے اُکھاڑ سکتی تھی، مگر اس پل اس کی بے بسی انتہا پہ پہنچی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں اُترے آنسو ہونٹ کچل کر پیتے ہوئے اس نے آہستگی سے سر کو اثبات میں جنبش دی تھی۔

"گڈ......! ایسے ہی تعاون کرتی رہیں تو مجھ سے آپ کو انشاء اللہ کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

وہ مسکراتا ہوا اُٹھ کر چلا گیا۔ ایمان ہونٹ بھینچے آنسو صاف کر رہی تھی۔

☆☆☆

"بتاؤ کیسا لگتا ہے
کسی کو پا کے کھو دینا
کسی کے ساتھ تو چلنا
مگر اس کا نہ ہو پانا
خود ہی کو کوستے رہنا
مگر اس کو نہ کچھ کہنا
خود ہی گرنا، سنبھلنا
ہنسنا اور رو دینا
بتاؤ کیسا لگتا ہے
خزاں کی سخت سردی میں
ہجر کی لمبی راتوں میں
کسی کی یاد میں رونا
کسی کو سوچتے آنکھیں کھو دینا"

اس نے سنا تھا، ولید حسن اپنا ٹرپ اُدھورا چھوڑ کر چلا آیا ہے۔ اس کے دل نے ایک ہپ سی کی تھی۔ مگر دانستہ اس نے چہرے پر کوئی تاثر نہیں آنے دیا تھا۔ مگر اسی شب تب سے خاموش تماشائی بنے بابا اس کے کمرے میں رات کو چلے آئے تھے۔

"ولید واپس آ گیا ہے، تمہیں پتا تو ہوگا......؟"

کوئی بھی تمہید باندھے بغیر انہوں نے مطلب کی بات کی تھی۔ وہ جو انہیں اپنے کمرے میں دیکھ کر ہی ان کی آمد کا مقصد سمجھ گئی تھی، خود کو ان کے سامنا کرنے کے لئے تیار کرنے لگی۔

"تمہاری زندگی کے متعلق ہر فیصلہ تمہاری رضا اور ایماء پر کیا گیا تھا ناں ایمان......؟"

وہ پوچھ رہے تھے اور وہ اُنگلیاں چٹخا رہی تھی۔

"اب میں تم سے کسی قسم کی حماقت کی توقع نہیں کروں گا۔ آئی ڈونٹ نو......! کہ تم دونوں کے درمیان کیا مس انڈراسٹینڈ ہوا ہے۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اب تم ہمیں ذلیل نہیں کرو گی، اوکے......!"

"پاپا......! میں یہ شادی نہیں کر سکتی، پلیز......!"

وہ روہانسی ہو گئی تھی اور پاپا نے زندگی میں پہلی بار اسے اتنے برے طریقے سے ڈانٹا تھا کہ وہ ششدر رہ گئی۔

"میں نے جو کہنا تھا، وہ میں کہہ چکا ہوں۔"

تبھی ماما کھانے کا کہنے چلی آئیں تو میں بھی با دل نخواستہ کھانا کھانے کے لئے اپنے کمرے سے نکل آئی۔ مگر کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، سو کھانا چھوڑ چھاڑ کر اپنے کمرے میں اُٹھ کر واپس چلی گئی۔

ماما کی خاموش نگاہیں پاپا پہ مرکوز تھیں جو اطمینان بھرے انداز میں کھانا کھا رہے تھے۔

"ایک تو اس لڑکی نے عاجز کر کے رکھا ہوا ہے۔ آپ اس سے ایک بار پھر بات کریں ناں......! وہ میری تو کچھ سنتی ہی نہیں ہے۔"

ماما کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔ پاپا نے چمچ واپس پلیٹ میں رکھا اور پانی کا گلاس اُٹھا لیا۔

"ولید آ گیا ہے۔ کی ہے بات اس نے مجھ سے۔ کل آئے گا، خود بات کرے گا۔"

ان کے کہنے پہ ماما کے چہرے پہ ایک اطمینان سا پھیل گیا۔ ایمان جب کمرے میں واپس آئی تو ٹیلی فون تسلسل سے بج رہا تھا۔ اس نے کچھ لمحے فون سیٹ کو گھورا، پھر آگے بڑھ کر آہستگی سے ریسیور اُٹھا لیا۔

"ایمان......! ایمان......! میری بات سنو پلیز......!"

"بولو......!"

وہ جتنی بے قراری، بے تابی سے کہہ رہا تھا، جواباً ایمان کا لہجہ اسی قدر سرد اور روکھا ہو گیا تھا۔

"تم اس روز مجھ سے مذاق کر رہی تھیں ناں......؟"

"مذاق......؟ میرا آپ سے ایسا کوئی تعلق نہیں رہا ہے ولید حسن......! اور عورت کبھی مذاق میں طلاق

کا مطالبہ نہیں کیا کرتی۔ مجھے......؟ احمقوں کی جنت سے نکل آؤ۔"

تیکھے لہجے میں اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا تھا اور دوسری سمت وہ جیسے بے طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا تھا۔

"کیوں کر رہی ہو ایسا......؟ مجھے بتاؤ......! کیا غلطی ہوئی ہے مجھ سے......؟"

"غلطی آپ سے نہیں......! مجھ سے ہوئی تھی۔ جانے کیسا جال پھینکا تھا تم نے......؟ عقل ہی ضبط کر ڈالی میری، سب کچھ بھلا دیا، اور میں اپنے نزدیک جو بھی، جیسا بھی ملا، اسی پہ قانع ہونے لگی۔ جبکہ تم گواہ تھے کہ میں تمہیں پسند نہیں کرتی تھی۔"

اتنے سفاک الفاظ ولید حسن کے وجود کے پرخچے اُڑا گئے۔

"تو تم پچھتا رہی ہو میرا انتخاب کر کے......؟"

وہ بہت تاخیر سے خود کو سنبھال کر بولا تو لہجے میں طنزیہ کاٹ کے ساتھ ٹوٹے اعتماد کی کرچیوں کی چبھن بھی تھی۔

"ہاں......!"

دوٹوک، قطعی اور سرد جواب تھا جو ولید حسن کو اندر تک کاٹ کر رکھ گیا۔ مزید کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا کہنے سننے کو۔ اس نے بے جان ہاتھوں سے سیل فون واپس جیب میں رکھ لیا۔ صد شکر کہ اماں ابھی کچھ دیر قبل اُٹھ کر وہاں سے گئی تھیں۔ وہ آہستگی سے اُٹھا تھا اور دروازہ کھول کر بالکنی میں آ گیا۔

ہوا سرد تھی۔ صحن میں لگے پیپل کے درخت کے پتے ہوا کی شرارت پہ بجتے تو خاموش فضاء میں جلترنگ سے اُٹھتے۔ وہ سگریٹ کے کش لے رہا تھا، جب ہوا کے دوش پہ لہراتی آواز نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچی۔

"تم میرے کون ہو؟ تم سے ہے تعلق کیسا؟
تم کسی دُھند میں لپٹی ہوئی تنہائی ہو
میری شہرت ہو اور دُعا ہو، میری رُسوائی ہو
تم میرے کون ہو؟ تم سے ہے تعلق کیسا؟"

اس نے جلتی ہوئی سگریٹ ہونٹوں کے درمیان رہنے دی اور ریلنگ سے ٹیک لگا کر جلتی آنکھوں سے نیچے دیکھا۔ کھیتوں کے پار گلابوں کے جھنڈ میں جگنو دمک رہے تھے۔ اسے ایمان کی بے رُخی پہ ایک بار پھر تاؤ آنے لگا۔ جبھی کچھ سوچا اور پلٹ کر کمرے میں آ گیا۔ جیکٹ اور سیل فون اُٹھایا اور کمرے سے نکل کر سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے آیا تو فضہ کچن میں مصروف تھی۔ قدموں کی آہٹ پہ کھڑکی سے جھانکا اور اسے دیکھ کر کچھ دیر یوں ہی تکتی رہی۔

"عاقب کہاں ہے بھائی......؟ مجھے گاڑی کی چابی چاہیے تھی۔"

"اندر ہیں اپنے کمرے میں۔ اس وقت کہاں جا رہے ہیں ولی بھائی......؟"

وہ تشویش میں مبتلا ہوتی کچن سے نکل آئی تھی، ابھی صحن عبور کر کے کمرے کے دروازے تک ہی پہنچی تھی کہ وہ چابی سمیت باہر آ گیا۔

"اس وقت کہاں جا رہے ہیں بھائی......؟"

"کچھ کام ہے، اماں کو مت بتائیے گا۔"

"لیکن آپ جا کہاں رہے ہیں......؟ مجھے تو بتا دیں۔"

فضہ کو اس کے قدموں کا ساتھ دینے کو باقاعدہ دوڑ لگانا پڑی تھی۔

"آپ کی ڈیئر سسٹر سے باضابطہ ملاقات کرنے۔"

وہ رُک گیا تھا۔ فضہ نے انرجی سیور کی روشنی میں اس کے چہرے کو خائف نظروں سے دیکھا تھا۔

"اس وقت......؟ صبح چلے جائیے گا۔"

فضہ نے آہستگی سے مگر لجاجت سے کہا۔ وہ سر جھٹک کر مسکرایا۔ بڑی زہر بھری مسکان تھی۔

"مجھ پہ ایک ایک لمحہ بھاری ہے بھابی......! آپ صبح کی بات کرتی ہیں......؟ کتنی لمبی رات ہے بیچ میں، اندازہ ہے آپ کو......؟"

وہ جیسے ضبط کھو کر بکھرنے لگا اور یہی اسے گوارہ نہیں تھا، جبھی رُخ پھیر کر ہونٹ بھینچ لیے۔

"آئی ایم سوری......!"

معاً اسے احساس ہوا تو بھاری آواز میں بولا۔ فضہ کے چہرے پر اذیت رقم ہونے لگی۔

"ایسا مت کہیں بھائی......! سوری تو ہمیں کرنا چاہیے آپ سے کہ......"

"میں چلتا ہوں۔ پھر بات کریں گے۔"

وہ ایک دم اسے ہاتھ اُٹھا کر ٹوک کر لمبے ڈگ بھرتا ہوا ڈیوڑھی پار کر کے باہر نکل گیا۔ فضہ وہیں کھڑی سوچوں میں گم تھی۔ اس کے چہرے پہ تفکر تھا۔

☆☆☆

"تم نے گرتے ہوئے پتوں کو تو دیکھا ہوگا
اپنی ہر سانس وہ ٹہنی پہ گنوا دیتے ہیں
کیا خوب سجاتے ہیں وہ بہاروں میں شجر کو
کڑی دُھوپ میں اپنا آپ جلا دیتے ہیں
کتنے بے رحم شجر ہیں نئے پتوں کی خاطر
پرانے پتوں کی وفاؤں کو بھلا دیتے ہیں"

باتھ لے نکلی تو اس کا جسم سردی محسوس کرنے لگا۔ اس نے آگے بڑھ کر پہلے ہیٹر آن کیا تھا، پھر تولیے میں قید لمبے بالوں کو جھٹک کر پشت پر گرانے کے بعد ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کر برش اُٹھایا اور بال سلجھانے لگی۔ اس کی آنکھوں کے زیریں کنارے اور ناک کی پھننگ سرخ ہو رہی تھی۔ کل شام سے اسے زکام تھا، ابھی کچھ دیر قبل وہ اپنا جسم بھی گرم ہوتا محسوس کر چکی تھی۔ مگر پرواہ نہیں کی اور باتھ لے لیا۔ اسی کا شاید نتیجہ تھا کہ اسے کچھ دیر بعد دیگرے چھینکیں آنے لگی تھیں۔ بال سلجھ گئے تو اس نے انٹرکام پہ

ملازمہ کو چائے کے ساتھ ڈسپرین لانے کا کہا تھا۔ کچھ دیر بعد دروازے پہ دستک کی آواز سن کر وہ گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے دروازے کی سمت آئی اور ناب گھما کر دروازہ وا کر دیا۔ مگر اگلا لمحہ اسے شاک میں مبتلا کرنے کو آیا تھا۔

کھلے دروزے کی چوکھٹ پر ولید حسن کو ایستادہ پا کے اس کے اعصاب کو دھچکا لگا تھا۔ وہ آئے گا، یہ جانتی تھی وہ، مگر یوں اس طرح رات کے وقت، اس کا اندازہ نہیں تھا۔ جبھی کچھ لمحوں کو ساکن رہ گئی تھی۔ ولید حسن کی خاموش نگاہوں نے اس کا سرتاپا جائزہ لیا تھا۔

ٹی پنک اور بلیو پرنٹ کا اسٹائلش سوٹ گیلے، کھلے بال بغیر دوپٹے کے اس کا دلکش تباہ کن حشر ساماں سراپا۔

"نظریں ہمیشہ جھوٹے لوٹ جایا کرتے ہیں، یو نو......؟"

وہ ہونٹ بھینچ کر سرعت سے پلٹی، بیڈ کے سرہانے پڑا اپنا دوپٹہ اٹھا کر اوڑھ رہی تھی، جب ولید حسن کی کاٹ دار آواز پہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"باہر چلیئے......! ڈرائنگ روم میں یا پھر ہال کمرے میں۔ آپ کو جو کچھ بھی کہنا ہے، میں وہیں آپ کی بات سنتی ہوں۔"

اس نے جواب میں رسانیت سے کہا تھا اور ولید حسن کا ضبط پارہ پارہ ہو گیا تھا۔ اس نے شدید غیظ بھرے انداز میں اس کی کلائی اپنی آہنی گرفت میں جکڑی تھی اور اسے ایک ہی جھٹکے میں اپنے برابر کھینچ لیا تھا۔

"اگر تمہارا مقصد مجھ پہ میری حیثیت واضح کرنا ہے تو میرا تم پہ کس قسم کا استحقاق ہے، یہ میں تم پہ ابھی کھڑے کھڑے ثابت کر سکتا ہوں۔"

اس کا تحقیر آمیز انداز ولید حسن کو آتش فشاں بنانے کا باعث بنا تھا۔

"انہی حقوق کو ختم کرنا چاہتی ہوں میں بھی، میں آپ کو پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ مجھے طلاق......"

اس کی بات ولید حسن کے زناٹے دار تھپڑ کی وجہ سے اُدھوری رہ گئی تھی۔

"آج کے بعد اگر یہ منحوس لفظ تمہارے منہ سے نکلا تو میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔ سمجھیں تم......؟"

شدید جلال میں آتا وہ اسے گھورتے ہوئے بولا تھا۔ ایمان گال پہ ہاتھ رکھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے کچھ دیر اسے دیکھتی رہی، یوں جیسے یقین نہ آ رہا ہو کہ وہ اس پر ہاتھ اُٹھا چکا ہے۔

"بیوی ہو تم میری......! بے غیرت نہیں ہوں میں کہ تمہیں بے مہار چھوڑ دوں۔ جب تک تم پہ کوئی حق نہیں تھا، کبھی تمہیں ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، اور یہ رشتہ زبردستی طے نہیں ہوا تھا، یاد کرو......! تم ہی مری جا رہی تھیں مجھ سے تعلق جوڑنے پر۔"

وہ بولنے پہ آیا تو غضب سے بپھر کر بولتا چلا گیا۔ اس کی چمکدار آنکھوں میں ذولتی حد درجہ تندی اور سرد مہری میں غیض و غضب تھا، اشتعال تھا۔ ایمان نے دانستہ نگاہ جھکا لی۔

"اسی غلطی پہ پچھتا رہی ہوں۔ رشتے زبردستی تو نہیں جوڑے جاتے۔ میں آپ کے ساتھ نہیں چلنا چاہتی، پھر آپ زبردستی کرنے والے کون ہوتے ہیں......؟"

وہ بے ساختہ چیخ پڑی تھی۔ ولید حسن نے جلتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔ پھر قدم بڑھا کر اس کے بالکل سامنے آ گیا۔

"میں تمہاری غلطی کو تمہارا عمر بھر کا پچھتاوا بنا دوں گا۔ بہت مان ہے تمہیں خود پہ، جو چاہو کر لو گی......؟ نہیں ایمان......! مزید تمہاری نہیں، میری مرضی چلے گی۔ تم میری پابند ہو۔ میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اس لیے نہیں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، وہ محبت تو اپنی موت اسی وقت مر گئی تھی، جب تم نے اس کا مضحکہ اُڑایا۔ ایک حقیر کھلونے سے بڑھ کر تو نہیں تھی ناں میری حیثیت تمہاری نظروں میں، جو ایسی کیفیت میں تمہیں بھا گیا تھا، جب زندگی کے تمام رنگ پھیکے تھے۔ تم نے میری وجود کو، میری محبت کو اپنایا، اپنا دل بہلایا اور...... اور اب اس سے جان چھڑا لینا چاہتی ہو......؟ تو ایسا نہیں ہوگا۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ بساط پہ بچھے مہرے ہمیشہ آپ کو فتح سے ہی نہیں، شکست سے بھی دوچار کر سکتے ہیں۔"

احساسِ ذلت کے احساس نے ولید پہ جیسے خون سوار کر دیا تھا۔ اس کے ہاتھوں کا آہنی وحشیانہ دباؤ ایک ایک کر کے ایمان کی ساری مدافعانہ صلاحیتوں کو بے کار کرتا چلا گیا۔ اس کا اُلجھتا ہوا پُرتپش تنفس اسے اپنے چہرے پہ بھاپ کی طرح محسوس ہوا تھا۔

"ایسا مت کریں، مجھ پہ رحم کریں، پلیز......!"

وہ اس کی گرفت میں مچلتی بے ساختہ بے بسی سے رو پڑی۔

"رحم کروں تم پہ......؟ تم ہو اس قابل......؟"

وہ اسے جھٹک کر تحقیر آمیز نگاہوں سے گھورنے لگا۔

"اگر آپ زبردستی کریں گے تو میں خودکشی کر لوں گی، مگر آپ کو آپ کے ارادوں......"

"تم خودکشی کرو گی......؟ میں خود جان سے مار دوں گا تمہیں۔"

وہ بھڑک کر اس کی سمت لپکا تو ایمان بری طرح سراسیمہ ہو گئی کہ اس کی نگاہوں کی جارحیت اور سفاکی نے اسے متوحش کر ڈالا تھا۔ ولید حسن اسے قہر بھری نگاہوں سے گھورتا ہوا ایک جھٹکے سے پلٹ گیا۔ ایمان بری طرح سے سسک اُٹھی۔ کون جانتا تھا ان آنسوؤں کی السنا کی کا سبب......؟

کچھ پل اس کو اور دیکھ سکتے
اشکوں کو مگر گوارہ کب تھا
ہم خود بھی جدائی کا سبب تھے
اس کا قصور سارا کب تھا

☆☆☆

"لکھا ہے جو کچھ
پڑھا ہے جو کچھ
وہ کس لیے تھا

کہاں سے پوچھوں
وہ کس لئے ہے کسے بتاؤں
مجھے عقیدوں کے خواب دے کر
کہ گیا ان میں روشنی ہے
چمکتی قدروں کی چھب دکھا کر
مجھے بتایا یہ زندگی ہے
سکھائے مجھ کو کمال ایسے
یقین نہ آئیں سکھانے والے
اگر میں انہی کو جا سناؤں
میں کہ آنکھوں کی دسترس میں
نئے مناظر کہاں سے لاؤں
کہاں میں جنسِ کمال رکھوں
خیال تازہ کہاں سجاؤں
زمین پیروں تلے نہیں ہے تو
کیسے تاروں کی سمت جاؤں
پرانی قدریں جو محترم ہیں
انہیں سنبھالوں یا آنے والے
نئے عقیدوں کا بھید پاؤں
وہ سب عقیدے، تمام قدریں، خیال سارے
جو مجھ کو سکے بنا کے بخشے گئے
میری حواسِ خمسہ سے معتبر تھے
جب ان کو رہبر بنا کے نکلا تو میں نے دیکھا
میرے ہاتھوں میں کچھ نہیں ہے
میں ایسے بازار میں کھڑا ہوں
جہاں کرنسی بدل چکی ہے''

فضہ اس کے لئے چائے لے کر آئی تھی، کمرہ خالی تھا۔ بیڈ کی چادر بے شکن اور پائنتی کی سمت پڑا کمبل یوں ہی تہہ لگا پڑا تھا۔ کمرے کی کھڑکیاں کھلی تھیں، جن سے سورج کی روشنی چمکتی کرنیں بڑی آزادی سے کمرے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ٹیبل پہ موجود ایش ٹرے سگریٹ کی راکھ سے بوجھل تھی۔ فضہ نے گہرا سانس بھرا اور بھاپ اُڑاتا چائے کا مگ ٹیبل پر رکھ دیا۔

گویا وہ ساری رات نہیں سویا تھا۔ اس کے دل پہ دھرا بوجھ کچھ اور بڑھا۔ ایش ٹرے اٹھا کر ڈسٹ بن میں جھاڑی اور اس کی تلاش میں بالکنی کی سمت آ گئی۔ وہ وہیں موجود تھا۔ فضہ نے وہیں تھم کر اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک دم سے چھا جانے والی زبردست پرسنالٹی کا مالک تھا۔ کھلے دیہاتی ماحول میں پلا بڑھا، فولادی وجود ناقابلِ تسخیر دکھائی دیتا تھا۔ وہ جس کے انداز میں ہمیشہ بڑی شان بے نیازی اور حد درجہ استغنا چھلکتا تھا، جسے اپنی انا اپنی عزتِ نفس اور وقار اتنا عزیز تھا کہ اس نے ایمان کی چاہت میں بری طرح سے بے بس ہو جانے کے باوجود جھکنا پسند نہیں کیا تھا، مگر اب جیسے بری طرح سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ فضہ کو ایمان پہ جتنا غصہ آیا تھا، ولید پہ اس قدر رحم۔

''ولی بھائی......!''

اس کے پکارنے پہ ولید جو ختم ہوئے سگریٹ سے نیا سگریٹ سلگا رہا تھا، لمحہ بھر کو جیسے اس کی سمت متوجہ ہوا۔

''آپ کو پتا ہے ناں، اسموکنگ کتنی خطرناک ہے، انسانی صحت کے لئے......؟''

''کچھ نہیں ہونے لگا ہے مجھے، ڈونٹ وری......!''

وہ بے نیاز، پرنخوت انداز میں کہہ کر گہرے کش لینے لگا۔

''آپ ساری رات بھی نہیں سوئے ہیں ناں......؟''

ولید نے کچھ کہے بغیر ہونٹ بھینچے اور آف ہوتے موڈ کے ساتھ سگریٹ نیچے اُچھال دیا۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں......؟ آپ کی چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔''

اسے بالکونی سے کمرے میں اور کمرے سے نکلتے دیکھ کر فضہ بے ساختہ گڑبڑائی۔

''میں دادا کے کمرے میں ہوں، میرا اور ان کا ناشتہ وہیں لے آئیے گا، اور ہاں......! بے فکر رہیں۔ آپ کی ڈیئر سسٹر کے ہجر و نارسائی کے غم میں میرا بھوک ہڑتال اور راتوں کو جاگنے کا ہرگز پروگرام نہیں ہے۔''

اس کے سرد لہجے میں کسی قدر ٹھہراؤ تھا۔ چہرے پہ بے نیازی اور تلخی کے تاثرات رقم تھے۔ فضہ اسے دیکھتے رہ گئی، وہ پلٹ کر جا چکا تھا۔

''تمہیں کاش اندازہ ہوتا ایمان......! کہ تم نے اپنا کتنا بڑا نقصان کر لیا ہے......؟''

فضہ اس کا نیا روپ دیکھ کر افسردگی سے سوچتی نیچے چلی گئی۔ ولید دادا کے کمرے میں آیا تو وہ اپنی عینک لگائے سیرت النبی کے مطالعے میں مصروف تھے۔ وہ کرسی پلنگ کے نزدیک گھسیٹ کر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ دادا نے دوران مطالعہ ایک آدھ بار نگاہ اٹھا کر جب بھی اسے دیکھا وہ انہیں ہر بار اُلجھا ہوا مضطرب سا لگا تھا۔ انہوں نے آہستگی سے کتاب بند کر کے اس کی سمت بڑھانے کی بجائے خود ہاتھ اونچا کر کے قرآن پاک کے ساتھ طاق پر رکھ دیا۔

''خیر ہے پتر......؟ اتنا خاموش کیوں ہے تو......؟''

دادا کی آواز پہ وہ چونکا، پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''آپ سے ایک ضروری بات کرنے کی غرض سے آیا تھا۔''

''ہاں ہاں......! بولو......!''

دوا نے اپنی پشت پہ تکیہ رکھتے ہوئے دھیان سے اسے دیکھا۔

''دوا......! میں فوری طور پر ایمان کی رخصتی چاہتا ہوں۔''

''مجھے پتا ہے، میرے پتر کو جلدی ہے۔ میں بات کروں گا تیرے ابے سے، فکر نہ کر......!''

دوا کے چہرے پر مسکان اتر آئی۔

''دوا......! بہت جلدی......! ایک ہفتے کے اندر اندر، اگر ممکن ہو سکے تو......؟''

اس کی بات پر دوا چونکے تھے۔

''اتنی جلدی کیوں ہے تمہیں......؟''

ان کے سوال پر ولید نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔ کم از کم دوا کو وجہ نہیں بتا سکتا تھا وہ۔

''اچھا......! چل ٹھیک ہے......! میں تیرے ابے سے بات کروں گا اور افضی سے بھی، ہو سکتا ہے مان جائے......!''

دوا نے ہنس کر کہتے اس کا گھٹنا تھپکا۔ اپنے اندازے کے مطابق اسی افراتفری کی جو وجہ انہوں نے اخذ کی تھی، اس نے ان کا موڈ خوش گوار کر دیا تھا۔

''کوشش نہیں دوا......! آپ نے اپنے دونوں بیٹوں سے یہ بات منوانا ہے۔''

اس نے اپنی بات پہ زور دے کر کہا تو دوا نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے گویا وعدہ بھی کر لیا، اور جب فضہ ناشتے کی ٹرے کے ساتھ اندر آئی تو عاقب بھی اس کے ساتھ تھا۔

''مجھے پتا چلا آج محترم دوا کے ساتھ ناشتہ کرنے والے ہیں تو میں نے بھی یہ موقع گنوانا مناسب نہیں سمجھا۔ عید کا چاند ہو گئے آپ تو، اتنا کم میسر آتے ہیں۔''

عاقب سوٹ بوٹ پہنے بالکل فریش تیار حالت میں بڑے خوش گوار موڈ میں بات کر رہا تھا۔ ولید نے ایک نگاہ اس کے پُر وقار پولشڈ سراپے پہ ڈالی تھی اور خاموشی سے فضہ کا بڑھایا ہوا مگ تھام لیا۔

''اب میسر آیا کرے گا، بیوی گھر لا رہا ہے ناں، پھر دیکھنا، ہر وقت اس کے گرد چکراتا ہوا ملے گا۔''

دوا کا موڈ جتنا خوش گوار تھا، گفتگو بھی اسی قدر خوش دلی سے فرما رہے تھے۔ عاقب اور فضہ دونوں نے یک بارگی چونک کر پہلے دوا، پھر ولید کو دیکھا تھا۔

''اچھا......! تو اس سلسلے میں سفارشیں لے کر تشریف لائے ہیں محترم آپ کے پاس......؟''

عاقب کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ اتر آئی۔ جبکہ وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

''کب یہ نیک کام انجام پا رہا ہے......؟''

وہ جب دوا کے کمرے سے نکل رہا تھا، عاقب نے مسکراتے ہوئے سوال کیا تھا۔

''میری طرف سے آج ہی انجام پا جائے۔''

وہ جس لہجے میں گویا ہوا تھا، اس میں بے تابی اور شوخی نہیں، سرد مہری اور پھنکار کا تاثر تھا۔ عاقب ایک دم خاموش ہوا تھا۔

''خود کو ریلیکس کرو ولی......! اپس اینڈ ڈاؤن زندگی کا حصہ ہیں۔ نروس مت کرو یار......! زندگی کا

موڈ خوش گواری اور خوشی کا متقاضی ہے، اسے اسی طرح سے......''

''اب اس کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔ میرے سینے میں الاؤ دہک رہا ہے۔ اتنی تپش ہے کہ دن رات جلتا ہوں۔ یہ ساری آگ اس کے وجود میں اتاروں گا، تب چین آئے گا مجھے۔''

کھولتے ہوئے اعصاب پہ قابو پائے بغیر وہ اس قدر تندی اور حقارت سے بولا تھا کہ عاقب ٹھٹک کر اسے تکتا رہ گیا جبکہ وہ مزید اس کی سنے بغیر آگے بڑھتا اپنے کمرے میں جا گھسا تھا۔

☆☆☆

کبھی بھی موڑ پہ یا پھر اگلے پڑاؤ پر
گر جدا ہم کو ہی ہونا ہے
تو آؤ یہیں پر اپنے آشیانوں کو الگ کر لیں
یہ جتنے زخم دل پر ہیں ادھر اپنی طرف کر لوں
کہ تم اکثر یہ کہتے تھے
یہ سب میری بدولت ہیں
مگر ٹھہرو، ذرا ٹھہرو
یہاں کچھ خواب بھی ہوں گے
جو مل کے ہم نے دیکھے تھے
سہانے خواب تم رکھ لو
ادھورے سب مجھے دے دو
کہ میری تو یوں بھی عادت ہے
مجھے ٹوٹی ہوئی چیزوں سے اک بے نام الفت ہے''

ڈل گولڈن کلر کے سوٹ میں وہ متورم چہرے اور ورم آلود پپوٹوں کی سرخ آنکھوں کے ہمراہ جب یونیورسٹی کے لئے تیار ہو کر آئی تو ماما نے اپنی بیٹی کو بہت دھیان سے دیکھا تھا۔ جانے کیا ہو گیا تھا اسے......؟ دنوں میں جیسے آدھی ہو گئی تھی۔ اس کی تمام تر ضد، بدتمیزی، ہٹ دھرمی کے باوجود جب وہ اس کے چہرے کو دیکھتیں تو ایک دم دل ہولنے لگتا۔ جی چاہتا اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیں۔

''آج یونیورسٹی مت جانا، گاؤں سے تمہارے تاؤ جی کی فیملی آ رہی ہے۔''

ٹی پاٹ اپنی جانب سرکا کر وہ کپ میں چائے انڈیل رہی تھی، جب ماما نے اسے مخاطب کیا تھا اس نے ہونٹ بھینچ لئے۔ آج اس کا یونیورسٹی جانا اس لئے بھی ضروری تھا کہ وہ موسیٰ سے مل کر اسے اپنے ساتھ کا ایک بار پھر یقین سونپنا چاہتی تھی۔ رات بھر اسے اس خیال سے نیند نہیں آ سکی تھی کہ موسیٰ، ولید کی پاکستان واپسی سے بے خبر نہیں ہو گا۔

''اگر اس نے طیش میں آ کر کوئی الٹا سیدھا قدم اٹھا لیا......؟''

اس سے آگے جا کر اس کی سوچیں بھی مفلوج ہونے لگتی تھیں۔ رات اس نے متعدد بار موسیٰ کا نمبر

ملایا تھا، مگر ہر بار اس کا نمبر آف ملا تھا۔

''کیا کہا ہے میں نے......؟ تم نے میری بات سنی بھی ہے......؟''

ماما کو اس کی بے نیازی نے تپایا تھا۔ جبھی کسی قدر تختی سے بولیں۔

''سن لیا ہے، لیکن گاؤں سے آنے والے مہمانوں کا مجھ سے کیا تعلق ہے......؟ ولید نے اگر آپ کو نہیں بتایا تو میں بتا دیتی ہوں کہ مجھے اس سے طلاق چاہئے۔ کیا اس فیصلے کو کرنے کے بعد اس کی یا اس کی فیملی کی آمد میرے لئے اتنی اہمیت رکھتی ہے کہ میں ان کے اعزاز میں گھر پہ رُک کر استقبال کی تیاریاں کروں......؟''

ناخوش گوار تاثرات سے مزین چہرہ، سپاٹ نظریں اور بے حد روڈ لہجہ اور الفاظ تو کوئی بارود کے گولے تھے جنہوں نے ماما کے وجود کے پرخچے اُڑا دیئے تھے۔ وہ گم سم سکتے کی کیفیت میں بیٹھی تھیں۔ ایمان ان کی جانب دیکھے بغیر اُٹھ کر چلی گئی۔ یونیورسٹی بھی وہ شاید نہیں آیا تھا۔ ایمان کی متلاشی نگاہیں اور اس کا نمبر ملاتی ہوئی اُنگلیاں مایوسی اور تھکن کا شکار ہوتی چلی گئیں۔ وجود میں اسی حساب سے وحشت اپنے پنجے گاڑھتی رہی تھی۔ جب وہ واپس لوٹ رہی تھی تو بے بسی اور خوف کے احساس نے اس کی آنکھوں کو بھگو ڈالا تھا۔

وہ گھر آئی تو فضہ سمیت تاؤ جی اور تائی ماں کے ساتھ ساتھ حرا آپا بھی آ چکی تھیں۔ وہ چاہنے کے باوجود بھی ان سب سے بے رُخی نہیں برت سکی۔ البتہ اس کے ہر انداز سے بے دلی کا اظہار ضرور چھلکتا رہا تھا۔ حرا آپا جو ہر قسم کی تازہ صورت حال سے بے خبر تھیں، اسے ولید کے حوالے سے بار بار چھیڑتی رہی تھیں۔ تب وہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کرتی اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ پھر فضہ کے سمجھانے کے باوجود بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہوئی تھی۔

''ہم لوگ شادی کی تاریخ لینے آئے ہیں۔ پاپا نے اگلے ہفتے کو تمہاری رُخصتی کا عندیہ دیا ہے۔''

فضہ کی اطلاع پر ایمان کے اعصاب پہ کوئی بم پھٹا تھا۔ اس نے سٹپٹا کر پھٹی پھٹی غیر یقینی نظروں سے فضہ کو دیکھا تھا۔

''کوئی بھی منفی ردعمل دینے سے قبل یہ سوچ لینا ایمان......! کہ اب پاپا کی عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

فضہ نے جیسے اس کے متوقع اشتعال سے بچنے کی غرض سے کہا تھا اور اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''ولید نے ہر قسم کی تیاری سے منع کیا ہے۔ وہ سادگی سے رُخصتی چاہتا ہے۔ لیکن پھر بھی پاپا کوئی کمی نہیں چھوڑیں گے۔ تم خود کو ریلیکس کرو ایمی......! جو غلطی کر چکی ہو، اسے دُہرانے کی بجائے اس کے اثرات اپنے رویے اور محبت سے ختم کرنے کی کوشش کرو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہوگا۔''

فضہ جاتے جاتے اسے سمجھا گئی تھی، مگر اس نے تو شاید سنا ہی نہیں تھا، سمجھنا اور عمل کرنا تو الگ بات تھی۔

☆☆☆

''عشق لیلائے تمنا کا فسوں

عشق بے داریٔ وحشت کا صحرا

عشق شہروں کا دُھواں

عشق صحرا کا غبار

عشق آغوشِ لحد

عشق جذبوں کا قرار

عشق شعلوں کی لپک

عشق پتھر کا گداز

عشق اک نغمۂ جاں

عشق اک موت کا ساز

عشق پازیب جفا

عشق زنجیر ستم

عشق شیریں کے سلگتے ہوئے خواب

عشق فرہاد کا خوں قیس کا رقص جنوں

عشق جینے کی ادا

عشق ہر دل کی صدا

عشق کے کوچے میں ہے شاہ بھی گدا''

اس کی مثال ایک سہمی ہوئی چڑیا کی مانند تھی، جسے چال باز عقاب کے پنجوں کا خوف ہر لمحہ لرزاہٹ طاری کئے رکھے۔ یقیناً وہ احتجاج کرتی ایک حشر اُٹھا دیتی کہ جس نقصان سے بچنے کی خاطر اس نے محبت کو کھو دیا تو محبت بھینٹ چڑھا کر نفرت اور بدگمانی کا سودا کیا تھا، اس نقصان کا خوف پھر سے منہ پھاڑے سامنے کھڑا تھا۔ اسی شام جب گاؤں سے آئے مہمان واپس لوٹ گئے اور وہ اپنا انکار اور احتجاج لے کر پاپا کے پاس جانے والی تھی، پاپا خود اس کے کمرے میں آ گئے تھے۔

''آپ......؟ پاپا......! میں آپ کے پاس ہی آنے والی تھی۔''

وہ انہیں دیکھ کر یک لخت اپنے بیڈ سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ انہوں نے بیٹی کی آنکھوں کے نیچے گہرے ہوتے حلقوں کو دیکھا تھا، پھر بڑھ کر اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔

''مجھے آپ سے ضروری بات کرنا تھی بیٹا......! اس لئے میں خود چلا آیا۔ کیا فرق پڑتا ہے......؟''

اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ کرسی پر فروکش ہو گئے تھے۔

''تمہاری ماما بتا رہی تھیں کہ تم اب یہ شادی ختم کرنا چاہ رہی ہو۔ مگر میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں ایمان......! کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے، اور خالصتاً تمہاری مرضی کے مطابق۔ تمہیں یاد ہوگا بھائی جان کو فضہ کی منگنی کے حوالے سے رضامندی میں نے اپنی ایماء پہ دی تھی، مگر تمہارے معاملے میں، میں خاموش تھا۔ یہ تمہارا اپنا فیصلہ تھا۔''

''مگر پاپا...... !تب میں......''

''تب تمہاری ذہنی حالت جیسی بھی تھی ایمان بیٹا...... !مگر میں اتنا جانتا ہوں، تم نے ایک بہترین فیصلہ کیا تھا۔''

''پاپا...... !وہ......''

''اب کچھ نہیں ایمی...... !مزید کچھ نہیں...... !یو نو...... !میں بھائی جان کو تمہاری رخصتی کی تاریخ دے چکا ہوں۔ اگر تم نے میرے اس فیصلے کو قبول نہیں کیا تو ہمیشہ کی طرح میں تمہیں اب بھی کچھ نہیں کہوں گا، مگر تمہاری کسی بھی حماقت کے نتیجے میں تم اپنے باپ کو ہمیشہ کے لئے کھو دو گی۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں بہر حال اس شرمندگی کو سہہ نہیں پاؤں گا۔''

انہوں نے اپنی بات مکمل کی تھی اور مزید ایک لفظ بھی کہے بغیر اٹھ کر چل گئے تھے۔ وہ اس حد تک سراسیمہ اور بے اوسان ہوئی تھی کہ کتنی دیر تک یوں ہی بیٹھی رہی تھی۔ احتجاج آپ ہی آپ دم توڑ گیا تو اس نے خاموشی اوڑھ لی۔ دل سوکھے پتے کی طرح کانپتا تھا۔ اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ چپ چاپ خود کو حالات کے سپرد کر دے۔ مگر ایسا کر لینے کے باوجود سکون کھو گیا تھا۔

دن جیسے جیسے گزر رہے تھے، اضطراب بڑھ رہا تھا۔ ماما نے اسے شاپنگ کے لئے ساتھ چلنے پہ اصرار کیا مگر اس نے کوئی دلچسپی نہیں لی۔ تب انہوں نے ہار کر کہنا ہی چھوڑ دیا اور فضہ کے ساتھ خود ہی تیاری میں مگن رہتی تھیں۔

☆☆☆

''محبت پھر محبت ہے
کبھی دل سے نہیں جاتی
ہزاروں رنگ ہیں اس کے
عجب ہی ڈھنگ ہیں
کبھی صحرا، کبھی دریا، کبھی جگنو، کبھی آنسو
ہزاروں روپ رکھتی ہے
بدن جھلسا کے جو رکھ دے
کبھی وہ دھوپ رکھتی ہے
کبھی بن کر یہ اک جگنو
شب غم کے اندھیروں میں
دلوں کو آس دیتی ہے
کبھی منزل کنارے پر پیاسا مار دیتی ہے
اذیت ہی اذیت ہے
مگر یہ بھی حقیقت ہے
محبت پھر محبت ہے
کبھی دل سے نہیں جاتی''

وہ ایک عام سا دن تھا مگر اس دن کا سب سے اہم اور خاص واقعہ ایمان کی ولید حسن کے سنگ رخصتی تھی۔ ٹی پنک خوب صورت شرارے، میچنگ کے زیورات اور پھولوں کے گہنوں سے سجی وہ اپنے سندر روپ کے ساتھ زندگی کے نئے سفر پہ روانہ ہوئی تو دل میں تمام تر خدشات، خوف، واہمات کے ساتھ ساتھ ایک ڈری سہمی سی، مگر ایک خوشی کا احساس بھی تھا۔ محبت کی تکمیل کا ایک انوکھا سر اٹھاتا خوش کن احساس جس کا اسے خود بھی احساس نہیں تھا۔ اس گھر میں اس کا بہت پرتپاک استقبال ہوا تھا۔ اشعر نے پھولوں کی پتیاں نچھاور کرتے ہوئے گنگنایا تھا۔

''ساڑھے گھر آئی بھرجائی...... !''

اشعر نے ان لمحات کو اور بھی حسین بنا دیا تھا۔ کچھ رسموں کی ادائیگی کے بعد اسے ولید کے کمرے میں اوپر کے پورشن میں پہنچا دیا گیا۔ کمرے میں کسی اضافی ڈیکوریشن کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ گولڈن اور بیج کلر کے کمبی نیشن سے سجا سادہ مگر خوب صورت بیڈ روم تھا، جس کی سامنے دیوار پر ولید حسن کی فل سائز انلارج شدہ تصور اس کی خوب صورتی میں اضافہ کر رہی تھی۔ دروازے کے باہر قدموں کی چاپ سن کر ایمان بے ساختہ متوجہ ہوئی۔ فضہ تھی، اس نے اندر آ کر ٹرے ٹیبل پر رکھ دی۔

دودھ کا گلاس، مٹھائی کے علاوہ فروٹ کی ٹوکری۔

''اس کے علاوہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دینا۔''

فضہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو ایمان یوں ہی خالی نظروں سے اسے تکنے لگی تھی۔

''خوش کیوں نہیں ہوتی ہو...... ؟میری جان...... !تم اپنے صحیح ٹھکانے پر پہنچی ہو۔''

فضہ نے اس کے نزدیک آ کر اسے اپنے ساتھ لگا کر تھپکا تو اس کی آنکھیں جانے کس احساس سمیت بھیگ گئی تھیں۔

''ولی بھائی کا موڈ بھی کچھ خاص اچھا نہیں ہے۔ مگر مجھے یقین ہے، صبح میں تم دونوں کو خوش باش اور مطمئن دیکھوں گی، انشاء اللہ...... !''

وہ اس کی دمکتی پیشانی پہ بوسہ ثبت کرنے کے بعد کمرے سے نکل گئی۔ ایمان ساکن بیٹھی تھی۔ جانے کتنی دیر مزید گزری تھی، جب وہ اندر آیا تھا۔ بلیک شیروانی اس کی غضب کی دراز قامت پہ بے پناہ جچ رہی تھی۔ مگر اس کے پرکشش چہرے پہ جو تاثرات تھے، وہ ایمان کے دل کی دھڑکنوں کو ہیجان میں مبتلا کرنے لگے۔

''کیوں بیٹھی ہو اس طرح...... ؟''

وہ اسے دیکھتے ہی پھنکارا تھا۔ ایمان ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔

''اٹھو...... !چینج کرو جا کے، جنہیں انتقام کی خاطر سیج کی زینت بنایا جائے، ان کے حسن کے قصیدے نہیں پڑھے جاتے ہیں۔''

کیا تھا اس کے طنزیہ لہجے میں...... ؟ وہ اپنی جگہ لرز کر رہ گئی۔ ان نظروں کے انکار نے ایمان کو اپنے

وجود میں دہکتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ وہ خائف سے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

دوپٹے سے پنیں نکالتے زیورات سے اُلجھتے بھاری سوٹ کیس گھسیٹ کر اس میں سے رات کے لئے آرام دہ لباس منتخب کرتے ہر ہر پل ایمان کو اس کی مدد کی ضرورت پڑی تھی اور ہر پل یہ گمان ہوا تھا کہ وہ سگریٹ پھونکنا ترک کر کے اس کی ہیلپ کرے گا، مگر اس کا یہ گمان حسرت میں ڈھل گیا۔

جس پل وہ لائٹ بلیو کلر کا سادہ سوٹ پہن کر واش روم سے جھجکتی ہوئی نکلی، وہ خود بھی لباس تبدیل کئے ہنوز سگریٹ پھونکتا گویا اس کا منتظر تھا۔ وہ فطری طور پر جھجک سی گئی۔ قدم جیسے من من بھر کے ہوگئے تھے۔

''اتنی سادہ معصوم تو ہرگز نہیں ہو تم ...... ! جتنا خود کو شو کر رہی ہو اس وقت ......؟''

اس کا ہاتھ پکڑ کر بے باک انداز میں اپنے پہلو میں گھسیٹتے ہوئے وہ اتنی حقارت سے بولا تھا کہ ایمان بیک وقت شرم، خفت اور غم و غصہ سے منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔

''کوئی مزاحمت یا اعتراض نہیں کرو گی ...... حالانکہ تمہیں تو آسمان سر پر اٹھا لینا چاہئے تھا، شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں ناں مجھ سے ......؟''

اس پر جھک کر اس پر اپنا استحقاق استعمال کرتا ہوا، اپنے ہاتھوں کی فولادی بے حسی، سنگ دلانہ گرفت میں سا کن اس کے وجود پہ طنزیہ نگاہ ڈال کر وہ کاٹ دار تلخی سے حقارت بھرے لہجے میں پھنکارا تو ایمان کا چہرہ اس توہین آمیز سلوک اور لہجہ پر ایک دم سرخ ہو گیا۔ کچھ کہے بغیر ہونٹوں کو سختی سے بھینچ کر اس نے چہرے کا رخ پھیرا تو اس کا یہ گریز ولید کو سراسر اپنی توہین سے تعبیر محسوس ہوا تھا۔ جبھی وہ کچھ اور بھی بھڑک اٹھا تھا۔

☆☆☆

''اسے میں نے ہی لکھا تھا
کہ لہجے برف ہو جائیں
تو پگھلا نہیں کرتے
اسے میں نے ہی لکھا تھا
یقین اُٹھ جائے
تو شاید کبھی واپس نہیں آتا
ہواؤں کا کوئی طوفان کبھی
بارش نہیں لاتا
اسے میں نے ہی لکھا تھا
آئینہ جب ٹوٹ جائے
پھر کبھی جڑ نہیں پاتا
وابستہ جن سے اُمید ہوں
وہ بدل جائیں
تو جیا نہیں جاتا''

رات وہ ولید حسن کے ایک یکسر نئے روپ سے روشناس ہوئی تھی۔ بے رحم، سفاک، جارح اور وحشی، جس کے کسی بھی انداز میں نہ تو کوئی گنجائش تھی نہ احساس کا کوئی رنگ۔ اگر وہ اس کے سلوک کو سامنے رکھ کر خود کو یہ یقین دلانا چاہتی کہ ولید نے کبھی اس سے محبت کی تھی، تو اسے یقین نہیں آ سکتا تھا۔

وہ ساری نفرت، وہ ساری تلخی اور بے حسی جو اس نے ایمان کے ٹھکرانے پر محسوس کی تھی، اس کا سارا قہر اس نے ایک ہی رات میں گویا اس سے اپنی بدسلوکی سے چکا دیا تھا۔ مگر پھر بھی یہ نفرت، یہ تلخی، یہ وحشت تھی کہ ختم نہ ہوئی تھی۔

ایمان کو اس سے شکایت اس صورت ہوتی اگر جو وہ خود کو بے قصور سمجھتی، جب سارا جرم اس کا تھا تو پھر ولید حسن کا رویہ تو عمل کا ردعمل تھا۔ اس انتہا کی نفرت کو سہہ کر بھی اس کا دل تھا کہ اسی کے نام سے دھڑک رہا تھا۔ جس پل وہ اس کے وجود سے اپنے انتقام کی آگ بجھا کر منہ پھیر کر سو گیا تھا، ایمان اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی میں اس کے ساحرانہ نقوش کچھ اور بھی دلکشی سمیٹ لائے تھے۔ گہری نیند کی آغوش میں ڈوبا اس کا چہرہ کسی معصوم بچے کی طرح بے ریا، سادہ اور حسین نظر آتا تھا۔ ایمان نے دل کی خواہش کے ہاتھوں مجبور ہو کر نرمی و آہستگی سے اس کی صبیح پیشانی پر بکھرے بال سمیٹ کر بہت دیر تک ٹک بھر کے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک گئی تھیں۔

اور جس پل وہ جھک کر اس کی خم دار لانبی پلکوں سے سجی خواب ناک آنکھوں کو اپنے ہونٹوں سے چوم رہی تھی، اس کی آنکھ میں مچلتی نمی پلکوں کی دہلیز پھلانگ کر ولید حسن کے چہرے کو نمناک کر گئی تھی۔

وہ نیند میں کسمسایا تھا، جاگا نہیں تھا۔ مگر ایمان گھبرا کر سرعت سے فاصلے پہ ہو گئی تھی۔ اس نے ٹائم دیکھا، رات کے تین بج رہے تھے۔ کچھ سوچ کر اس نے بستر چھوڑ دیا اور واش روم کی سمت بڑھ گئی تھی۔ دل کا بوجھ ہلکا کرنے کا بھی تو کوئی حل ہونا چاہئے تھا۔

☆☆☆

''موم کی طرح پگھلتے ہوئے دیکھا اس کو
رت جو بدلی تو بدلتے ہوئے دیکھا اس کو
جانے کس غم کو چھپانے کی تمنا ہے اسے
آج ہر بات پر ہنستے ہوئے دیکھا اس کو
وہ جو کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا کرتا تھا
ہم نے پھولوں کو مسلتے ہوئے دیکھا اس کو
جانے وہ مانگنے جاتا تھا دعاؤں میں کسے
ہاتھ اُٹھاتے ہی سسکتے ہوئے دیکھا اس کو
پھر ہاتھ دعا کو اٹھائے ہم نے
جب مقدر سے اُلجھتے ہوئے دیکھا اس کو''

ولید حسن کی آنکھ حسب معمول فجر کے وقت کھلی تھی۔ اس نے کروٹ بدل کر دیکھا، اس کا پہلو خالی

تھا۔ وہ ایک دم ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمرے کے نیم تاریک ماحول میں وہ اسے جائے نماز پہ بیٹھی، ہاتھ دُعا کو پھیلائے سسکتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی ہچکیوں کی آواز سے پورا ماحول سوگوار سا ہو رہا تھا۔ ولید نے ہونٹ بھینچ لئے تھے اور بستر سے پیر لٹکا کر اپنے سلیپر پہننے لگا۔

اس نے الماری سے کپڑے جو بھی ہاتھ لگے، کھینچے اور واش روم میں گھس گیا۔ ہاتھ لے کر نکلا تو یہ دیکھ کر موڈ کچھ اور خراب ہو گیا کہ وہ ہنوز اسی کیفیت میں بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ ہچکیوں، سسکیوں میں کچھ اور اضافہ ہو چکا تھا۔ اس نے زور سے ہیئر برش ٹیبل پر پٹخا تب وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور جائے نماز تہہ کرنے لگی۔

''بہت شوق ہے تمہیں اپنی نام نہاد مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹنے کا......؟ مگر ایک بات میری کان کھول کر سن لو......! میں اپنے پرسنلز تمہیں کسی سے بھی شیئر کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔ انڈر اسٹینڈ......!''

اس کے پاس رُک کر وہ خشک و سپاٹ تحکم بھرے لہجے میں گویا تنبیہ کر رہا تھا۔ ایمان نے خاموشی سے سنا اور تہہ کیا ہوا جائے نماز میز پہ رکھنے لگی۔ اس کی یہ خاموشی ولید کو ناگوار گزری تھی جبھی وہ جھٹکے سے اُلجھ گیا تھا۔

''تم نے سنا نہیں......! میں کیا بکواس کر رہا ہوں......؟''

اس نے ایک دم اس کا رُخ پھیرا اور اس کا چہرہ اپنے فولادی ہاتھ میں لے کر سختی سے استفسار کیا۔

ایمان نے سہم کر اسے دیکھا تھا۔ پھر عافیت اسی میں سمجھی تھی کہ سر کو اثبات میں ہلا دے۔

''کسی کے بھی کمرے میں آنے سے قبل اپنے چہرے پہ چسپاں اس مسکینی کو ختم کرو......!''

اسے جھٹک کر وہ اپنے مخصوص کھردرے انداز میں ایک نیا آرڈر دیتا خود پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔ ایمان نے اپنے جھلستے وجود کی حدتوں سے اپنا دم الجھتا ہوا محسوس کیا تھا تو آگے بڑھ کر کھڑکیاں کھول کر پردے بھی ہٹا دیئے۔

صبح نسیم کے سرد جھونکے اس کے چہرے سے ٹکرائے تو اندر لگی آگ ذرا سی ہلکی ہوئی۔ وہ کتنی دیر وہیں کھڑی گہرے گہرے سانس بھرتی رہی۔ فضاء میں صلوٰۃ اور درود کی ملی جلتی آوازیں تھیں، جن میں چڑیوں کی چہکار بھی شامل ہو رہی تھی۔ بہت پُرنور فضا تھی۔ وہ نم آنکھوں، دھڑکتے دل اور مضطرب وجود کے ساتھ پھر سے وہی دُعا مانگنے لگی جو اس کی دھڑکنوں میں بس گئی تھی۔

ولید کی سلامتی حفاظت اور زندگی کی دُعا۔

موئی کی وحشت اور طیش سے سرخ آنکھیں اور دھمکیاں یاد آتیں تو اس کی سانسیں بھی تھمنے لگتی تھیں۔ زندگی کا یہ ایسا انوکھا رُخ تھا کہ وہ خود کو ایک پر کٹی چڑیا کی طرح حالات کے پنجرے میں پھڑپھڑاتا محسوس کر رہی تھی۔ وجود لہولہان تھا، مگر دل کی وحشت کا انت نہیں تھا۔

''السلام علیکم......! صبح بخیر زندگی......!''

وہ اپنی بے چین اور مضطرب سوچوں میں گم تھی، جب فضہ نے پیچھے سے آ کر اس کے نازک سے وجود کو بہت پُر جوش سے انداز میں اپنی باہوں کے حصار میں مقید کر کے گنگنانے کے انداز میں کہا تو ایمان نے بہت سرعت سے غیر محسوس انداز میں اپنے آنسو پونچھ ڈالے تھے۔

''وعلیکم السلام......! جزاک اللہ......!''

اس نے آہستگی سے اپنا رُخ اس کی جانب پھیرا اور کسی قدر متانت سے جواب دیا تھا۔ فضہ نے بہت دھیان سے اس کی بھیگی، مگر چمکیلی پلکوں کو دیکھا تھا اور ایک دم خاموش ہو گئی تھی۔

''تم خوش نہیں ہو ایمی......؟''

فضہ نے کچھ توقف سے کہا تو ایمان ہونٹ کچلنے لگی تھی۔

''خوشی کی تلاش میں ہوں......!''

اس نے بھیگی آواز میں سرگوشی کی تو فضہ نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھام لئے تھے۔

''خوشی تمہارے ہاتھوں کی مٹھیوں میں قید ہے ایمی......! دیکھو تو سہی محسوس تو کرو۔''

ایمان نے ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ اسے کچھ بھی نہیں بتا سکتی تھی۔

''ولید کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا تھا......؟''

اور ایمان نے اس خوف سے نظریں چرا لیں کہ وہ ان آنکھوں میں چھپی تمام حکایتیں نہ پڑھ لے۔

فضہ نے اس کی خاموشی پر رُک کر اس کے سراپے پر نگاہ کی تھی۔ دُھلا دُھلایا، نکھرا سا روپ، وہ جیسے مطمئن ہوئی۔

''میں تمہیں نماز کے لئے جگانے آئی تھی۔ ولید کو مسجد جاتے دیکھا تھا ناں، یہاں آئی تو محترمہ نہ صرف بیدار ہیں، بلکہ ازخود اپنے بہت سے کام بھی نپٹا چکی ہیں۔ بہت اچھی تبدیلی ہے میری جان......!''

وہ کسی قدر شوخی سے کہتی ایک بار پھر اس کے ساتھ لپٹی۔ ایمان ساکن کھڑی رہی۔

''میں اب تم لوگوں کے ناشتے کا انتظام کرتی ہوں۔ تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتاؤ......؟''

وہ اُٹھتے اُٹھتے بولی۔ ایمان نے فی الفور سر کو نفی میں ہلا دیا۔ پھر اس کے جانے کے بعد خود کو نڈھال سا محسوس کیا تو بستر پہ جانے سے قبل پہلے الماری کھول کر کسی قدر شوخ سا لباس منتخب کیا تھا، مگر اسے پہننے کی وہ چاہنے کے باوجود ہمت نہیں کر پائی کہ سر ایک دم ہی بہت بوجھل سا ہونے لگا تھا۔

کپڑے وہیں چھوڑ کر وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی بستر تک لائی تھی، اور لیٹنے کے بعد اپنے اوپر کمبل کھینچ لیا تھا۔ تب ہی اس کے سیل پر وائبریشن ہوئی تھی۔ اس نے نمبر دیکھے بغیر کال ریسیو کی تھی اور ایک دم سرد پڑ گئی تھی۔

☆☆☆

تنہائیاں تم سنو آس پاس لوگوں کی
کہ میرا شہر ہے بستی اُداس لوگوں کی
محبتوں کا سفر ختم ہی نہیں ہوتا
ہمیں تو دوستی آئی ہے راس لوگوں کی
ہمیں بھی اپنے [illegible] آئے ہیں
چلے جو بات خاص خاص لوگوں کی

میں آنے والے زمانے سے ڈر رہا ہوں محسن
کہ میں نے دیکھی ہیں آنکھیں اداس لوگوں کی"

ولید مسجد سے نماز پڑھ کر آیا تو اوپر اپنے کمرے میں جانے کی بجائے دوا کے پاس چلا آیا جہاں اس وقت تقریباً سبھی جمع تھے۔ حرا آپا کے شوہر، بابا، اشعر، عاقب، اسے دیکھتے ہی ایک ہاہو کار مچ گئی۔

"آیئے آیئے دُلہا صاحب......!"

اشعر نے بڑی شوخی سے اس کا استقبال کیا تھا۔

"آپ کو تو اس وقت اپنی حسین، دلفریب بیوی کے ساتھ ہونا چاہئے تھا۔"

عاقب نے بھی چھیڑ چھاڑ کا آغاز کیا۔ سب مسکراتے ہوئے اسے دیکھتے رہے۔ جس کے چہرے کی سنجیدگی قابل دید تھی۔

"بیوی کے ساتھ ہی تمہارات گجرو اب تمہارا کیا خیال ہے......؟ صرف انہی کا ہو کر رہے گا اور یقیناً وصی شاہ کی طرح ایمی نے بھی یہ تقاضہ تو نہیں کیا ہوگا کہ

اب میرے، صرف میرے ہو کے رہو......!"

عاقب کا لہجہ بے حد شوخ و شنگ تھا۔ ولید کی پیشانی پر ایک سلوٹ نمودار ہو گئی تھی۔

"اگر کرتی بھی تو میں جیسے مان ہی لیتا......؟"

اس کے لہجے میں کس قدر تلخی تھی جسے کسی نے بھی محسوس نہیں کیا۔

"اچھا بھئی......! تم لوگ میرے شیر کو تنگ مت کرو۔ ولید پتر......! تو ادھر آ میرے پاس...... ! یہ بتا، میری پتری کیسی ہے ایمان......؟"

دوا نے سب کو ٹوک کر اسے اپنے پہلو میں بٹھا کر سوال کیا تھا۔ وہ اتنا خوش گوار ہرگز نہیں تھا کہ خوش دلی سے جواب دیتا، مگر اشعر کے لئے یقیناً تھا، جبھی اس نے کسی قدر شوخ انداز میں سیٹی بجائی تھی۔

"دوا......! ابھی بھی پوچھنے کی کسر ہے کوئی......؟ یہ ایمرجنسی کی رُخصتی از خود بھید کھول رہی ہے، محترمہ کی خوب صورتی کتنا سر چڑھ کر جادو چلا چکی ہے۔"

اشعر کے شریر لہجے میں شوخی کی کھنک تھی۔ ولید کچھ کہے بغیر خاموش، سر جھکائے بیٹھا رہا۔ دوا نے اشعر کو جھڑکا پھر ولید سے مخاطب ہوئے تھے۔

"بہت پیاری بچی ہے، اور ہم سب کی بہت چہیتی بھی۔ سب سے چھوٹی ہے ناں، اس لئے تھوڑی ضدی ضرور ہے، مگر اس کا دل بہت خاص ہے، بہت پیارا ہے۔"

"جی......! اور اب یہ دل آپ کا ہوا......!"

اشعر پھر مداخلت کرتے ہوئے لُک کر گانے لگا تھا کہ دوا نے اسے گھورا۔ تب ہی دروازہ کھلا اور فضہ کسی قدر گھبرائی ہوئی اندر آئی تھی۔

"ولی بھائی......! آپ یہاں ہیں......؟"

"کیا ہوا......؟ خیریت......؟"

ولید نے محض سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے پر اکتفا کیا تھا جبکہ عاقب باقاعدہ اس کے انداز سے ...ہوا تھا۔

"میں آپ لوگوں کا ناشتہ لے کر اوپر گئی تو ایمان بستر میں تھی، میں سمجھی سو رہی ہے، مگر جب آواز دینے پر بھی نہیں اٹھی تو میں نے آگے بڑھ کر اسے جگانا چاہا، مگر وہ بے ہوش تھی۔ جب صبح میں اسے نماز کے لئے جگانے گئی، تب بھی اسے ہلکا بخار محسوس کیا تھا، مگر اس کی طبیعت اتنی خراب ہو جائے گی، مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا۔"

فضہ کسی قدر پریشانی میں مبتلا تیز تیز بول رہی تھی۔

"خدا خیر کرے......!"

وہاں موجود سب پر گویا ایک دم پریشان نظر آنے لگے۔ دوا نے خفگی سے انداز میں بیٹھے ولید کو ٹہوکا دیا تھا۔

"جاؤ ناں......! دیکھو بچی کو کیا ہوا ہے......؟"

دوا کے لہجے کی تشویش کو پا کر اس نے ہونٹ بھینچے تھے اور اُٹھ کر سرد سی کیفیت میں فضہ کے ہمراہ چلتا گیا۔ عاقب، اشعر وغیرہ سب دانستہ نیچے ہی رُک گئے تھے۔

"یہ دیکھیں، ابھی تک ہوش نہیں آیا ہے۔ میرا تو دل گھبرانے لگ ہے۔"

فضہ کسی بھی پل رو پڑنے کو تیار تھی۔ تائی ماں اس کی ہتھیلیاں سہلاتے ہوئے قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر دم کر رہی تھیں، جبکہ حرا آپا نے گھبراہٹ میں اس کے چہرے اور وجود پر ٹھنڈا یخ پانی بھی ڈالا تھا۔ جس سے اس کا لباس ہی نہیں بستر بھی گیلا ہو چکا تھا۔

ولید کا مارے کوفت کے برا حال ہو گیا۔ یہ اچانک اسے کیا ہوا تھا......؟ اس بات پر غور کئے بنا وہ ...تھپکی دینے لگا۔ کتنی مشکلوں سے اس کی ڈوبتی سانسیں بحال ہو پائی تھیں۔ اگر چند لمحے مزید تاخیر ہو جاتی تو ...کوشش بے کار چلی جاتی۔ ولید نے گہرا سانس بھر کر اسے دیکھا تھا۔

سفید زردی مائل حسین نقوش سے سجا ساحرانہ مکھڑا، دلکش متناسب سراپا، اتنی کشش، اتنا فراخی سے حسن اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا کہ دیکھنے والی نگاہ پہ سحر طاری ہو جاتا۔ بلاشبہ وہ مکمل حسن کی مالک تھی۔

"فضہ......! بستر اور لباس بدلیں اس کا، ورنہ انہیں ٹھنڈ بھی لگ سکتی ہے۔"

وہ دانستہ اس سے نگاہ چراتا ہوا فضہ سے مخاطب ہوا تھا۔

"ارے ہاں......! مجھے خیال ہی نہ رہا تھا۔ میں گھبراہٹ اور پریشانی میں یہی سوچا۔"

حرا آپا کھسیا کر کہتی خود لپک جھپک ساتھ والے کمرے سے نئی چادر اور گدا اٹھا لائیں، اور پھر اسے ...طب کیا۔

"ولید......! ذرا اُٹھانا تو ایمان کو، بستر تب ہی بچھے گا ناں......!"

اسے پہلے ہی فقرے پہ بدکتے دیکھ کر انہوں نے کسی قدر غصے سے وضاحت دی۔

"بھئی......! بیوی ہے تمہاری......! اس قدر گھبرا کیوں رہے ہو......؟ یا پھر ہمارے سامنے شرما رہے

ہو تو ہم باہر چلے جاتے ہیں......؟''

پریشانی ٹل گئی تھی۔ اب انہیں چٹکلے سوجھ رہے تھے۔ ولید کا چہرہ جانے کس احساس کے تحت سرخ ہو گیا تھا۔ طوعاً و کرہاً سہی، مگر اسے آگے بڑھ کر اسے بیڈ سے اٹھا کر صوفے پر منتقل کرنا پڑا تھا۔

''اس کی تو شرٹ بھی گیلی کر ڈالی ہے آپ نے، اس کا بھی کچھ کریں۔''

وہ کسی قدر جھلاہٹ کا شکار ہو کر کہہ رہا تھا۔

''ظاہر ہے وہ بھی ہم کریں گے، تم سے زیادہ بھلے نہ سہی، مگر بہرحال ہمیں اس کا خیال ہے۔''

آپا نے ایک بار پھر اس پر حملہ کیا۔ انداز میں بھلے جتنی بھی سادگی ہو، مگر ولید کو بری طرح چبھا تھا۔

''بھئی...... آپ بھی بدتمیزی کی۔''

وہ کھول اٹھا۔

''ارے......! اب کہاں بھاگے جا رہے ہو......؟ اس بیچاری کو بستر پر تو لٹا جاؤ، اور ہم سے یہ کام ہوتا تو تمہیں کہتے بھلا......؟''

آپا نے اسے دروازے کا رخ کرتے دیکھ کر ایک دم شور سا مچا دیا تھا۔ فضہ کو مسکراہٹ چھپانا پڑی جبکہ ولید یوں ان کے جان کو آ جانے پر بے طرح جھنجلایا تھا۔

''ایسی بھی پہلوان نہیں ہیں محترمہ کہ آپ جیسی دو خواتین سے اٹھائی ہی نہ جا سکیں......؟ بس......! بہانے ہیں سارے۔''

اب کے وہ اپنی ناگواری کسی طور بھی چھپا نہیں پایا اور ایمان کے بے سدھ وجود کو کسی ناگوار بوجھ کی طرح اٹھایا۔

''تمہارے بھی تو یہ محض بہانے ہی ہیں۔ ورنہ دل ہی دل میں کیسے پھول کھل رہے ہوں گے، میں اچھی طرح جانتی ہوں۔''

آپا نے جیسے اس کی بات پہ مکھی اڑائی تھی۔ ولید نے ہونٹ بھینچ لئے اور جس پل وہ ایمان کو پلنگ پہ لٹا کر اپنے بازو اس کی کمر سے الگ کر رہا تھا، اسی پل ایمان نے آنکھیں کھولی تھیں۔ اسے اتنا نزدیک پایا تو جانے کس احساس کے تحت اپنا بازو اس کی گردن میں ڈال کر منہ اس کے سینے میں چھپا لیا۔ ولید کے اعصاب کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ اس کی اس حرکت پہ وہ کچھ پل اسی زاویے پہ ساکن رہ گیا تھا۔

''چلو......! اب کیا ہوا......؟ مت بھولو منچلے......! ابھی ہم یہیں ہیں۔''

آپا نے جب اسے سیدھے ہوتے نہ پایا تو گویا اپنی بات اس پر ثابت کر کے کسی قدر شوخی سے کھنکار کر بولی تھیں۔ ولید چونکا اور اپنے کھوتے ہوئے اعصاب پہ قابو پائے بغیر کسی قدر درشتی سے جھٹک کر اسے بستر پہ پٹخا اور ایک لمحے کے توقف کے بغیر پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔ ایمان نے اپنی بھیگتی ہوئی آنکھیں سختی سے میچ لیں۔

''کاش......! کاش میں ان آنسوؤں کی طرح ہی آپ کو بھی اپنی آنکھوں کے پیچھے چھپا سکتی۔ دل میں محفوظ کر سکتی۔''

اس کا دل رو اٹھا تھا۔ موحد کا فون تھا جس کی دھمکیوں کی تاب نہ لاتے ہوئے اس کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔

''آر یو آل رائٹ ناؤ......!''

فضہ اسے ہوش میں دیکھ کر لپک کر اس کے نزدیک آئی تھی اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ایمان نے مختصر سر ہلانے پہ اکتفا کیا اور مزید سوالوں سے بچنے کے خوف سے آنکھیں تھکے ہوئے انداز میں موند لیں۔

☆☆☆

''اگر وہ مہربان ہوتا
تو میری آنکھوں میں نہ یہ نمی ہوتی
نہ میرے دل کی وادی میں
خزاں کا قافلہ رُکتا
اگر وہ مہرباں ہوتا
میری بے نور آنکھوں میں
ستارے قید کر دیتا
میری زخمی ہتھیلی پر
کوئی پھول وہ رکھتا
میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں
لے کر وہ یہ کہتا
محبت روشنی ہے، رنگ ہے، خوشبو ہے، ستارہ ہے
قسم مجھ کو محبت کی مجھے تو سب سے پیارا ہے
مگر ایسا وہ تب کہتا
اگر وہ مہرباں ہوتا''

''کس کے دھوکے میں مجھ سے قریب ہوئی تھیں تم......؟ بولو......! بتاؤ......!''

وہ سراپا قہر بنا اس سے سوال کر رہا تھا۔

''نفرت کرتی ہو ناں تم مجھ سے......؟''

آنکھوں میں شعلوں جیسی تپش لئے اس کے لہجے میں بھی حقارت کی حدتیں تھیں۔ ایمان ساکن تھی۔

''میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا، مار ڈالوں گا تمہیں، جواب دو میری بات کا۔''

اس کی خاموشی پر وہ ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر آپے سے باہر ہوتا پوری جان سے ساکت۔ ایمان سہم سی گئی اور بہت شدت سے سرکوشی میں ہلایا۔

''کیا نہیں......؟''

وہ وحشت زدہ ہو کر چلایا۔ ایمان کچھ اور خائف ہو گئی۔

''مم...... میں آپ سے نفرت نہیں کرتی، نزست می......!''

اس نے ہکلا کر کہا اور گویا ولید کے غضب کو آواز دے ڈالی۔

''جھوٹ بول رہی ہو تم......! بکواس کرتی ہو تم......! مجھے پھر سے دھوکہ دینا چاہتی ہو......؟ مگر میں تمہارے دھوکے میں نہیں آؤں گا۔''

وہ پاگلوں کی طرح اسے زدوکوب کرتا ہوا دھاڑتا رہا۔ ایمان اس کی گرفت میں زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑاتی رہی۔ ولید کا اپنا سانس دھونکنی کی مانند چلنے لگا۔ چہرے پر جیسے کسی نے آگ بڑھکا دی تھی، آنکھوں میں لہو اُترا ہوا تھا۔ ایمان کو اس کی ذہنی حالت کا اندازہ ہوا تو خوف زدہ ہونے لگی۔ اس کا ایک انکار ولید حسن جیسے شدت پسند، انا پرور انسان کو کس قدر ابتری تک لے گیا تھا، وہ اب سمجھ رہی تھی۔

''ساری زندگی سسکا سسکا کر ماروں گا تمہیں۔ تم نے ابھی میری نفرت دیکھی نہیں ہے۔ بہت مان تھا ناں تمہیں اپنی دولت پہ، اپنے وجود کی خوب صورتی پہ، ساری زندگی سڑنا اسی گھر میں۔''

گہرے گہرے سانس کھینچ کر اپنے طیش پہ قابو پاتا وہ اسی حقارت سے بولا تھا۔ ایمان نے اس کی خاموشی میں عافیت سمجھی تھی۔ وہ چاہتی تھی، ولید کے اندر کا سارا غبار نکل جائے، چاہے کسی بہانے سے ہی سہی۔

''ہر کامیاب مرد کی کامیابی میں کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے ناں......! بالکل اسی طرح میری ناکامی کے پیچھے تمہارا ہاتھ ہے۔ نہ تم اس وقت نحوست ڈالتیں، نہ میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آتا۔ سب کچھ کھو دیا میں نے تمہاری وجہ سے، بدبخت عورت......! سب کچھ۔''

اس نئے الزام پہ ایمان نے بہت کرب میں گھرتے ہوئے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ کچھ اتنا غلط بھی تو نہیں کہہ رہا تھا، مگر یہ حقیقت بہت تلخ تھی، بہت کرب انگیز۔

☆☆☆

''شام بھی ہوگئی دھندلا گئیں آنکھیں بھی میری
بھولنے والے میں کب تک تیرا رستہ دیکھوں
کاش صندل سے میری مانگ اُجالے آکر
اتنے غیروں میں وہی ہاتھ جو اپنا دیکھوں
تو میرا کچھ نہیں لگتا مگر اے جانِ حیات
جانے کیوں تیرے لئے دل کو دھڑکتا دیکھوں
بند کر کے میری آنکھیں وہ شرارت سے ہنسے
بوجھے جانے کا میں ہر روز تماشہ دیکھوں
تب ضدیں میں اس کی پوری کروں ہر بات سنوں
ایک بچے کی طرح اسے ہنستا دیکھوں
مجھ پہ چھا جاتے وہ برسات کی خوشبو کی طرح
انگ انگ اپنا اسی رت میں مہکتا دیکھوں

پھول کی طرح میرے جسم کا ہر لب کھل جائے
پنکھڑی پنکھڑی ان ہونٹوں کا سایہ دیکھوں
میں نے جس لمحے کو پوجا ہے اسے بس ایک بار
خواب بن کے تیری آنکھوں میں اُترتا دیکھوں''

اسے ماما کی طرف آئے ایک ہفتہ ہونے کو آیا تھا، اور اس دوران ولید حسن نے پلٹ کر بھی اس کی خبر نہیں لی تھی۔ کئی بار دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے اس کا نمبر ڈائل کیا، مگر پھر ارادہ ترک کر دیا کہ اس کے موڈ کا کچھ پتا نہیں چلتا تھا، بلکہ اس کے لئے تو اس کا ایک ہی انداز تھا مخصوص آتش فشانی روپ، جنگ آمیز، بے لچک آنکھوں سے اس کے سامنے کے ساتھ ہی جارحیت سمٹ آئی، کتنا بدل گیا تھا وہ۔

ایمان لان میں ٹہلتے ٹہلتے تھک گئی تو کچھ سوچ کر فضہ کا نمبر ڈائل کر لیا۔

''کیسی ہو فضہ......؟''

رابطہ بحال ہونے پر اس نے سلام کے بعد پوچھا تھا۔

''فٹ فاٹ......! تم سناؤ......! ہماری یاد کیسے آگئی......؟''

''بور ہو رہی تھی، سوچا تم سے بات کر لوں......!''

وہ جھولے پر آکر بیٹھ گئی اور آہستگی سے جواب دیا۔

''تو واپس آجاؤ ناں......! مجھے پتا ہے، تم ساجن کے بن اُداس ہو رہی ہو۔''

فضہ کے ذوق بھرے لہجے پہ اس کے چہرے پر بھولی بھٹکی مسکان کی جھلک لہرائی تھی۔

''ولید سے کہو ناں، مجھے آکر لے جائیں۔''

اس کا مدھم لہجہ سرگوشی میں ڈھلنے لگا۔

''تم خود کہو ناں، تم سے زیادہ تو میری بات اہمیت نہیں رکھتی۔''

فضہ نے ٹوکا تھا، اور وہ ملول ہونے لگی۔

''تم کیا جانو کہ میری حیثیت کتنی ڈاؤن ہوگئی ہے، ان کی نظروں میں۔''

وہ خود سے سوچ رہی تھی۔

''چپ کیوں ہوگئی ہو......؟ یہ لو، ولید آگیا ہے، خود بات کر لو اس سے۔''

فضہ کی بات پر وہ ایک دم گھبرا گئی۔

''ہیلو......!''

ایمان نے اس کی آواز کے ساتھ اپنی دھڑکنوں کو بے ترتیب ہوتے پایا تھا۔

''کیسے ہیں آپ......؟''

سوکھتے ہونٹوں پر زبان پھیر کر وہ گڑبڑا کر بولی۔

''کتنی بار کہوں کہ اس قسم کے ڈرامے مت کیا کرو......''

وہ طیش سے پھٹ پڑا۔ ایمان اس قدر بے مروتی پہ جیسے خفت سے سرخ پڑ گئی۔ اس سے کچھ بولا ہی

نہیں گیا۔ گلے میں آنسوؤں کا پھندا لگنے لگا تھا۔ کچھ کہے بغیر اس نے سلسلہ کاٹ دیا تھا۔ آنکھوں میں آئے آنسو پلکیں جھپک جھپک کر اندر اُتار رہی تھی، جب ایک بار پھر موبائل پہ بیل ہونے لگی۔ اس نے دھندلائی ہوئی نظروں سے دیکھا، اسکرین پر ولید کا نام تھا۔ اسے کال ریسیو کرتا پڑی تھی۔

''کیوں فون کیا تھا تم نے......؟''

اس کی خاموشی پہ وہ کسی قدر تنگ کر پوچھ رہا تھا۔

''آپ کو نہیں، نفسہ کو کیا تھا۔''

ایمان نے تمام آنسو اندر اُتار کر کسی قدر سرد مہری سے جتایا۔ اس کا اس قدر انسلٹنگ انداز اسے کوڑے کی طرح لگا تھا۔ دوسری سمت یک لخت خاموشی چھا گئی۔ پھر وہ کسی قدر تیز تپے ہوئے انداز میں گویا ہوا تھا۔

''مجھے بہت اچھی طرح سے اندازہ ہے جتنی اہمیت تمہارے نزدیک میری ہے۔''

''عجیب انداز تھا، نفرت سے بھینچا ہوا، شاکی پن لیے ہوئے۔ ایمان گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

''میں آپ کی غلط فہمیاں دور کرنے سے قاصر ہوں۔''

اس نے کسی قدر عاجز ہو کر کہا تو ولید طنزیہ ہنسی ہنسا۔

''غلط فہمیاں ہوں تو دور کروں ناں......؟''

ایمان نے ہونٹ بھینچ لیے۔ محبت کے اس سفر میں وہ کتنی اکیلی تھی، اس کا دل بوجھل ہونے لگا۔

''آپ مجھے لینے کب آئیں گے......؟''

''تمہیں اس بات میں دلچسپی ہے......؟''

جواباً وہ زہر خند سے بولا تھا اور ایمان نے خود پر ضبط کرنے کی خاطر ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

''مجبوریوں کے رشتے غیر مستقل اور غیر متوازن ہی ہوتے ہیں۔ سمجھو فی الحال مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ اگر کبھی محسوس کی تو آ جاؤں گا۔''

اس قدر بے مروت، توہین آمیز انداز پہ ایمان غیض اور خفت سے منجمد بیٹھی رہ گئی۔ اس مرتبہ ولید نے خود رابطہ منقطع کیا تھا۔ وہ ساکن سی اپنے ہاتھ میں موجود موبائل کی تاریک ہوتی اسکرین کو گھورتی رہی۔ اس سے کوئی بہت اچھی توقعات تو اس نے وابستہ ہی نہیں کی تھیں، مگر وہ ایسی انتقامی کارروائی پہ اُتر آئے گا......؟ یہ بھی کم از کم ایمان نے نہیں سوچا تھا۔

ماما جو اس سے اسی ایک ہفتے میں ہی متعدد بار ولید کے نہ آنے اور اس کے واپس جانے کے متعلق استفسار کر چکی تھیں، اب آنے والی صورت حال سے کیسے نپٹنا ہے، ہر سوال کرتی نظروں کو سہنا ہے۔ یہ سوچ کر ہی اس کا دل بے کل ہو جا رہا تھا۔

☆☆☆

''ٹوٹی ہے میری نیند مگر تم کو اس سے کیا؟
بجتے رہیں ہواؤں سے در تم کو اس سے کیا؟

تم موج موج مثل صبا گھومتے رہو
کٹ جائیں میری سوچ کے پر تم کو اس سے کیا؟
اوروں کا ہاتھ تھامو انہیں راستہ دکھاؤ
میں بھول جاؤں اپنا ہی گھر تم کو اس سے کیا؟
ابر گریز پا کو برسنے سے کیا غرض
سیپی میں بن نہ پائے گہر تم کو اس سے کیا؟
لے جائیں مجھ کو مال غنیمت کے ساتھ عدو
تم نے تو ڈال دی ہے سپر تم کو اس سے کیا؟
تم نے تو تھک کے دشت میں خیمے لگا لئے
تنہا کٹے کسی کا سفر تم کو اس سے کیا؟؟''

اس نے آہستگی سے پروین شاکر کی کتاب بند کر دی۔ زندگی پہ ایک دم ہی کیسا جمود طاری ہو گیا تھا۔ کتنا تنہا کر دیا تھا اس سفر لاحاصل نے اسے۔ وہ سوچتی محبت کے اس سفر میں اس نے کیا پایا ہے، تو دل اس سے پہ افسردگیاں سمیٹ لاتا۔ کھڑکی کی سلائیڈ کھول کر وہ شام کے سایوں کو اندھیروں میں مدغم ہوتا دیکھ رہی تھی، جب دروازہ ناک کر کے ملازمہ نے اندر جھانکا۔

''چھوٹی بی بی......! آپ کو بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔ کہہ رہی ہیں، جلدی آئیں، ولید صاحب آئے ہیں۔''

ملازمہ کی اطلاع پہ ایک دم اس کا دل بہت زور سے دھڑکا اور دھڑکتا ہی چلا گیا۔

☆☆☆

اسے ایک دم ایسا لگا تھا جیسے اس کے مردہ تن میں نئی جان آ گئی ہو۔ ملازمہ کی پوری بات سنے بغیر ہی وہ ہرنی کی طرح سے قلانچیں بھرتی سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آئی تو اسے ہال کمرے میں لگی چغتائی کی پورٹریٹ میں گم پایا تھا۔ اس کے قدموں کی آہٹ پہ گردن موڑی۔

جوشِ مسرت سے چمکتا چہرہ، تمتماتے رخسار اور آنکھوں میں ڈھیر ساری چمک لئے وہ ایک دم اسے چونکا گئی۔ پتا نہیں کیوں وہ اپنے رویوں میں اتنی متضاد کیوں تھی......؟ وہ اکثر اس کی وجہ سے اُلجھ جاتا۔

''آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں......؟ اندر آئیے ناں......!''

اس کی پرتپش گہری نگاہوں کے ارتکاز پہ ایمان کی پلکیں حیا بار انداز میں جھک کر لرزنے لگی تھیں۔ ولید نے چونک کر سر جھٹکا۔

''تمہیں لینے آیا ہوں، چلو......!''

''اس وقت......؟''

وہ متحیر سی ہو کر وال کلاک کی سمت متوجہ ہو گئی۔

''نکاح کے وقت تم نے یہ شرط تو نہیں بتائی تھی کہ تم مخصوص اوقات میں ہی میرے ساتھ چل سکو ہو......؟''

ایک ایک لفظ چبا کر ادا کرتے ہوئے وہ تیکھے لہجے میں گویا ہوا۔ ایمان ایک دم خجل سی ہو گئی۔

''میں تیار ہو کر آتی ہوں، آپ تب تک بیٹھئے تو سہی......!''

اسی وقت ماما آ گئیں۔

''آؤ بیٹا......! چائے تو پیو، کھانے سے تو منع کر دیا ہے۔''

''جی......! ٹائم بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ گاؤں کا راستہ تھوڑا خطرناک ہے ناں، اس لئے بابا رات کو سفر کرنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔''

وہ مؤدب انداز میں جواب دیتا ان کے ساتھ ڈرائنگ روم کی سمت بڑھ گیا، تب ایمان ایک سرخوشی کی کیفیت میں اپنے کمرے میں آ کر تیار ہونے لگی تھی۔

''ڈیپ ریڈ کلر کے ایمبرائیڈ سوٹ کے ساتھ اس نے پرل کا سیٹ پہن لیا۔ بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی شکل دی اور میک اپ کے نام پہ صرف نیچرل پنک کلر کی لپ اسٹک لگا کر ہی اس کی تیاری مکمل تھی۔ آئینہ

میں ابھرتا اس کا عکس اتنی سی توجہ پا کر ہی کھل اٹھا تھا۔

جس وقت وہ نیچے آئی، ولید خفیف سا جھک کر ٹیبل پر چائے کا خالی مگ رکھ رہا تھا۔ سیدھے ہونے پہ اس کی نگاہ ایمان کے شگفتہ گلاب کی مانند کھلے کھلے چہرے سے ٹکرائی تو کچھ لمحوں کو وہ اس کے دلکش چہرے سے نگاہ ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

''اوکے ماما......! اللہ حافظ......! پاپا کو سلام کہہ دیجئے گا میرا۔''

ولید کو اٹھتے دیکھ کر وہ ماما سے الوداعی کلمات ادا کرنے لگی۔

''خوش رہو......! آباد رہو ہمیشہ......!''

ماما نے اسے گلے لگا کر دعا دی تھی۔

''تائی ماں اور باقی سب گھر والے ٹھیک تھے ناں......؟''

وہ اس کے ساتھ گاڑی میں آ کر بیٹھی تو یوں ہی برسبیل تذکرہ پوچھ لیا تھا۔

''کیوں......؟ انہیں کیا ہونا ہے......؟''

وہ جواب میں اسے پھاڑ کھانے کو دوڑا۔ ایمان کو ایک دم چپ سی لگ گئی۔

اور یہ کتنا مشکل مرحلہ ہوتا ہے ناں، زندگی کا جب جان سے پیارے رشتے خفا ہو جائیں۔ زندگی ایک دم کتنی پھیکی، کتنی بے رونق اور مضمحل سی لگنے لگتی ہے۔ وہ اسے منانا چاہتی تھی، مگر بے بسی کی انتہا تھی کہ وہ منا نہیں پا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں اس بے بسی کے احساس سمیت بھیگ رہی تھیں، جب ولید نے گاڑی گیٹ سے نکالتے ہوئے اس کا دھواں ہوتا چہرہ دیکھا تھا اور بغیر کسی تاثر کے منہ پھیر لیا۔ ایمان نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ سر جھکا لیا تھا۔

''میں اس کے سارے رویوں پہ معترض ہوئی
بڑی طرح سے مگر تھا دکھا ہوا وہ بھی
میں اس کی کھوج میں دیوانہ وار پھرتی رہی
اسی لگن سے کبھی مجھ کو ڈھونڈتا وہ بھی
گلی کے موڑ پہ دیکھا اسے تو کیسی خوشی
کسی کے واسطے ہوگا رکا ہوا وہ بھی''

اس کے آنسو آنسو گرتے رہے تھے۔ اس کے سامنے رو کر وہ اسے مزید طیش میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ولید حسن نے سگریٹ سلگا لیا تھا، ساتھ ہی گویا وہ بھی سلگ اٹھی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کے پھیپھڑوں میں انفکشن ہے، اور ڈاکٹر نے اسے سگریٹ نوشی سے سختی سے منع کر رکھا ہے۔ تاؤ جی تو خاص پہرہ کرتے تھے اس کا۔ مجال تھی جو وہ ان کے سامنے سگریٹ پی لیتا، بلکہ ان کے پاس جانے سے قبل وہ ہر ایسا آثار مٹا دیا کرتا تھا جس سے انہیں شک بھی گزرے۔

''کیوں کر رہے ہیں یہ بے احتیاطی......؟ آپ کو پتا ہے ناں اسموکنگ ٹھیک نہیں ہے آپ کے لئے......؟''

جب اس نے دوسرے کے بعد تیسرا سگریٹ سلگایا تو ایمان کا ضبط بالآخر چھلک گیا تھا۔ یہ اس کی اوقات سے بہت بڑی جرأت تھی کہ اس نے ولید کے ہاتھ کی انگلیوں میں دبے سگریٹ کو چھین کر کھڑکی کے رستے باہر اچھال دیا تھا۔ ولید پہلے تو اس کی حرکت پہ دنگ رہ گیا تھا، پھر گویا اپنے حواسوں میں نہیں رہا تھا۔

سب سے پہلے اس نے سائیڈ پہ کر کے گاڑی روکی تھی، پھر اُلٹے ہاتھ کا تھپڑ ایمان کے چہرے پہ دے مارا تھا۔

''ہاؤ ڈیئر یو......؟''

اسے کاندھوں سے دبوچ کر اپنی جانب گھسیٹتا ہوا وہ قہر بن کر چیخا تھا۔ ایمان کے گال پہ اس کی انگلیاں ہی ثبت نہیں ہوئی تھیں، اس کے ہونٹ کا کنارہ بھی پھٹ گیا تھا، جس سے خون رسنا شروع ہو گیا تھا۔ وہ ایک دم بے اوسان اور سراسیمہ ہو کر ہراس کے عالم میں اسے تکنے لگی۔ اشتعال اور وحشت سے بھرا ہوا اس کا روپ اب اس کے لئے پتا نہیں جانے کیا تھا، اس پل اس کی پھیلی پھیلی نگاہوں میں کہ ولید نے اسے [illegible] انداز میں واپس اس کی سیٹ پر پٹخ دیا۔

کچھ دیر گہرے گہرے سانس بھر کے اپنے وحشی جذبوں کو قابو کیا پھر ڈیش بورڈ پہ پڑے سگریٹ کیس اور لائٹر کی سمت اشارہ کرتا ہوا تحکم بھرے خشک انداز میں گویا ہوا تھا۔

''سگریٹ اُٹھاؤ وہاں سے اور اسے میرے ہونٹوں کے درمیان رکھ کر لائٹر سے اسے سلگاؤ، ورنہ......''

ایمان جو ہونٹ بھینچے خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی، اس نئے آرڈر پر ٹھٹکی۔

''ورنہ کیا......؟''

وہ گویا اس کی وحشت کی انتہا دیکھنا چاہتی تھی۔ ولید نے اپنی جلتی آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔

''ورنہ یہ کہ آج میری ضد ہے کہ تم ایسا کرو گی، ہر صورت، ہر قیمت......!''

وہ اس کی کلائی پکڑ کر مروڑتے ہوئے پھنکارا۔ اس کی گرفت میں ٹوٹتی چوڑیوں کی کرچیاں ایمان کی کلائی کو زخمی کرنے لگی مگر وہ ضبط کئے رہی تھی۔

''اگر میں ایسا نہ کروں تو......؟''

ایمان کو بھی جیسے ضد ہو گئی تھی۔ ولید نے کچھ کہے بغیر محض سرد نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''تم ایسا کرو گی۔''

اس نے ڈیش بورڈ پہ پڑی سگریٹ کی ڈبیا اُٹھا کر اس کی گود میں پھینکی اور اسی سرد آواز میں بولا تھا۔

''نکالو اس میں سگریٹ اور ویسا ہی کرو جیسا میں نے کہا ہے۔ ورنہ میں ابھی اسی وقت تمہیں طلاق دے دوں گا۔ اپنی انسلٹ کا بدلہ تو لے چکا ہوں ناں تم سے، پھر تم جہاں مرضی دفعان ہو نا۔ مجھے اس سے غرض نہیں ہو گی۔''

اندر اندر جلال دبائے بغیر وہ درشتی سے کہتا ایمان کو لمحوں میں زیر کر گیا۔ ایمان کا چہرہ دہکی سے ہی نہیں، شدتِ غم سے بھی سرخ ہوا تھا۔ ایک لفظ بھی کہے بغیر اس نے کانپتے ہاتھوں سے کیس کھول کر سگریٹ نکالا تھا اور اس کے ہونٹوں کے درمیان رکھ کر لائٹر اُٹھا لیا۔

ایک شعلہ بھڑکا، صرف سگریٹ ہی نہیں، ایمان کا دل بھی اس آنچ سے جھلس گیا تھا۔ کیسا مشینی عمل تھا یہ سارا، جس میں جذبات کا کوئی عمل دخل ہی نہ رہا تھا۔ وہ جیسے اس پل کسی پتھر کی مورتی میں ڈھل گئی تھی۔ ولید نے اپنی فتح پہ جتلانے والی نگاہوں سے اسے دیکھا، مگر وہ اس کی سمت متوجہ کہاں تھی......؟

''حیرت ہے، ویسے میرا تو خیال تھا، یہ میری بات سن کر تم سگریٹ کیس اور لائٹر کھڑکی سے باہر پھینک دو گی، اور مجھے اپنی بات رکھنے کی خاطر تمہیں طلاق دینا پڑتی۔ اُفوہ یار......! کتنا سنہرا چانس مس کر دیا تم نے......؟''

وہ اب نئے انداز میں اس کا تمسخر اُڑا رہا تھا اور ایمان سوچنے پہ مجبور ہو گئی تھی۔ آیا اس نے کبھی محبت کی بھی تھی......؟ شاید نہیں......! یا پھر شاید اس کی محبت ہمیشہ درجۂ دوم پر رہی تھی۔ اس کی محبت اور انا میں پہلی ترجیح ہمیشہ انا ہی رہی تھی۔ یہ بات نئی تھوڑا ہی تھی، مگر وہ پتہ نہیں کیوں پھر بھی نئے سرے سے دُکھی ہو رہی تھی......؟

☆☆☆

''تمہاری زندگی میں، میں کہاں پر ہوں
ہوائے صبح میں یا
شام کے پہلے ستارے میں
جھجکتی بوندا باندی میں
کہ بے حد تیز بارش میں
رو پہلی چاندنی میں
یا کہ پھر تپتی دوپہروں میں
بہت گہرے خیالوں میں
کہ بے حد سرسری دُھن میں
تمہاری زندگی میں، میں کہاں پر ہوں
کار ہجوم سے گھبرائے ساحل کے کنارے پہ
کسی ویک اینڈ کا وقفہ
کہ سگریٹ کے تسلسل میں
تمہاری اُنگلیوں کے بیچ کوئی
بے ارادہ ریشمیں فرصت
کہ جام سرخ سے یکسر تہی
اور پھر سے بھر جانے کا خوش آداب لمحہ
کہ خواب محبت ٹوٹنے اور

دوسرا آغاز ہونے کے مابین
اک بے نام لمحے کی فراغت
تمہاری زندگی میں، میں کہاں پر ہوں"

فضہ نے نظم مکمل کی اور کسی قدر شوخی سے عاقب کو دیکھا جو مسکراہٹ ضبط کر رہا تھا۔

"یار......! اس قسم کے سوال سب کے درمیان تھوڑا ہی کئے جاتے ہیں......؟"

وہ جیسے کچھ کترا رہا تھا۔ فضہ اسے گھورنے لگی۔ اس وقت وہ سب ٹی وی والے کمرے میں جمع تھے۔ یہ اتفاق تھا کہ ایمان اور فضہ کھانا کے بعد فرصت سے وہاں بیٹھ کر ڈرامہ دیکھنے لگی تھیں کہ اشعر نے آکر چینل بدل دیا۔

"مجھے میچ دیکھنا ہے۔"

"مگر ہمیں بھی ڈرامہ دیکھنا ہے۔"

فضہ نے اسے گھورا تھا۔

"چھوڑو یہ دونوں بھی دیکھنے کی چیزیں ہیں......؟ کوئی شو دیکھتے ہیں۔"

عاقب نے آکر ایک نئی بات کر دی۔ اشعر بے ساختہ ہنسنے لگا۔

"یہ نقصان ہے ایک ٹی وی کا۔ ہر بندے کے مطلب کی تفریح فراہم نہیں کر سکتا ایک ٹائم میں بیچارہ......!"

"ایسا کیوں نہیں کرتے کہ اسے دفعہ کرو......؟ ہم آج گزرے وقت کو یاد کرتے ہیں۔"

عاقب کے آئیڈیے پر اشعر نے آنکھیں پھیلائی تھیں۔

"کیا مطلب......؟ گزرا وقت......؟"

"یار......! جب شادی سے قبل ہم اپنے اپنے دلی جذبات شاعری کی زبان میں ایک دوسرے تک پہنچایا کرتے تھے۔"

وہ مسکرا رہا تھا۔ اشعر فوراً مان گیا۔ یوں ٹی وی آف ہوا اور وہ سب وہیں پر براجمان ہو گئے۔

"جاؤ اشعر......! ولید کو بلا کر لاؤ......!"

"انہیں تو بلا لاؤں، لیکن میرے والی کہاں چھپی بیٹھی ہے، کم بخت......! جسے ابھی تک میرا خیال نہیں آیا۔"

اشعر کی بات پہ وہ سب ہنس پڑے تھے۔ چند لمحوں بعد ہی اشعر ولید کو کھینچ کھانچ کے لے آیا تھا۔

"خیریت......؟ کیوں بلوایا ہے......؟"

اس کے انداز میں کسی قدر تشویش تھی۔ نگاہ بے ساختہ سر جھکائے بیٹھی ایمان میں الجھی تھی۔

"بیٹھو یار......! تھینک گاڈ......! کہ ہر لحاظ سے خیریت ہے۔"

عاقب نے اسے ایمان کے برابر دھکیل دیا۔ وہ گہرا سانس کھینچ کر رہ گیا تھا۔

"یہ جواب کہاں دیں گے......؟ میں بتاتا ہوں، بلکہ آپ کا کیا، ان کا بھی بتا سکتا ہوں۔"

اشعر نے آنکھیں مٹکا کر کہا تو فضہ نے بے ساختہ اس کی سمت دیکھا تھا۔

"ہاں بولو......!"

"آپ ان کے لئے جھجکتی بوندا باندی اور سرسری دھن میں ہیں، جبکہ ولی بھائی کے لئے ایمان جی"

اس نے بات ادھوری چھوڑی اور دونوں پر ایک معنی خیز قسم کی نگاہ ڈالی۔ ایمان نے دانستہ نگاہیں اٹھائیں جبکہ ولید سرسری انداز میں ضرور اشعر کی سمت متوجہ تھا۔

"روپہلی چاندنی میں ہیں۔"

اشعر نے کہا اور ایمان کا جانے کب کا اٹکا ہوا سانس بحال ہوا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ ان کے مابین جو کچھ بھی تھا، اس پر پردہ پڑا ہوا تھا اور یہ ہی بہتر بھی تھا۔

"ہم محبت کے خرابوں کے مکیں
وقت کے طول المناک کے پروردہ ہیں
ایک تاریک ازل نور ابد سے خالی
ہم جو صدیوں سے چلے ہیں تو
سمجھتے ہیں کہ ساحل پایا
اپنی تہذیب کی پاکوبی کا حاصل پایا
ہم محبت کے نہاں خانوں میں بسنے والے
اپنی پامالی کے افسانوں پہ ہنسنے والے
ہم سمجھتے ہیں کہ نشان سر منزل پایا"

اشعر کے کہنے پہ وہ کسی کی سمت بھی دیکھے بغیر اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں بہت جذب سے پڑھنے لگا تھا۔ اس کا موڈ کس قسم کا ہے، ایمان کو قطعی سمجھ نہیں آ سکی تھی۔

"ہم محبت کے خرابوں کے مکیں
کنج ماضی میں ہیں
باراں زدہ طائر کی طرح آسودہ
اور کبھی فتنہ نارہ سے ڈر کر چونکیں
تو کبھی سیاہ نگاہ بھاری پردے
ہم محبت کے خرابوں کے مکیں
ایسے تاریک خرابے کہ جہاں
دور سے تیز پلٹ جائیں ضیا کے آہو
بس ایک صدا گونجتی ہے
شب آلام کی یا ہو یا ہو

ہم محبت کے خرابوں کے مکیں

ریگِ ولدوز میں خوابوں کے شجر بوتے ہیں

سایۂ ناپید تھا

سائے کی تمنا تلے سوتے رہے"

"افوہ..... ! آپ نے بھائی بیگم کی شان میں قصیدہ پڑھنے کی بجائے پھر ایسی شاعری کی سلیکشن کیوں کی.....؟"

اشعر کے بے حد اعتراض ہوا تھا۔ عاقب نے شد و مد سے سر اثبات میں ہلا کر گویا اس کی تائید کی تو ولید نے کاندھے اچکا کر لاپروائی سی توجیح دی تھی۔

"ایکچولی مجھے قصیدہ خوانی کرنی نہیں آتی ناں.....!"

"امیزنگ..... ! اتنی خوب صورت پیاری سی بیوی کو پہلو میں بٹھا کر بھی آپ یہ بات کر رہے ہیں۔"

اشعر نے آنکھیں پھیلا کر تحیر کا اظہار کرتے ہوئے باقاعدہ جرح کا آغاز کیا مگر وہ بڑی صفائی سے پہلو بچا گیا تھا۔

عاقب کا کاندھا ہلا کر یہ کہتے ہوئے

"چل یار..... ! تو کچھ سنا، میں اسے مطمئن نہیں کر سکتا۔"

"تو یار..... ! تو اسے کچھ اور سنا کر مطمئن کر دے ناں.....!"

عاقب نے اسے نئی راہ دکھائی تو وہ جیسے کچھ دیر کو کسی سوچ میں ڈوبا تھا، پھر گویا آمادگی ظاہر کر دی۔ ہلکا سا گلا کھنکارا اور اس مرتبہ اپنے پہلو میں بیٹھی گم سم نظر آتی ایمان کو دیکھتے ہوئے گنگنایا تھا۔

"وہ اک معصوم سی چاہت

وہ اک بے نام سی اُلفت

وہ میری ذات کا حصہ

وہ میری زیست کا قصہ

مجھے محسوس ہوتا ہے

وہ میرے پاس ہے اب بھی"

ایمان نے اس کا ہاتھ پکڑ لینے پہ چونک کر اسے دیکھا تھا، مگر وہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھا۔ اس کی کلائی میں پڑی چوڑیوں سے کھیل رہا تھا۔ ایمان کا دل اس کی آواز کے زیر و بم کے ساتھ ساتھ دھڑکنے لگا۔

"وہ جب جب یاد آتا ہے

نگاہوں میں سماتا ہے

زباں خاموش ہوتی ہے

مگر یہ آنکھ روتی ہے

میں خود سے پوچھ لیتا ہوں

اسے کیا پیار تھا مجھ سے"

ایمان ایک دم ساکن ہوئی۔ ولید خاموش ہو چکا تھا۔ اس کا وہ بے دھیانی میں کھیلا جانے والا کھیل بھی رک چکا تھا۔

"ایمی بھابو..... ! ذرا پوچھیں ان سے، ابھی یہ کس نار کا قصہ سنا کر ہٹے ہیں.....! کہیں کوئی انگلینڈ کی گوری تو نہیں.....؟"

اشعر کو تو موقع چاہیے تھا، بے تکان بولنے کا۔ مگر اب کی مرتبہ کسی نے بھی اس کی بات کو بڑھاوا نہیں دیا، اور عاقب نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا، اور خود سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ یہ بھی ایک گویا انداز تھا۔ سب کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا۔

"دل عشق میں بے پایاں سودا ہو تو ایسا ہو

دریا ہو تو ایسا ہو صحرا ہو تو ایسا ہو

ہم سے نہیں رشتہ بھی ہم سے نہیں ملتا بھی

ہے پاس وہ بیٹھا بھی دھوکہ ہو تو ایسا ہو"

"چلیں جی..... ! یہ خوب رہی۔ ہم ایک طرف ہی مشکوک ہو کر دیکھتے رہے، یہاں تو ہر طرف یہی حال ہے۔ الرٹ فضہ بھابی..... ! الرٹ.....!"

اشعر فضہ کے کان میں گھس کر بولا اور اس نے مصنوعی خفگی سے اسے ایک چپت لگا دی۔

"وہ بھی رہا بے گانہ ہم نے بھی نہ پہچانا

ہاں اے دلِ دیوانہ اپنا ہو تو ایسا ہو

ہم نے بھی یہی مانگا اس نے بھی یہی بخشا

بندہ ہو تو ایسا ہو داتا ہو تو ایسا ہو

اس دور میں کیا کیا ہے رُسوائی بھی ذلت بھی

کانٹا ہو تو ایسا ہو چبھتا ہو تو ایسا ہو"

"چلیں..... ! اب پوچھیں ذرا ان سے، ان کے بھی کان کھینچیں۔"

اشعر پھر سے اسے بھڑکانے کی اپنی سی کوشش کرنے لگا۔ فضہ نے بے دریغ گھورا۔

"بدتمیز.....!"

"ہاں..... ! ابھی تو آپ بول رہی ناں..... ! تب پتا چلے گا، جب یہ کوئی چاند چڑھائیں گے۔"

وہ روٹھ سا گیا۔ پھر جیسے ایک دم کچھ یاد آنے پر چہک کر بولا تھا۔

"فضہ جی..... ! آپ کے لیے ایک شعر ابھی ابھی نازل ہوا ہے، اجازت ہو تو عرض کروں.....؟"

فضہ نے شان بے نیازی سے گردن ہلائی اور اشعر نے مسکراہٹ چھپائی تھی۔

"ہونٹ تمہارے کلیاں ہیں، آنکھ تمہاری بھدی سی

رنگ تمہارا گورا ہے مگر تم ہو ذرا موٹی سی"

فضہ ایک دم جھینپ کر اپنا دوپٹہ پھیلانے لگی۔ وہ پریگنینٹ تھی، اس کا جسم واقعی مٹاپے کی طرف مائل تھا۔

"بہت بدتمیز ہو تم......!"

خفت مٹانے کو وہ یہی کہہ سکی۔

"ایمی جی......! کبھی تو خود سے بھی کچھ سنا دیا کریں۔ ہر بار دست بستہ گزارش کرنا پڑتی ہے۔"

فضہ کا پیچھا چھوڑ کر وہ اس کی طرف رُخ روشن کر کے بولا تو ایمان نے فوراً آمادگی ظاہر کر کے جان چھڑائی۔

"کبھی شبوں کے اُداس آنگن میں یاد اُترے
یا چاندنی اپنے بال کھولے
کواڑ کے روزنوں سے جھانکے
کتاب کھولو تو میرا عکس جھلملائے
ستارہ پلکوں پر جگمگائے
کبھی جو کمرے کی کھڑکیوں سے ہوا کا جھونکا
گلاب رُت کی نوید لائے
شدید بارشوں کے موسموں میں
حسن بیلوں کے پھول جھومیں
دُعا کی خاطر جو ہاتھ اُٹھیں
بادل کے صحراؤں میں بگولوں کا شور بھاگے
کبھی سسکتی ہوئی سحر میں
کبھی سرِ شام درد سانسوں میں پھیل جائے
یا پھر آسمان پر ہر سمت ستارے ٹکرائیں
دل کہے یہ
سدا جیئے تو
نہ دھوپ ہو دُکھ کی سر پر
کبھی مقدر فراق لمحوں کا روگ بن کر
زبان کو دُکھ کی تلاوتیں دے
اگر کبھی محفلوں میں
لوگوں کے قہقہوں میں
اکیلے پن کا خیال آئے
خراب موسم میں گھر سے نکلے ہوئے
پرندوں کا خیال آئے
تو جان لینا کہ کوئی تمہیں
یاد کر رہا ہے۔"

اس نے جھکی ہوئی پلکوں کے باوجود ولید حسن کی نگاہوں کی تپش سے اپنا وجود سلگتا ہوا محسوس کیا تھا۔ جبھی بعد میں بھی دانستہ نظریں نہیں اُٹھائیں۔

"کہاں......؟"

اسے اُٹھتے دیکھ کر عاقب نے بے ساختہ ٹوکا تھا۔ ایمان بھی متوجہ ہوئی۔

"چلتا ہوں یار......! اب بیٹھا نہیں جا رہا، نیند آ رہی ہے، کچھ طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔"

"کچھ دیر بیٹھو ولی......! چائے پیتے ہیں یار......!"

عاقب نے اصرار کیا، مگر وہ سہولت سے ٹال گیا۔

"ٹھیک ہے......! جائیے، مگر ہم آپ کی بیوی کو کوئی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔"

فضہ نے گویا اسے چھیڑا تھا۔ اس نے بے ساختہ ایمان کی طرف دیکھا۔ رنگ، خوشبو، رعنائی کا دلنشین سنگم، وہ پلکیں جھپکاتی موم کی گڑیا سے مشابہ لگی۔

"بصد شوق روک لیں۔"

وہ کاندھے اُچکا کر کہتا کمرے سے نکل گیا۔ ایمان اس درجہ نخوت کے مظاہرے پر وہ بھی سب کے سامنے خفیف سی جھینپی رہ گئی تھی۔

"چائے کے ساتھ کیا بناؤں......؟"

فضہ نے اُٹھتے ہوئے سوال کیا تھا اور گویا تینوں سے کیا تھا، مگر جواب صرف اشعر کی طرف سے آیا۔

"چپس تل لیں، ساتھ میں کباب بھی فرائی کر لیجئے۔"

"تم بیٹھو ایمی......! میں کر لوں گی۔"

اسے اُٹھتے دیکھ کر فضہ نے ٹوکا تھا۔

"وہ کہہ رہے تھے طبیعت ٹھیک نہیں، پوچھتی ہوں کیا ہوا......؟"

وہ آہستگی سے کہہ رہی تھی۔ اشعر نے ٹھنڈا سانس کھینچا۔

"مجھے تو پہلے ہی پتا تھا، اب یہ ہمیں کہاں لفٹ کرائیں گی......؟"

وہ بسور کر کہہ رہا تھا۔ ایمان اس کی بات پہ دھیان دیئے بغیر باہر نکل گئی۔ وہ اوپر کمرے میں آئی تو ولید شرٹ اُتارے بستر میں گھسا ہوا تھا، مگر اس طرح کہ آدھے سے زیادہ کمبل سے باہر تھا۔ دراز کھنگالتا ہوا شاید سگریٹ ڈھونڈ رہا تھا۔ ایمان نے کچھ کہے بغیر ایش ٹرے اور سگریٹ کیس اس کے سامنے کر دیا۔ وہ بری طرح سے چونکا تھا اور سلگتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ میں یہ ڈھونڈ رہا ہوں......؟"

اس کے بھڑک اُٹھنے پر ایمان ٹپٹا کر گھبرائی۔ اس نے کسی قدر متحیر نظروں سے اسے دیکھا۔

"سوری......! مگر پھر کیا چاہئے......؟"

"کم از کم تم نہیں.....!"

اس نے ہونٹ سکوڑ کر برہمی سے کہا تو ایمان ہونٹ بھینچ کر رہ گئی جبکہ وہ پھر سے سابقہ شغل میں مگن ہو چکا تھا۔ ایمان دھندلاتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"طبیعت کو کیا ہوا ہے.....؟"

وہ اتنی بے بسی، بے اعتنائی کے باوجود اس دل کا کیا کرتی جو مضطرب ہوا جا رہا تھا.....؟

"شاید ٹھنڈ لگ گئی ہے۔ یہاں وکس رکھی تھی، تم نے تو کہیں ادھر اُدھر نہیں رکھ دی.....؟"

اس مرتبہ لہجہ و الفاظ قدرے بہتر تھے۔ ایمان کا حوصلہ کچھ بحال ہوا۔ وہ تیزی سے بڑھی اور سب سے نچلے دراز سے وکس کی ڈبیا نکال لی۔

"لیٹیں، میں لگا دیتی ہوں۔"

وہ کسی قدر ہچکچا کر گویا ہوئی تھی۔ ولید نے کچھ کہے بغیر عمل کیا تھا۔ ایمان اس کے سینے پر اور ماتھے پر باری باری وکس کا مساج کرتی رہی اور وہ اس کے ہاتھوں کی نرمی، گداز اور ملائمت کو محسوس کرتا عجیب سے احساسات کا شکار ہوتا رہا تھا۔

"چلیں.....! سو جائیں اب.....!"

ایمان اپنے دھیان میں تھی، اس کی محویت نوٹ نہ کر سکی۔ جیسے ہی کمبل اس پر برابر کر کے اٹھنے لگی، ولید نے اس کا ہاتھ اچانک اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ بے دھیان تھی، اسی جھونک میں اس کے اوپر آ گری۔ ابھی سنبھل کر اٹھنا ہی چاہتی تھی کہ ولید نے اپنا بازو اس کی کمر کے گرد حائل کر دیا تھا۔

"اک بات بتاؤ گی.....؟ بالکل سچ.....؟"

اس کا چہرہ ایمان کی گردن سے مَس ہو رہا تھا۔ ایمان پر اس کی قربتوں کا سحر طاری ہونے لگا۔

"جج..... جی.....! کون سی بات.....؟"

اس کے لہجے کی سنجیدگی پہ وہ بوکھلانے لگی۔

"پہلے وعدہ کرو.....! بالکل سچ بولو گی.....؟"

وہ مصر تھا، ایمان کا دل بہت تیز دھڑکنے لگا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا تھا.....؟ مجھے دھوکہ کیوں دیا تھا.....؟ پھر اب سب کو دھوکہ کیوں دے رہی ہو.....؟"

اس کے استفسار پہ ایمان کا وجود ساکن ہو گیا۔

"بولو.....! بتاؤ.....!"

وہ پھر سے وحشی ہونے لگا، مگر ایمان کے پاس اس کے کسی بھی سوال کا جواب نہیں تھا۔ وہ خاموش رہی تھی اور ولید کو اس کی یہ خاموشی پھر سے بھڑکانے لگی تھی، مگر وہ چپ چاپ اس کا ہر ستم سہتی رہی تھی، روتی رہی تھی۔

☆☆☆

"جنوں پسند ہے دل اور تجھ تک آنے میں
بدن کو ناؤ لہو کو چناب کر دے گا
میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لاجواب کر دے گا
انا پرست ہے اتنا کہ بات سے پہلے
وہ اُٹھ کے میری ہر کتاب کر دے گا"

اگلی صبح اسے اٹھنے میں اتنی دیر ہوئی تھی کہ تمام تر کوشش کے باوجود نماز ادا نہیں کر سکی۔ ولید آج کسی انٹرویو کے سلسلے میں شہر جا رہا تھا، جب تک وہ واش روم سے باہر آئی، وہ تیار ہونے کے بعد نیچے جا چکا تھا۔ ایمان نے پہلے اس کا پھیلا ہوا سامان سمیٹا، کمبل تہہ کر کے رکھا، بیڈ شیٹ درست کی، اس کے تولیے کو اٹھا کر باہر بالکونی کی ریلنگ پر پھیلایا اور پرفیوم کے ساتھ مختلف لوشنز کی بوتلوں کو درست کر کے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھنے کے بعد شال لپیٹتی نیچے چلی آئی۔

ولید بڑے کمرے میں عاقب اور اشعر کے ساتھ موجود تھا، مگر اخبار میں گم۔ عاقب ناشتہ کرنے میں مصروف تھا، جبکہ اشعر کو اس کی کتاب کھولے رٹا مارنے میں۔ وہ ایک نگاہ میں جائزہ لیتی ابھی پلٹ ہی رہی تھی کہ فضہ ناشتے کی ٹرے لئے چلی آئی۔

"بھئی.....! پہلے ناشتہ کرو، پھر کچھ اور کرنا۔"

فضہ نے ٹیبل پر ناشتے کے لوازمات لگاتے ہوئے کہا تو ولید نے اخبار سے نگاہ اٹھا کر دونوں کو دیکھا تھا۔

"اسے کب تک آپ نے چوتھی کی دلہن بنائے رکھنا ہے بھابی.....؟ کام کیوں نہیں کرواتیں.....؟"

جہاں فضہ چونکی تھی، ایمان ایک دم خفت زدہ نظر آنے لگی۔

"افوہ.....! کرتی ہے کام، تمہیں اتنی فکر کیوں ہو رہی ہے.....؟"

فضہ کا انداز ہلکا پھلکا ہی تھا۔

"میں تو ہر وقت آپ کو ہی کاموں میں لگے دیکھتا ہوں، یا پھر اماں کو۔ یہ تو پہلے کی طرح اب بھی بس عیش ہی کرتی ہیں۔"

اس کے لہجے میں اتنی بیزاری اور تلخی تھی کہ عاقب کے ساتھ ساتھ اشعر نے بھی ٹھٹک کر ولید کی صورت دیکھی تھی۔ جبکہ ایمان صبح صبح ہونے والی اس عزت افزائی پہ اپنی پیشانی جلتی ہوئی محسوس کر رہی تھی۔

"ولید.....! کیا ہو گیا ہے یار..... رسم کے مطابق اماں پہلے ایمان سے میٹھا بنوائیں گی، پھر وہ کام بھی کیا کرے گی۔ یہ اتنا بڑا ایشو تو نہیں ہے کہ تم یوں خفا ہونے لگے ہو.....؟ بھئی.....! وہ تو ہمارے لئے ابھی بھی وہی گڑیا سی ایمان ہے، جو بات بات پہ روٹھ جایا کرتی تھی۔"

عاقب نے پہلے رسانیت سے ولید کو ٹوکا، پھر گو ماحول کی گمبھیرتا دور کرنے کی خاطر کسی قدر خوش دلی

سے ایمان کو دیکھ کر مسکرایا تھا، جو ہونٹ بھینچے آنکھوں میں اُمڈتے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش میں ہلکان ہو چکی تھی۔

''بالکل بالکل......! مجھے لگتا ہے رات بھائی کی امی جی سے لڑائی ہوئی ہے، جو صبح صبح انہیں ڈانٹنا شروع کر دیا ہے۔ امی جی......! آپ ذرا ابا اور دادا سے ان کی شکایت لگائیے گا۔''

اشعر نے بھی گفتگو میں حصہ لے کر گویا ایمان کو اس کیفیت سے نکالنا چاہا تھا، مگر اس کا چہرہ تتا رہا تھا، اشعر کی یہ کوشش کوئی اتنی کامیاب نہیں ہوئی ہے۔ فضہ خاموش تھی، مگر اس کے چہرے کے تاثر سے صاف اندازہ ہوسکتا تھا کہ اسے ولید کی یہ حرکت اتنی پسند نہیں آئی ہے۔

''میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ بھابی اس گھر کی ملازمہ نہیں ہیں۔ اگر یہ برابر کی اس گھر میں حیثیت پا رہی ہیں تو پھر کام......''

''ولید......! لیو دِس ٹاپک یار......!''

عاقب نے اس مرتبہ کسی قدر جھلا کر کہا تو ولید ایک جھٹکے سے اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔ ایمان کا زرد چہرہ سفید پڑنے لگا۔ کمرے میں موجود رہ جانے والے چاروں نفوس چند ثانیوں کو بالکل خاموش رہ گئے۔

''آئی تھنک......! ولی بھائی نے مائنڈ کیا ہے......؟''

فضہ کی قیاس آرائی کسی حد تک درست تھی۔

''آپ کو کیا ضرورت تھی بیچ میں بولنے کی......؟ میں کر رہی تھی ناں بات ایمان ان سے......؟''

فضہ جھلا کر عاقب سے اُلجھ پڑی تو اشعر گھبرا سا گیا۔

''پلیز......! اب آپ لوگ نہ لڑ پڑیئے گا......؟''

عاقب ایک دم خاموش ہو گیا۔

''یہ ولی بھائی کو اتنا غصہ کیوں آ رہا تھا......؟''

فضہ کی سوئی ایک ہی جگہ پر اٹک گئی تھی۔ اس کا دل انجانے خدشات کے پاتال میں ڈوبنے لگا۔

''امی! تمہارے ساتھ تو کوئی جھگڑا نہیں ہوا ان کا......؟''

فضہ کے سوال پر ایمان کا رنگ ایک دم فق ہوا تھا۔ وہ اسے کیا بتاتی کہ رات وہ کس موڈ میں تھا......؟

''اُفوہ بھئی......! تم اب اسے خواہ مخواہ پریشان مت کرو۔ پتا ہے ناں تمہیں، اس کی آفیشل پرابلم چل رہی ہے۔ بندہ کبھی ٹینس ہو ہی جاتا ہے۔ ڈونٹ وری......! شام کو آئے گا تو بھلا چنگا ہوگا۔''

عاقب نے اپنے ساتھ ساتھ انہیں بھی تسلی دی تو سب خاموش ہو گئے۔ یہ الگ بات کہ اپنی اپنی جگہ پر ہر کوئی پریشان رہا تھا۔ عاقب اور اشعر کے ساتھ ساتھ تایا جی کے بھی چلے جانے پہ جب ایمان برتن سمیٹ کر سنک میں رکھنے کی بجائے دھونے کھڑی ہو گئی تو فضہ نے آہستگی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''کیا کرتی ہو امی......؟ مجھے لگتا ہے، تم نے ولی بھائی کی بات کو کچھ زیادہ ہی دل پہ لے لیا ہے......؟''

اور ایمان مضمحل سے انداز میں مسکرا دی تھی۔

''وہ کچھ غلط تو نہیں کہہ رہے تھے فضہ......! مجھے خیال کرنا چاہیے تھا۔ ایسی حالت کے باوجود تم

سارے گھر کا کام کرتی ہو۔ تھکن تو ہوتی ہوگی......؟''

''اپنوں کی محبت، ستائش اور دُعائیں مجھے تھکنے نہیں دیتیں امی......! پھر ڈاکٹر نے بھی تو مجھے کام کرنے کی تاکید کی ہے ناں......!''

اپنی بات کے اختتام پہ وہ دانستہ مسکرائی تھی۔

''ضرور کرو......! مگر سارا نہیں، صرف اتنا جتنا تم آسانی سے کر سکو۔''

رسانیت سے کہہ کر وہ برتن دھونے میں مشغول ہو گئی تھی۔ فضہ گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی۔

☆☆☆

''سجناں نے بُھلا ماریا میری روح پلک تک روئی
لوکاں دے پتھراں دی مینوں پیڑ ذرا وی نہ ہوئی''

دادا کے ریڈیو پہ گیت چل رہا تھا جس کی آواز کھلے دروازے سے اس تک بآسانی پہنچ رہی تھی۔ چاول صاف کرتے اس کے ہاتھ اس زاویے پہ ساکن ہو گئے۔ سوز و گداز سے پُر لہجے کا رچاؤ الفاظ کی کرب ناکی نے نے کے ہزارویں حصے میں اس کی آنکھوں کو بھگو ڈالا۔

''پیار کسی کو بھی نہ رہا! ایسے موڑ پہ لائے
بھولنا چاہے بھی تو دل اس کو بھول نہ پائے
مجھ جیسا درد ملا ایسی چوٹ نہ کوئی کھائے
سجناں نے بُھلا ماریا میری روح پلک تک روئی''

''ٹپ......! ٹپ......!''

دو آنسو اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کر چاولوں کی پرات میں گرے اور اسے خبر بھی نہ ہو سکی۔ اسی پل کچن کی سمت آتے ولید نے یہ منظر دیکھا تھا اور وہ وہیں رُک گیا تھا۔ تبھی اس سے بے رُخی سے پوچھنے لگا۔

''کیوں رو رہی ہو......؟''

وہ جو اس کی آمد سے بھی بے خبر تھی، آواز پہ اس بری طرح سے ڈر کر اُچھلی کہ گود میں پڑی پرات چاولوں سمیت نیچے جا گری۔ فرش پہ جابجا چاول بکھر گئے، جبکہ پرات زمین پہ ایک آدھ چکر کھانے کے بعد اوندھی جا پڑی تھی۔ ولید کی آنکھوں میں تمسخر جبکہ ایمان کے چہرے پر تاسف اور پشیمانی جھلکنے لگی۔

''کیوں کرتی ہو وہ کام جو تمہارے بس کا روگ نہ ہو......؟''

ایمان نے ہونٹ کاٹ کر اسے دیکھا۔ بے بسی، خفت، گھبراہٹ اور خجالت نے مل جل کر اسے روہانسا کر دیا تھا۔ وہ جھکی تھی اور بکھرے ہوئے چاول اکٹھے کرنے لگی۔

لانبی انگلیوں والے گلابی ہاتھ مصروفِ عمل تھے اور ولید کی نگاہ اس منظر میں اٹکنے لگی تھی۔ شریر لٹیں جنہیں وہ اسی مصروفیت کے عالم میں کانوں کے پیچھے اڑستی اور وہ پھر پھسل کر اس کے گال چومنے لگتیں۔ ولید کا اپنا دل بھی انہی لٹوں کی طرح مچلا تو بے ساختہ نگاہ پھیرتے ہوئے ہونٹ بھینچ لیے۔

''میں چائے کی خاطر آیا تھا، یہاں یہ اُفتاد آ پڑی۔ بھابی کہاں ہیں......؟''

اپنی جھنجلاہٹ کو اس نے اس ذریعے سے نکالا، ایمان کی خفت دوچند ہوگئی۔

''میں ابھی بنا دیتی ہوں۔''

اس کام کو ادھورا چھوڑتی وہ مستعدی سے بولی۔

''مجھے چائے چاہئے میم.....! جوشاندہ نہیں.....!''

اس کے طنزیہ لہجے پہ ایمان کا سارا جوش دھرا رہ گیا۔

''اب کس سوچ میں گم ہوگئی ہو.....؟ بناؤ گی یا میں خود کچھ کرلوں.....؟''

وہ جانے کیوں اتنا جلا رہا تھا.....؟ ایمان نے جھلملاتی نظروں سے اسے دیکھا اور آگے بڑھ کر چائے کے لئے پانی رکھنے لگی۔

''ذرا اسٹرانگ قسم کی بنانا۔''

وہ ہدایات کرتا وہیں پیڑھی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ ایمان نے سر ہلایا تھا۔

''آپ کے انٹرویو کا کیا بنا.....؟''

چائے بن گئی تو چھان کر کپ میں نکالنے کے بعد اس کے آگے رکھتے ہوئے ایمان نے کسی قدر جھجک کر پوچھا تھا۔ اپنی بات کے جواب میں ولید کے چہرے پر پھیلتے سکوت کو دیکھ کر ایمان کچھ خائف ہوگئی تھی۔ جانے اب وہ کیا الٹا سیدھا جواب دیتا.....؟

''انٹرویو تو ہوگیا ہے، دعا کرنا اللہ بہتر کرے.....!''

کبھی کبھار وہ اتنا مہربان ہوجاتا ہے کہ نارمل انداز میں بھی جواب دے دیا کرتا اور یہ بھی مہکانے والا لمحہ ہی ایمان کو پھول کی طرح مہکا دیتا تھا، کھلا دیتا تھا۔

''کیوں نہیں.....! میری ساری دعائیں نیک تمنائیں آپ کے لئے ہی تو.....''

معاً اس کی پیشانی کو شکن آلود اور آنکھوں کو دہکتا محسوس کر کے ایمان کی زبان گنگ ہونے لگی۔ وہ کچھ کہے بغیر اٹھا تھا اور لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔ چائے کا کپ وہیں رہ گیا تھا۔ ایمان کے اندر واضح شکست کے احساس نے ٹوٹ پھوٹ پیدا کی تھی۔ ہونٹ بھینچ کر اس نے آنسو ضبط کرنا چاہے تھے مگر آنسو بہت سرعت سے اس کے چہرے کو بھگوتے جارہے تھے۔

☆☆☆

''کہا اس نے کوئی ایسا نہیں اپنا جسے مانوں
کہا میں نے میرے شانے پہ سب آنسو بہا لو تم
کہا اس نے محبت زندگی میں درد لاتی ہے
کہا میں نے معجزے بھی تو محبت ہی دکھاتی ہے
کہا اس نے محبت میں فقط آنسو ہی آنسو ہیں
کہا میں نے کہ ہنسنا بھی محبت ہی سکھاتی ہے
کہا اس نے دعائیں زندگی کو مانگتے کیوں ہو
کہا میں نے میری اس ذات سے منسوب تم ہونا
کہا اس نے جنت میں خدا سے کس کو مانگو گے
کہا میں نے میرے ہمدم میرے محبوب تم ہونا
کہا اس نے تمہیں سجنا سنورنا کیوں نہیں بھاتا
کہا میں نے میری چاہت میرا سنگھار ہی تو ہے
کہا اس نے بھلا مجھ میں تمہیں کیا چیز بھاتی ہے
کہا میں نے تمہیں دیکھوں تو جان میں جان آتی ہے''

ولید کے کسی دوست کی شادی تھی، وہ اسے ساتھ لے کر جانا نہیں چاہتا تھا، مگر دوست کا اصرار اتنا تھا کہ اسے مجبوراً حامی بھرنا پڑی۔ اسے تیار ہونے کا کہہ کر وہ خود نہانے گھس گیا تھا۔ جب باتھ لے کر نکلا تو ایمان کو چند سوٹ سامنے رکھے کچھ پریشان پایا تھا۔

''تم ابھی تک یوں ہی بیٹھی ہو.....؟ شہر جانا ہے ہمیں محترمہ.....!''

وہ کسی قدر درشتی سے جتا کر بولا تھا۔ ایمان اس کے موڈ کی خرابی کے خیال سے ہی گڑبڑانے لگی۔

''مجھے سمجھ نہیں آرہی، کون سا لباس پہنوں..... ؟ فضہ کہہ رہی ہے، ساڑھی پہن لوں۔''

وہ قدرے جھجک کر بولی۔ ولید نے برش ٹیبل پر اچھال کر اس کی سمت دیکھا۔ ریشمی بالوں کا آبشار پشت پر گرائے اپنی دمکتی ہوئی رنگت کے ساتھ وہ اس الجھن میں مبتلا کتنی انوکھی سی لگ رہی تھی۔

''ہاں..... تو پہن لو ناں.....! اس میں اتنا متردد ہونے والی کون سی بات ہے.....؟''

اس نے کام نمٹانے والے انداز میں کہا اور الماری کھول کر اپنے لئے کپڑے سلیکٹ کرنے لگا۔ ایمان قدرے مطمئن ہوئی تھی اور ساڑھی اٹھا کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ ولید نے وائٹ پینٹ کوٹ نکالا اور تیار ہونے لگا، اور جس پل وہ خود پہ فراخ دلی سے پرفیوم اسپرے کر رہا تھا، تب ہی ایمان نے ساڑھی کا پلو سنبھالتے ہوئے اندر قدم رکھا تھا۔

بیلی ڈال کی مانند ڈولتا ہوا اس کا سانچے میں ڈھلا ہوا موی سراپا بلیک کامدار ساڑھی میں ایک دم نمایاں ہو کر غضب ڈھانے لگا تھا۔ سیاہ نیٹ کی ہاف سلیو بلاؤز میں اس کا نگاہوں کو خیرہ کرتا ہوا حسن گویا لشکارے مار رہا تھا۔ گلابی فریش چہرے پر بلا کی جاذبیت اور مسحور کر دینے والی معصومیت تھی۔ وہ صحیح معنوں میں ماحول سے بے گانہ ہو کر رہ گیا تھا۔

ایمان نے اس کی نگاہوں کے ارتکاز کو محسوس کیا تو بکھرتی دھڑکنیں کچھ اور منتشر ہونے لگیں۔ اس کی نگاہوں کی حرارت سے پگھلتی وہ بے ساختہ نظروں کو جھکا گئی۔ ولید کو اس کے ہاتھوں میں بج اٹھنے والی چوڑیوں کی جلترنگ نے چونکایا تھا۔ اپنی بے خودی پہ وہ بے ساختہ خفت زدہ نظر آیا۔

''یہ پہن کے جاؤ گی تم وہاں.....؟''

''جج..... جی.....! آپ نے خود ہی تو کہا تھا۔''

وہ اس کی ترچھی کاٹ دار نظروں کی آنچ پہ ٹپٹا کر نظریں چرانے لگی۔

''تب مجھ کو تھوڑا ہی پتا تھا کہ تم......''

معاً اس نے ہونٹ بھینچ کر سر کو جھٹکا۔ پھر کسی قدر برہمی سے بولا تھا۔

''جاؤ اور فوراً سے بیشتر چینج کرو اسے۔''

''جی...... جی بہتر......!''

وہ اتنی آسانی سے جان چھوٹ جانے پہ سرعت سے اندر بھاگی اور چینج کر کے جب یہ پوچھنے کو واپس آئی کہ اب کون سا ڈریس پہنے، تو پتا چلا وہ اکیلا ہی جا چکا ہے۔ ایمان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی تھی۔

☆☆☆

''قسم لے لو تمہارے بعد کسی کا خواب دیکھا ہو
کسی کو ہم نے چاہا ہو کسی کو ہم نے سوچا ہو
کسی کی آرزو کی ہو کسی کی جستجو کی ہو
کسی کی راہ دیکھی ہو کسی کا قرب مانگا ہو
کسی کو ساتھ رکھا ہو کسی سے آس رکھی ہو
کوئی اُمید باندھی ہو کوئی دل میں اتارا ہو
کوئی تم سے بھی پیارا ہو کوئی دل میں بسایا ہو
کوئی اپنا بنایا ہو کوئی روٹھا ہو ہم نے منایا ہو
دسمبر کی جس رُت میں کسی کا ہجر جھیلا ہو
کسی کی یاد کا موسم میرے آنگن میں کھیلا ہو
کسی سے بات کرنی ہو کبھی یہ ہونٹ ترسے ہوں
کسی کی بے وفائی پر کبھی یہ نین برسے ہوں
کبھی راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر تیرے دُکھ میں نہ روتے ہوں
قسم لے لو تمہارے بعد ہم اک پل بھی سوئے ہوں
قسم لے لو کبھی جگنو کبھی تارہ کبھی ماہتاب دیکھا ہو
قسم لے لو تمہارے بعد کسی کا خواب دیکھا ہو''

ایمان نے یہ نظم پڑھی تو اتنی اچھی لگی کہ اسے ٹائپ کیا اور ولید حسن کے نمبر پر سینڈ کر دیا۔ کیا ہوتا بھلا......؟ زیادہ سے زیادہ خفا ہو جاتا ناں......؟ تو ہو جاتا۔ بس......! اس کا جی چاہا تھا، یہ اتنا خوب صورت اظہار اس سے کرنے کو، تو دل پہ جبر نہیں کیا تھا، ابھی وہ سیل فون رکھ کر اٹھی ہی تھی کہ میسج ٹون بج اٹھی۔ وہ ذرا چونکی اور سیل فون اٹھا کر میسج چیک کیا۔

ولید حسن کا ہی تھا اور وہ بھی شاعری، وہ خوش گوار حیرت میں گھرتی تیزی سے نظریں دوڑانے لگی۔

''وہ مجھ سے ملتے ہیں تو ملتے ہیں چرا کر آنکھیں
تو پھر کس لیے رکھتے ہیں وہ سجا کر آنکھیں

میں دیکھتا رہتا ہوں اس کو جہاں تک وہ نظر آئے
ایک وہ ہیں کہ دیکھتے نہیں اٹھا کر آنکھیں
میں آج بھی اس جگہ پر ہوں اکیلا بیٹھا
جس جگہ چھوڑ گئے تھے وہ ملا کر آنکھیں
وہ مجھ سے نظریں چرا لیتا ہے فراز
میں نے کاغذ پر بھی دیکھیں ہیں بنا کر آنکھیں''

غزل کے اختتام تک پہنچتے ہی ایمان کا سارا جوش و خروش جھاگ بن کر بیٹھ چکا تھا۔ کچھ دیر وہ یوں ہی سیل فون ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی تھی، پھر جانے کیا دل میں سمائی کہ ایک اور غزل ٹائپ کرنے لگی۔

''تجھ کو معلوم بھی شاید کبھی ہو کہ نہ ہو
میری راتیں تیری یادوں سے سجی رہتی ہیں
میری سانسیں تیری خوشبو میں بسی رہتی ہیں
میری آنکھوں میں تیرا سپنا سجا رہتا ہے
میرے دل میں تیرا عکس بسا رہتا ہے
ہاں اس طرح میرے دل کے بہت پاس ہو تم
کہ دھڑکنوں کو بھی اب مجھ سے گلہ رہتا ہے''

اس نے اس غزل کو بھی ولید کے نمبر پر سینڈ کر ڈالا۔ یہ کھیل دلچسپ تھا۔ اسے لطف آنے لگا۔ تصور میں اس کا جھنجلایا ہوا چہرہ آیا تو اس شرارت کو مزید طول دینے لگی۔

''کہیں ایسا نہ ہو جاناں
کہ میرا عکس چپکے سے
تیری آنکھوں سے مٹ جائے
تیری جانب پلٹنے کا ہر اک رستہ
کہیں نہ بند ہو جائے
میری یادوں کا ہر پنچھی
تیرے ہاتھوں سے نکلے
فلک پر آباد ہو جائے
یا پھر برباد ہو جائے
میرا دل اب کے سینے میں
دھڑکنے سے مکر جائے
انا کی سبز ٹہنی کو میں
خود یہ توڑ دیتی ہوں

تمہارے واسطے جاناں

میں ضد اپنی چھوڑ دیتی ہوں

یہی اک خواب بنا چاہتے تھے ناں تم

یہی ضد تھی ناں کہ خود کہتے نہیں تھے تم

فقط میری زباں سے

میرا اقرار سننا چاہتے تھے ناں تم

لو میں نے کہا

میری جاناں!

مجھے تم سے محبت ہے

سنو جاناں!

مجھ پہ اعتراف اب برملا ہے کہ

میری رگ رگ میں خوں بن کر

بہہ رہے ہو تم

میری آنکھوں میں اک خواب حسین بن کر

رہ رہے ہو تم

کہ میرے جسم کا ہر حصہ

سینے کی ہر دھڑکن

اور ہر سانس کہتی ہے

مجھے تم سے محبت ہے

یہی سچ ہے

مجھے تم سے محبت ہے"

جس وقت اس نے طویل نظم سینڈ کی، اس سے محض چار منٹ بعد ولید نے فون کر لیا تھا۔

"السلام علیکم......!"

اس کے شوخ لہجے میں زندگی کی کھنک تھی۔

"دماغ صحیح ہے تمہارا......؟"

وہ چھوٹتے ہی برسا، مگر ایمان نے نہ برا مانا نہ خائف ہوئی۔

"جناب......! محبت کے اظہار کی خاطر دماغ کی صحت مندی شرط ہے۔"

اس کی مجاز کے جواب میں بھی وہی ہشاش بشاش، خوب صورت کھنکتا لہجہ جلترنگ بجاتی ہنسی جو اس کا موڈ بری طرح سے غارت کر گئی۔

"بکواس بند کرو......! گھر آنے دو، پھر پوچھتا ہوں تمہیں......!"

اس کے دبنگ لہجے میں سرد پھنکار در آئی، مگر ایمان نے خاطر میں نہ لانے کا گویا عہد باندھ لیا تھا، خود سے۔

"نیور مائنڈ......! اور کیا کریں گے......؟ ہر ستم تو توڑ چکے ہیں مجھ پر......؟"

اور وہ اتنا جھلایا تھا کہ سلسلہ کاٹ دیا۔ ایمان نے مسکراتے ہوئے سیل فون رکھا اور ہونٹوں میں کچھ گنگناتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

"لو بھئی......! عرض کیا ہے،

سنو سنو......!

ظالمو......!

میری داستان الم

کہ آنسو کے دریا بہہ جائیں،

مگر غم پھر بھی نہ ڈھلے"

ایمان، فضہ کے ساتھ کچن میں مصروف تھی۔ آج کل وہ فضہ سے کھانا بنانا سیکھ رہی تھی۔ اس وقت فضہ اس کے پاس کھڑی ہو کر کڑاہی بنوا رہی تھی، جب اشعر شور مچاتے ہوئے، فرضی آنسو صاف کرتے ہوئے وہاں آیا۔

"افوہ......! کیا ہو گیا ہے......؟ کچھ بولو گے بھی یا بس رولا ہی پاتے رہو گے......؟"

ایمان نے اسے دیکھ کر کسی قدر جھنجلا کر کہا۔ اصل جھنجلاہٹ تو اس جھمیلے کی تھی۔

"اف......! کھانا بنانا آسان تھوڑی تھا، مگر صاحب بہادر کا حکم تھا، ماننا تو تھا ناں......!"

"میں نے کچھ عرض کرنا ہے، توجہ تو فرمائیں......!"

اشعر پیڑھی گھسیٹ کر فرصت سے بیٹھا۔

"کچھ دیر بعد کر لینا، پلیز......! ابھی میں مصروف ہوں۔"

ایمان نے اب کے دانستہ اسے چڑایا اور وہ واقعی چڑ گیا۔

"فضہ جی......! آپ بھی مصروف ہیں کیا......؟"

"اس کے منہ بنا کر کہنے پہ فضہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"نہیں میرے چاند......! میرے پاس تمہارے لئے وقت ہی وقت ہے، بولو......!"

اس کے دلار پہ بھی وہ بھڑک اٹھا تھا۔ بے حد ناراضگی سے بولا۔

"آپ کو پتا ہے چاند گنجے کو کہتے ہیں آج کل......؟"

اس کی بلبلاہٹ پر جہاں فضہ کھسیاہٹ کا شکار ہوئی، ایمان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"ہنس لیں، ہنس لیں......! اڑا لیں میرا مذاق...... میں بیچارہ تو اب آپ دونوں کو یہ بددعا دینے سے بھی قاصر ہوں کہ آپ کو گنجے شوہر پلے پڑیں۔ مگر ناں جی......! دونوں محترماؤں کے ہی اتنے بڑے بڑے

مچھے (بال) ہیں۔"

وہ منہ بچھلا کر کہہ رہا تھا، اب کے ایمان نے بمشکل ہنسی ضبط کی، اور اس کا دھیان بنایا۔

"تم کچھ کہہ رہے تھے شاید......؟"

"ہاں......! تو ایک نظم تھی، جسے آپ سے شیئر کرنے آیا تھا، مگر یہاں کسی کو شوق ہی نہیں۔"

وہ کچھ اور بھی سلگا۔

"کیوں شوق نہیں......! تم سناؤ......!"

فضہ نے اس کا دل رکھا، وہ بھی جیسے انتظار میں ہی تھا، فوراً شروع ہو گیا۔

"میں کسی اور کی ہوں اتنا وہ بتا کر روئی
وہ مجھے مہندی لگے ہاتھ وہ دکھا کر روئی
میں بے بس ہوں قدرت کا فیصلہ ہے یہ
لپٹ کر مجھ سے بس اتنا وہ بتا کر روئی
مجھ پہ اک کرب کا طوفان ہو گیا حائل
جب میرے سامنے خط میرے وہ جلا کر روئی
میری نفرت اور عداوت پگھل گئی پل میں
بے وفا ہے تو کیوں مجھ کو وہ رلا کر روئی
سب گلے شکوے اک پل میں بہہ گئے
جھیل سی آنکھوں میں جب آنسو وہ سجا کر روئی"

"چچ چچ چچ......! یہ تو واقعی بڑا افسوس ناک واقعہ ہے۔ بائی داوے، کب ہوا یہ حادثہ......؟"

فضہ اس کے درد بھرے لہجے سے اچھی خاصی متاثر ہو چکی تھی۔

"بس جی......! کچھ نہ پوچھیں، سب کچھ بھولا ہوا ہے آج کل۔"

جواباً اشعر کی اداکاری غضب کی تھی۔

"وہ ایک شعر ہے ناں......!

جب وہ بچھڑا تھا رات باقی تھی
عمر بیتی ہے رات باقی ہے

ایسا ہی حال ہو گا......؟"

فضہ کی ہمدردی کا دائرہ کچھ اور وسیع ہوا۔ اشعر نے شد و مد سے سر کو اثبات میں جنبش دی تھی۔

"صبر......! میرے اچھے ننھے بھائی......! کہ ابھی تو آپ نے وہ گانا بھی گانا ہے۔"

ایمان نے اس کا کاندھا تھپک کر مصنوعی رنجیدگی سے کہا تو اشعر کے کان فوراً کھڑے ہوئے۔

"کون سا گانا......؟"

"چند سالوں بعد جب ایک اور الیہ آپ پر بیتے گا اور آپ گاتے پھریں گے۔

دل کے ارماں آنسوؤں میں بہہ گئے
ان کے بچے ہم کو "ماموں" کہہ گئے"

ایمان گنگنائی، پھر خود ہی ہنسنے لگی۔ اشعر نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

"بس......! ہنسنا ہی آتا ہے آپ کو، یا پھر زخموں پہ نمک پاشی کر سکتی ہیں......؟ ارے......! غضب خدا کا، میری داستانِ غم سن کر کسی کو بھی اتنا خیال نہیں آیا کہ جوان جہان لڑکے کے دل برباد کی آبادی کا کوئی سامان کر دیا جائے......؟"

"مثلاً کیسا سامان......؟"

ایمان نے معصومیت سے آنکھیں پھیلائیں تو اشعر نے دانت کچکچائے تھے۔

"اتنی معصوم تو نہیں ہیں آپ......؟"

"ہاں......! اس سے زیادہ ہی ہوں۔"

وہ فی الفور بولی اور اشعر نے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔

"ارے......! کٹھور بھابھو......! اپنے لئے ایک عدد حسین، خوب صورت، نوخیز سی دیورانی ڈھونڈ لو، تاکہ کل کو اگر ان کے بچے ہم کو ماموں کہتے آئیں تو اس کے جواب میں انتقاماً ہمارے بچے بھی ان کو پھپھو کہہ سکیں۔"

"واؤ......! کیا لاجک ہے......؟"

فضہ سر دھننے لگی۔ ایمان مصالحہ بھون چکی تھی، فضہ کے کہنے پہ گوشت ڈال دیا۔

"اب اسے بھی اچھی طرح بھونو، لیکن آنچ دھیمی ہی رکھنا۔"

فضہ مزید ہدایت دے رہی تھی۔

"افوہ......! اس کا مطلب، آج بیچارے ولی بھائی کے معدے کی آزمائش ہے......؟"

"ان کے ہی نہیں، تمہارے معدے کی بھی خیر نہیں ہے بچو......!"

ایمان نے اس بے عزتی پہ اسے گھور کر دیکھا تو وہ کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

"توبہ کریں......! میں کل کا پکا ساگ تو کھا سکتا ہوں، مگر یہ ہرگز نہیں۔"

"ایمان چندا......! تیرا موبائل کب سے گھنٹیاں بجا رہا ہے۔ چڑیوں کی آواز لگا رکھی ہے تو نے، میں سمجھی اوپر روشن دان میں چڑیاں بول رہی ہیں۔ وہاں بار بار میں شی شی کر کے چڑیوں کو اڑا رہی ہوں، مگر آواز آئے جا رہی تھی۔"

اس سے پہلے کہ ایمان اسے کوئی جواب دیتی، تائی ماں اس کا موبائل فون اٹھائے کسی قدر کھسیاہٹ بھرے انداز میں اپنی نادانی کا قصہ سناتے ہوئے اندر آئیں اور موبائل اس کی سمت بڑھا دیا، جو ہنوز بج رہا تھا۔

ایمان نے دیکھا، کسی نیو نمبر سے کال تھی اور کرنے والا بھی مستقل مزاج۔

"ہیلو......!"

اس نے ہانڈی میں چمچ چلاتے ہوئے کال ریسیو کی، انداز مصروفیت لئے ہوئے تھا۔

''کیسی ہیں آپ مسز ولید حسن......؟''

ٹھہرا ہوا بھاری بھاری لہجہ، ایمان قطعی پہچاننے سے قاصر رہی۔

''آئی ایم فائن......! سوری......! میں نے آپ کو پہچانا نہیں، کیا آپ ولید کے کوئی دوست ہیں......؟''

''دوست کیوں......؟ دشمن ہیں ہم ان کے، اور آپ ہمیں کیوں پہچانیں گی......؟ آپ جیسا بھی کوئی عہد شکن ہوگا بھلا دنیا میں......؟''

''ک......کون......؟''

وہ ایک دم سرد پڑنے لگی۔ فضہ کے ساتھ ساتھ اشعر نے بھی چونک کر اس کے فق ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔

''ابھی بھی نہیں پہچانیں......؟ میں......! موسیٰ کا دوائی بات کر رہا ہوں۔''

ایمان کا دل ایک دم اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ ایک لمحے کی تاخیر کیے بنا، اس نے پہلے سلسلہ کاٹا، سیل فون ہی آف کر دیا تھا اور خود کو کمپوز کرنے لگی۔

''کون تھا......؟''

شعر نے اس کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کو بغور دیکھا۔

''کھ......کچھ نہیں......! رانگ نمبر تھا کوئی۔''

اس نے خود کو سرعت سے سنبھالا کہ ان کے سوالوں کے جواب وہ بہر حال دینے سے قاصر ہوتی۔

''رانگ نمبر تھا تو آپ اتنا گھبرا کیوں رہی تھیں......؟ کیا یہ کالر پہلے بھی آپ کو تنگ کرتا رہا ہے......؟ نمبر دکھائیں مجھے اس کا۔''

اشعر کے پے در پے سوال اور آخری تقاضہ بالکل ہی اسے سراسیمہ کر گیا۔ اس نے سرعت سے سیل فون مٹھی میں بھینچ کر ہاتھ اپنے پیچھے چھپا لیا۔

''کچھ نہیں ہے اشعر......! ڈونٹ وری......! یہ فارغ لوگوں کے مشغلے ہوتے ہیں۔ ہم کیوں خواہ مخواہ کسی سے پنگا لیں......؟''

اس کی جان پہ بن آئی تھی۔

''میں اس سے پنگا لینے تو نہیں جا رہا بھابی......! صرف پتا کروں گا، وہ ہے کون......؟''

اشعر نے کسی قدر رسان سے کہا تو ایمان نے زور سے سر کو جھٹکا تھا۔

''نہیں......! رہنے دو تم، لعنت بھیجو اس پر، پلیز......!''

وہ کچھ اتنی لجاجت سے بولی تھی کہ اشعر اسے دیکھ کر رہ گیا اور کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ البتہ ایمان کے چہرے کے اُڑے ہوئے رنگ اور گھبراہٹ اسے کچھ غلط ہونے کا سگنل ضرور دے رہی تھی۔

☆☆☆

''ذرا نہ موم ہوا پیار کی حرارت سے
چٹخ کے ٹوٹ گیا دل کا سخت ایسا تھا
یہ اور بات کہ وہ لب تھے پھول سے نازک
دل نہ سہہ سکے لہجہ کرخت ایسا تھا''

اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، جب وہ اس کے جوتے پالش کر رہی تھی۔ ولید سے اسے ابھی کچھ دیر قبل ہی زبردست جھاڑ پڑی تھی۔ کل وہ اس کا نمبر ٹرائی کرتا رہا تھا جو مسلسل آف جا رہا تھا۔ یہ اس وقت کی بات تھی جب موسیٰ کی کال کے بعد اس نے سیل فون بند کر دیا تھا۔

بس......! اتنی سی بات پہ وہ اس کی اچھی خاصی انسلٹ کر چکا تھا، جس نے ایمان کا دل ایک دم ہی اس سوچ کے ساتھ ویران کر دیا تھا کہ اب ساری زندگی ہی کیا، وہ اس کی محبت چاہت اور احترام جیسے جذبے کو ترستی رہے گی......؟

اس کا دل ایک بار پھر موسیٰ کو بددعائیں دینے لگا تھا، جس کی انتہا پسند سوچ نے اسے ولید جیسے شفیق انسان کی نظروں سے گرا دیا تھا۔

''پاگل ہو گئی ہو کیا......؟ بے وقوف عورت......! کب سے ایک ہی جوتے پہ برش پھیر رہی ہو......؟''

ولید کی درشت آواز پہ وہ چونکی۔ وہ کچھ غلط نہیں کہہ رہا تھا، مگر لہجے کی حقارت اور تلخی اس کا دل زخمی کر گئی تھی۔ اس نے کچھ کہے بغیر دوسرا جوتا اُٹھا لیا۔ مگر ولید نے اس کے ہاتھ سے بوٹ جھپٹ لیا تھا۔

''رہنے دو......! یہ احسان نہ کرو مجھ پہ۔''

وہ پھنکار کر بولا تھا۔ ایمان نے آنسوؤں سے جل تھل ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھنا چاہا، مگر اس کا عکس دھندلا گیا تھا۔

''جاؤ......! ناشتہ لے آؤ، یا پھر میرے سر پہ ہی کھڑی رہو گی......؟''

وہ اس بدمزاجی سے بولا تھا۔ ایمان ہونٹ بھینچتی نیچے آئی، پہلے واش بیسن پر رُک کر ہاتھ صابن سے دھوئے، پھر کچن کی سمت آ گئی۔ فضہ ناشتے کے لوازمات ٹرے میں لگا رہی تھی۔

''میں بنا لیتی ناشتہ......!''

اس نے فضہ سے نگاہیں چار کیے بنا کسی قدر خفت سے کہا تو فضہ نے آہستگی سے اس کا گال تھپکا تھا۔

''اس قسم کی فارمیلٹیز میں نہ پڑا کرو جان......! اب لے جاؤ فٹافٹ، ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

اس اپنائیت، محبت اور خلوص پہ ایمان کی آنکھیں بہت سرعت سے چھلکی تھیں، جنہیں فضہ کی نگاہ کی زد سے بچانے کی خاطر ٹرے اُٹھاتے جلدی سے نکل گئی۔ اوپر کمرے میں آئی تو ولید بلیک جینز شرٹ میں تیار بال بنا رہا تھا۔ ایمان نے ٹرے لا کر میز پر رکھ دی اور خود بکھرا ہوا کمرہ سمیٹنے لگی۔ ولید نے برش رکھا اور ٹیبل کی سمت آ گیا۔

''تم نے ناشتہ کر لیا ہے کیا......؟''

سلائس اُٹھاتے ہوئے اس نے ایک نگاہ ایمان پر ڈالی تھی۔ بھیگی بھیگی نم پلکیں، آنکھوں کے زیریں

کنارے شدتِ ضبط سے سرخ ہو رہے تھے۔ اس کا یہ سوگوار سا روپ بے حد اثر انگیز تھا۔ ولید کو ایک دم ہی اپنی زیادتی کا احساس جاگ اُٹھا۔ پتا نہیں اسے دیکھتے ہی کیوں اس کا خون کھولنے لگتا تھا......؟ حالانکہ یہ وہی چہرہ تھا جسے ایک نگاہ دیکھنے کو بھی اسے جتن کرنے پڑا کرتے تھے، مگر عزتِ نفس پہ لگائی گئی چوٹ سب کچھ اُلٹ پلٹ کر کے رکھ گئی تھی۔

''نہیں......!''

مختصر جواب آیا تھا، وہ بھی اس کی سمت دیکھے بغیر۔ آواز کے بھاری پن نے ولید کا دل کچھ اور بھی پشیمان کیا۔

''تو آ جاؤ ناں......! میرے ساتھ ناشتہ کرلو......!''

ہاتھ روک کر وہ اسے منتظر نظروں سے دیکھنے لگا۔ ایمان نے اب کے اچھا خاصا چونک کر اسے دیکھا تھا۔ اس کی توجہ پا کر دھڑکنیں چیخ اُٹھیں۔

''اس نوازش کے لئے شکریہ......! جو کچھ آپ مجھے دے رہے ہیں، میرے لئے وہی بہت ہے۔''

اس نے کسی قدر تلخی سے کہا اور ایک جھٹکے سے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔ غم، غصہ، مایوسی، بے بسی، افسردگی، کتنے احساس تھے اس کے ہمراہ، جنہوں نے آنکھوں کے سامنے آنسوؤں کی چادر سی تان دی تھی کہ سیڑھیاں اُترتے بے دھیانی میں اس کا پیر رپٹ گیا۔ یقیناً سنبھلنے کی کوشش بھی کرتی، تب بھی گر جاتی، اگر جو اس کے پیچھے آتے ولید نے بروقت اسے نہ تھام لیا ہوتا۔

''دھیان کہاں ہوتا ہے تمہارا......؟''

وہ خوف سے آنکھیں میچ چکی تھی، مگر ولید کی بات پہ اس کا دماغ جیسے اُلٹ کر رہ گیا۔

''کم از کم آپ میں نہیں ہوتا۔''

بھڑک کر کہتے وہ اس سے دُور ہٹنا چاہتی تھی، مگر ولید نے اُلٹا اسے بازوؤں میں محصور کر کے زبردستی اپنے ساتھ لگا لیا۔ گرفت میں استحقاق اور گرم جوشی تھی، مگر جب بولا تو لہجہ اس کے متضاد کسی قدر طنزیہ تھا۔

''شکر ہے...... تم نے سچ بولنے کی ہمت تو کی۔''

ایمان کے وجود میں کرب آمیز شکست کے شعلے بلند ہوئے تھے۔ مضطرب آنکھوں، بے قابو ہوتی دھڑکنوں اور نم پلکوں سمیت اس نے کرنٹ کھانے والے انداز میں خود کو اس کی گرفت سے نکالنے کو مزاحمت کی۔

''یوں لمحہ لمحہ سلگا کر مارنے سے بہتر ہے، آپ مجھے ایک ہی بار ختم کر دیں۔ کیا جائے گا آپ کا......؟ مقصد تو جان چھڑانا ہے ناں......؟''

وہ بے بسی کے شدید احساس سمیت سسک اُٹھی تھی۔ ولید کا موڈ جانے کیوں آف ہوا تھا......؟

''یہ بیڈ روم نہیں ہے تمہارا......! یہ کام کسی اور وقت کے لئے اُٹھا رکھو۔''

اس کی جھلستی نگاہ ایمان کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں پر تھی۔ ایمان جیسے سر تا پا جل اُٹھی۔

''مجھے بھی آپ کو یہی بتانا ہے کہ یہ آپ کا بیڈ روم نہیں ہے، چھوڑیں مجھے۔''

وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر باقی ماندہ سیڑھیاں پھلانگ گئی۔ ولید نے ہونٹ بھینچ کر خود پہ ضبط کیا تھا، اگر وہ کچن میں نہ گھس گئی ہوتی تو اس بدتمیزی پر وہ یقیناً اس کا حشر کر چکا ہوتا۔

☆☆☆

''میرا تمام فن، میری کاوش، میری ریاضت
اِک نا تمام گیت کے مصرعے ہیں جن کے بیچ
معنی کا ربط ہے نہ کسی قافیے کا میل
میری متاع بس یہی جادو ہے عشق کا
سیکھا ہے جس کو میں نے بڑی مشکلوں کے ساتھ
لیکن یہ سحر عشق کا جادو عجیب ہے
کھلتا نہیں ہے کچھ کہ حقیقت میں کیا ہے یہ
تقدیر کی عطا ہے یا کوئی سزا ہے یہ
کہنے کو یوں تو عشق کا جادو ہے میرے پاس
پر میرے دل کے واسطے اتنا ہے اس کا بوجھ
سینے پہ اِک پہاڑ سا ہٹتا نہیں ہے یہ
لیکن اثر کے باب میں ہلکا ہے اس قدر
تم پہ اگر چلاؤں تو چلتا نہیں ہے یہ''

فضہ کی طبیعت ان دنوں کچھ خراب رہنے لگی تھی۔ آج اسے ویسے بھی ڈاکٹر کے پاس چیک اَپ کے لئے جانا تھا۔ اس کی ڈلیوری بھی نزدیک تھی، جبھی اب ایمان کی کوشش ہوتی، اسے زیادہ سے زیادہ آرام مہیا کرے۔ بہت سارا کام اس نے اپنے کاندھوں پہ لے لیا تھا، مگر فضہ کے علاوہ تائی ماں بھی اس کا پورا ہاتھ بٹانے کی کوشش ضرور کرتی تھیں۔

اس وقت اس نے پہلے پورے گھر کی صفائی دُھلائی کی تھی، پھر فضہ کو کپڑے نکال کر دیئے تاکہ وہ ڈاکٹر کے پاس جانے کو تیار ہو جائے۔ عاقب بھائی اسے لینے آنے والے تھے۔ پھر وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ آج اسے اتنی فرصت ہی نہ ملی تھی کہ اپنا کمرہ بھی صاف کر لیتی۔ تکیے اور کمبل ہٹا کر اس نے چادر جھاڑ کر بچھانا چاہی تو سیل فون کی بپ پہ چونکی تھی۔ ایک بار پھر انجان نمبر تھا، یقیناً موسیٰ کا فون تھا، مگر اس نے خائف ہوئے بغیر کال ریسیو کر لی۔ آج اس کا ارادہ اسے کھری کھری سنانے کا تھا۔

''ہیلو......! کیا تکلیف ہے تمہیں......؟ کیوں جان نہیں چھوڑ دیتے تم آخر میری......؟''

وہ کسی آتش فشاں لاوے کی طرح سے ہی پھٹ پڑی تھی۔

''بے فکر رہیں، میری آج آپ کو لاسٹ کال ہے۔''

''اس میں تمہاری ہی بہتری ہے۔''

وہ جواباً پھنکار کر بولی تو موسیٰ ہنس پڑا۔

"وجہ تو پوچھ لیں، میں آپ کو یہ خوش خبری کیوں سنا رہا ہوں......؟"

میں لعنت بھیجتی ہوں تم پہ، تمہاری ہر بات پہ۔"

اس کے لہجے کی خباثت پہ دھیان دیئے بغیر وہ سرد لہجے میں بولی تو موسیٰ نے بے ساختہ اسے ٹوک دیا۔

"نو نو......! یہ تو فیئر نہ ہوا ناں......؟ چلیں، آپ نہ پوچھیں، میں بتاتا ہوں۔ گو کہ اب آپ میرے لالہ کے قابل تو نہیں رہیں، برتی ہوئی عورت میں خود بھی ان کے لئے پسند نہیں کروں گا، مگر آپ کے جرم کی سزا کے طور پر میں آپ کو ہمیشہ کے لئے بیوگی کی چادر ضرور اوڑھا سکتا ہوں۔ عنقریب آپ میرے انتقام کا یہ بھیانک رنگ دیکھیں گی۔ گڈ بائے......!"

سلسلہ کٹ گیا، جبکہ ایمان وحشت کے حصار میں گھری بے ساختہ اسے پکارنے لگی تھی۔

"م......موسیٰ......! ہیلو......! ہیلو......! میری بات سنو......!"

اس نے ڈوبتے ہوئے دل اور کانپتی ہوئی انگلیوں سے اس کا نمبر ملایا، مگر اس کا نمبر بند جا رہا تھا۔ ایمان کو لگا تھا وہ ابھی بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔

☆☆☆

اپنی کوشش کی ناکامی پہ انتہائی مایوسی میں گھرتے ہوئے ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر سسکنے لگی۔ خوف کے ساتھ وحشت اور بے بسی کے احساس نے اسے بری طرح سے توڑ پھوڑ ڈالا تھا۔ جانے وہ کب تک اسی طرح آنسو بہاتی رہی تھی کہ کسی خیال کے تحت پہلے ہاتھ کی پشت سے آنسو پونچھے، پھر سیل فون اٹھا کر ولید کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

ایک بار، دو بار، تین بار ٹرائی کرتے پہ اس کا دل گھبراہٹ کا شکار ہونے لگا۔ پتا نہیں وہ کال ریسیو کیوں نہیں کر رہا تھا......؟ اس نے ایک بار پھر اس کا نمبر ڈائل کیا۔

"کیا مصیبت ٹوٹ پڑی ہے تم پہ......؟ آفس میں ہوں، بزی ہو سکتا ہوں، تمہیں احساس کرنا چاہئے۔"

وہ فون پک کرتے ہی برس پڑا، مگر ایمان کے دل پہ تو جیسے سکون کے چھینٹے پڑے تھے، اس کی صحیح سلامت آواز سن کر۔

"ولید......! پلیز، اسی وقت گھر آ جائیں ناں......! میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔"

عجیب فرمائش ہوئی تھی، جس نے ولید کی بد مزاجی کو کچھ اور ہوا دی۔

"دماغ درست ہے محترمہ......؟ حد ہے نخرے کی بھی۔ بند کرو فون اور خبردار جو مجھے اب ڈسٹرب کیا۔"

"ولید......! میری بات......"

مگر وہ سلسلہ کاٹ چکا تھا۔ ایمان کی آنکھیں اس بے اعتنائی کے مظاہرے پر پھر سے بھیگ گئیں۔

"یا اللہ......! کیا کروں اب......؟"

وہ منہ پہ ہاتھ رکھ کر سسک اٹھی۔

"ایمان......! امی......!"

نیچے سے فضہ اسے پکار رہی تھی۔ وہ خود کو سنبھال کر اٹھی، پہلے واش روم جا کر منہ پر پانی کے چھپاکے مارے، پھر سیڑھیوں سے نیچے اتر آئی تھی۔ عاقب بھائی آ چکے تھے، فضہ اور تائی ماں جانے کو تیار کھڑی تھیں۔

"ہم جا رہے ہیں، دروازہ بند کر لو......! کوئی بھی آئے، پوچھے بغیر دروازہ مت کھولنا۔"

تائی ماں کی تاکید پہ اس نے گردن موڑ کر گھر کی خاموشی پہ غور کیا تھا، پھر مضطرب سی ہو کر بولی تھی۔

''میں تب تک اکیلی رہوں گی......؟''

''پتر......! تمہارے تاؤ جی کچھ دیر میں آنے والے ہیں، پھر اباجی تو یہیں ناں گھر پہ......!''

تائی ماں کی تسلی پر وہ خاموش ہوگئی تھی۔ اس نے ان کے جانے کے بعد دروازہ بند کیا اور پلٹ کر سکھ چین کے پیڑ کے نیچے رکھی پلاسٹک کی کرسی پہ گرے گلابی پھول سمیٹنے لگی۔ انداز میں بے دلی اور تھکان تھی۔ منڈیر پہ بیٹھے کوے نے اپنی آواز کا سُر بکھیرا، تب وہ ہاتھ میں اکٹھے کئے پھول پھینک کر اسی کرسی پہ بیٹھ گئی۔

''اتنا تو میرے حال پہ احسان کیا کر
آنکھوں سے میرا درد پہچان لیا کر''

ہوا کے دوش پہ لہراتی گیت کی آواز اس کی سماعتوں میں اتری تو ساری توجہ اسی سمت ہوگئی۔

''کوئی ساتھ ہے سفر میں بہت تھک گیا ہوں میں
کچھ پل ہوں تیرے ساتھ میری مان لیا کر''

اس کا دل درد سے بوجھل ہونے لگا۔ کرسی کی بیک سے سر ٹکا کر اس نے آنسوؤں کو بہنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔

''افسانے محبت کے یوں ادھورے تو نہ چھوڑ
جرم وفا کا مجھ سے ہر بیان لیا کر
مدت ہوئی اس آس پہ ٹھہرا ہوا ہوں میں
بھولے سے کبھی تو بھی میرا نام لیا کر
تو اپنی ذات سے وابستہ کر مجھے
ہو کر خفا مجھ سے نہ یوں جان لیا کر''

پوری طرح وہ اس گیت میں گم ہو چکی تھی، جب دروازے پر ہونے والی دستک پر ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔

''کون ہے......؟''

تائی جی کی تاکید کے مطابق اس نے ڈیوڑھی میں آنے کے بعد بند دروازے کے پار سے پوچھا۔

''دروازہ کھولو......!''

ولید کی آواز پہ اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ جلدی سے لپک کر دروازہ وا کیا تو ولید بائیک گھسیٹتا ہوا اندر چلا آیا۔

''آپ تو آفس میں تھے ناں......؟''

دروازہ بند کئے بنا وہ بھاگ کر اس کے نزدیک آئی تھی۔ اسے روبرو پا کر کیسا طمانیت سے بھرپور احساس دل میں جاگزیں ہوا تھا۔

''میرے آتے ہی آپ کے حفاظتی انتظامات ختم ہوگئے کیا......؟''

کسی قدر جھلا کر کہتا بائیک اسٹینڈ کرنے کے بعد وہ خود دروازہ بند کرنے لگا۔ ایمان بجائے خفیف ہونے کے، زور سے ہنس پڑی۔ اس کی وجہ سے وہ آفس چھوڑ کر چلا آیا تھا، بہت کیف آگیں احساس تھا۔

''سب لوگ کہاں ہیں......؟''

اس کو بھی گھر میں چھائی خاموشی کا احساس ہوا تھا۔

''تاؤ جی کھیتوں پر، جبکہ تائی ماں اور عاقب بھائی، فضہ کو چیک اپ کے لئے لے کر گئے ہیں شہر۔''

ایمان نے اس کے فریش چہرے پہ نگاہ جما کر تفصیلی جواب دیا۔

''آئی سی......! جبھی آپ کا دل گھبراہٹ کا شکار ہو رہا تھا تنہائی میں......؟''

وہ واش بیسن پہ منہ ہاتھ دھونے لگا۔

''آپ کے لئے چائے بناؤں......؟''

دانستہ اس کی بات کا جواب گول کر کے اس نے کچن کی سمت جاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''خالی چائے نہیں، ساتھ کچھ کھانے کو بھی لانا۔''

اسٹینڈ سے تولیہ کھینچ کر منہ پونچھتا ہوا وہ سیڑھیوں کی سمت بڑھ گیا تھا۔ ایمان کچن میں آئی اور فریج کھول کر جائزہ لینے لگی۔ کچھ سوچا، پھر کباب فرائی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ کام نسبتاً آسان تھا۔ دوسری طرف اس نے چائے کا پانی رکھ دیا، جب سے اس نے کام کرنا شروع کیا تھا، تاؤ جی نے عاقب سے کہہ کر سلنڈر پر ڈبل چولہے کا انتظام کروا دیا تھا۔ تیل گرم ہو کر کڑکڑانے لگا تھا، تب اس نے اس میں کباب ڈالے تھے۔

تمام تر احتیاط کے باوجود بھی جانے کیسے گرم گرم گھی کی چھینٹ اس کے ہاتھ پہ آگری۔ تکلیف کی شدت سے اس کی جان نکل گئی، مگر ہونٹ بھینچ کر خود پہ ضبط کر لیا۔ مگر متاثرہ جگہ پہ جیسے کسی نے چھری سے کٹ لگا کر مرچیں بھر دی تھیں۔ اس کی آنکھوں کی سطح اس اذیت کو سہتے بہت تیزی سے بھیگی، سب کچھ یوں ہی چھوڑ چھاڑ کر سنک کی ٹونٹی کھول کر ہاتھ پانی کی دھار کے نیچے کر کے کھڑی ہوگئی۔ کچھ سکون ہوا، مگر معمولی۔

ادھر کباب شاید جل رہے تھے، اس نے ٹونٹی بند کی اور پلٹ کر چولہے کی آنچ کم کر دی۔ چمچ کی مدد سے کباب پلٹنے اور کھولتے ہوئے پانی میں پتی اور چینی ڈالنے لگی۔ ہاتھ کی تکلیف سے اس نے دانستہ توجہ ہٹالی تھی۔ حالانکہ تپش کے نزدیک آجانے سے تکلیف کا احساس بڑھ گیا تھا، مگر اس نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔ سب چیزیں تیار ہوا تو سلیقے سے ٹرے سجا کر اوپر لے آئی۔ ولید پلنگ پہ تکیوں کے سہارے لیٹا ہوا کسی کتاب کے مطالعہ میں گم تھا۔ اسے دیکھا تو کتاب رکھ دی۔

''آپ کا دل کیوں گھبرا رہا تھا......؟ اب بتایئے......!''

کباب اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے وہ چائے کا مگ ہاتھ میں لے کر ریلیکس انداز میں بیٹھ گیا۔ اب پوری کی پوری توجہ اس پر تھی۔ ایمان نے سر جھٹک دیا اور دراز سے زخم پہ لگانے کو مرہم ڈھونڈنے لگی۔

''حلیہ تو درست رکھا کرو، فقیرنی لگ رہی ہو بالکل......!''

ولید نے اس کے حلیے پہ چوٹ کی۔ ایمان نے ایک نگاہ اپنے گیلے میلے کپڑوں پر ڈالی تھی، پھر نخوت سے بولی۔

''جب کام کرنا ہو تو پھر ایسا حلیہ ہی ہوتا ہے۔''

"احسان کرتی ہو کام کر کے......؟"

عادت کے مطابق اسے لمحہ لگا تھا، بھڑک اُٹھنے میں۔

"نہیں......! اپنی اوقات پہچان گئی ہوں۔"

اس کی آواز ایک دم بھیگ گئی۔ ولید نے چونک کر اسے دیکھا کہ وہ زخم پر مرہم لگا رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے......؟"

ولید نے مگ واپس ٹرے میں رکھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے آنسو اتنی سی توجہ پا کے ہی گالوں پہ اُتر آئے۔ ولید نے ٹھنڈا سانس بھر کے اسے دیکھا تھا۔

"ابھی جلا کے آئی ہو......؟"

"دوا لگالی ہے ناں، اور جلاؤں گی کیوں......؟"

وہ بری طرح زچ ہوگئی۔

"ہاں......! کیوں جلاؤ گی بھلا......؟ تمہارا میری جان چھوڑنے کا ارادہ کیوں ہوگا......؟"

ولید نے دانستہ چھیڑا تھا اسے، مگر وہ جانے کیوں اتنی رقیق القلب ہو رہی تھی کہ بے ساختہ رو پڑی۔

"بے فکر رہیں، چھوڑ دوں گی آپ کی جان، پھر خوشی کے شادیانے بجاتے رہیے گا۔"

آنسو موتیوں کی طرح ٹوٹ کر اس کے گالوں پہ بکھرے تھے، ولید نے ٹھٹک کر اسے دیکھا تھا، پھر آہستگی و نرمی کے ساتھ اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔ مگر وہ تو بری طرح سے مچل اٹھی تھی۔

"نہیں، چھوڑیں مجھے......! کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے جھوٹی تسلی دینے کی۔"

اس کی زبردست مزاحمت کے نتیجے میں وہ پیچھے کی جانب چت ہوا تھا، مگر برا منائے بغیر ہنس پڑا۔

"بڑی طاقت ہے اس دھان پان سے نازک وجود میں......؟ کیا کھاتی ہو......؟ سچ بتاؤ......؟"

"ان باتوں پہ دھیان مت دیں۔ اس وقت میرا حلیہ گندا ہو رہا ہے، اس لئے چھوڑ دیں مجھے۔"

اس نے واقعی اس کی بات کو دل پہ لے لیا تھا۔ ولید گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

"چھوڑیں ناں......! آپ تو ویسے بھی اپنے مطلب کے وقت نزدیک ہونا پسند کرتے ہیں میرے۔ اتنی ہی نفرت کرتے ہیں ناں مجھ سے......؟"

وہ تلخی سے کہتی خود اذیتی کا شکار ہونے لگی۔

"تو پھر سمجھ جاؤ، مجھے اس وقت بھی تم سے اپنی غرض ہی پوری کرنی ہے۔"

سرد، کاٹ دار نظریں، اس نے ایمان کی بات کی تردید ضروری نہیں سمجھی تھی۔ ایمان کا دل اس درجہ توہین پہ سلگ اُٹھا، آنکھیں آنسوؤں سے دُھندلا گئیں، مگر مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔

"میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے نفرت ہے، جبھی میری قربت میں ہمیشہ آنسو ہی بہائے ہیں تم نے۔"

ولید نے اس کے گالوں پہ پھسلتے آنسوؤں کو اپنی انگشت شہادت سے جھٹکتے ہوئے سرد لہجے میں کہا اور اپنے بازو اس کے وجود سے الگ کر لئے۔ ایمان اسی الزام پہ سُن ہوگئی تھی۔

"ہے کوئی جواز تمہارے پاس......؟"

وہ اس پہ تیکھی کاٹ دار نظریں جما کر بولا۔

"آپ محبت کے دعویدار تھے ناں مجھ سے......؟ مگر کبھی اپنے سلوک پہ غور کیا آپ نے......؟ مجھے کبھی بھی آپ کی قربت میں یہ احساس نہیں ملا کہ میں آپ کی بیوی ہوں، جس سے کبھی آپ نے محبت کی تھی۔ اس کے باوجود میں نے کبھی شکوہ نہیں کیا اور نہ ہی احتجاج۔ اگر آپ ذرا سا غور کرتے تو جان سکتے تھے، یہ میری محبت ہی تھی جس نے آپ کا ہر ستم مجھے خاموشی سے سہنے کا ظرف بخشا تھا۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ رکی نہیں تھی، منہ پہ ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی اُٹھ کر بھاگ گئی۔ ولید ساکن لیٹا تھا۔

☆☆☆

"کبھی تو آسماں سے چاند اُترے جام ہو جائے
تمہارے نام کی اک خوب صورت شام ہو جائے
میں خود بھی احتیاطاً اس گلی سے کم گزرتا ہوں
کوئی معصوم کیوں میرے لئے بدنام ہو جائے
عجب حالات تھے یوں دل کا سودا ہوگیا آخر
محبت کی حویلی جس طرح نیلام ہو جائے
سمندر کے سفر میں اس طرح آواز دے ہم کو
ہوائیں تیز ہوں اور کشتیوں میں شام ہو جائے
اُجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے"

اس نے تمام ضروری چیزیں بیگ میں رکھیں اور احتیاط سے زپ بند کر دی اور خود کمرے سے نکل کر کچن کی سمت آگئی۔ کل رات فضہ کے ہاں رب کی رحمت اتری تھی۔ شام سے کچھ پہلے اسے ہاسپٹل لے جایا گیا تھا اور چار گھنٹے کے جان لیوا انتظار کے بعد یہ خوش کن خبر سننے کو ملی تھی۔ وہ اتنی خوش ہوئی کہ بے ساختہ حرا آپا کے گلے لگ گئی، جنہیں تائی ماں اس کی تنہائی کے خیال سے پاس چھوڑ گئیں تھیں کہ باقی تو سب ولید سمیت ساتھ چلے گئے تھے۔

"شکر ہے خدا کا...... وبس اب اللہ تمہاری طرف سے بھی ہمیں خوش خبری سنوا دے تو سکون کا سانس آئے۔"

آپا نے اس کا گال چوم کر دُعا دی تو ایمان ولید کی موجودگی کے باعث کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی تھی۔

"ہمارے ایسے نصیب کہاں......؟"

ولید کے سرد آہ بھر کے کہنے پر ایمان نے ٹھٹک کر اسے دیکھا تھا۔

"واٹ یو مین......؟ بوڑھے ہو گئے ہیں اس انتظار میں جو......"

وہ پھٹ پڑی تھی۔ ولید کی بات پر اس کے دماغ میں انگارے سے چیخ اٹھے تھے۔ حرا آپا بھی یقیناً اس پر گرفت کرتیں، اگر جو وہ کسی کام سے باہر نہ جا چکی ہوتیں۔

"تین ماہ ہو چکے ہیں ہماری شادی کو، اطلاعاً عرض ہے۔"

ولید نے اس پہ سرد نگاہ ڈال کر جانے اس پر کیا جتانا چاہا تھا......؟

"تین ماہ ہی ہوئے ہیں ناں......! تین سال یا تین صدیاں تو نہیں بیت گئیں جو یوں آپ ناامید ہو کر بیٹھ گئے......؟ پھر بھی اگر مطمئن نہیں ہیں تو میری بلا سے، اور شادی کر لیں جا کر۔"

وہ اتنا ہرٹ ہوئی تھی کہ باقاعدہ جھگڑے پہ اتر آئی۔ جو آنسو بہہ رہے تھے، وہ الگ۔ جبکہ ولید کی بے حسی اور لاتعلقی اپنے عروج پر تھی۔

"تو تم اجازت دے رہی ہو بخوشی......؟"

وہ پتا نہیں کیا سننا چاہ رہا تھا اس کے منہ سے......؟ یا مقصد محض تنگ کرنا، ستانا تھا، مگر اس کا تو دل کرب کے سمندروں میں ہلکورے لیتا پھر رہا تھا۔

"ہاں......! آپ تو پہلے ہی سے یہی چاہتے ہیں، بندوق میرے کاندھے پر رکھ کر چلائیں گے اور......"

وہ کچھ اور بھی شدتوں سے روتے ہوئے بولی تھی، جب ہی آپا کپڑے بدل کر آئیں اور اسے روتے پا کر ایک دم ٹھٹک گئیں۔

"کیا ہوا......؟"

انہوں نے بے ساختہ دہل کر سوال کیا تھا۔

"ابھی تو دونوں کو اچھے بھلے موڈ میں چھوڑ کر گئی تھی۔"

"بے وقوفوں کے سر پر سینگ نہیں ہوتے ہیں آپا......!"

سوال ولید نے کیا تھا اور حد درجہ اطمینان کے ساتھ۔ آپا کا تحیر کچھ اور بڑھ گیا۔

"کیا بک رہے ہو ولی......؟ میں پوچھ رہی ہوں، ایمی کو کیا ہوا ہے......؟"

"خود ہی مجھے شادی کا مشورہ دے رہی ہے، پھر خود ہی رونا پیٹنا بھی ڈال کے بیٹھی ہیں محترمہ۔"

وہ نخوت سے کہتا کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ جبکہ وہ آنسو پونچھتے "سوں سوں" کر رہی تھی۔

"ہائے میں مر گئی......! ایمی......! کیا کہہ رہا ہے ولید......؟"

آپا نے کلیجہ تھام لیا تھا۔ ایمان نے کسی قدر برہمی سے ولید کو دیکھا۔

"کر کے تو دکھائیں، ایک ہی بار جان لے لوں گی ان کی۔"

وہ غصے سے چیخی تھی۔ ولید مسکرا دیا۔

"گڈ......! یہ ہوئی ناں بات......! اچھی بیویوں والی۔"

اس کے پاس آ کر اپنا کاندھا اس کے کاندھے سے ٹکراتے ہوئے وہ لفظ "بیوی" پر زور دے کر بولا۔

پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو بھی صاف کر دیے۔

"میری ہر بات کو دل پہ مت لیا کرو، مذاق کرتا ہوں تم سے......!"

اور ایمان سمجھ گئی تھی، وہ صرف آپا کو دکھانے کی خاطر التفات کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کے اندر ڈھیر ساری تھکن اتر گئی، تو کچھ کہے بغیر سر جھکا لیا تھا۔ آپا ولید کے ساتھ چلی گئیں، تب وہ صحن میں بچھی چارپائی پہ آ بیٹھی۔ دل بہت خالی خالی سا ہو رہا تھا۔

"ولید نے یہ بات یوں ہی تو نہیں کہی ہوگی......؟ یقیناً اس نے اس کمی کو محسوس کیا تھا۔"

گو کہ اس میں قصور اس کا کہیں بھی نہیں نکلتا تھا، پھر بھی وہ خود کو مجرم سا محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆

"محبت تم نے کب کی ہے
محبت میں نے کی ہے
تم نے تو اک خامشی کو اوٹ میں رکھ کر
کچھ اپنے لمس کے مصرعے میرے دل میں اتارے ہیں
لب نم ساز کے غم میں کئی نظمیں بکھر کر
میرے شانوں پر بکھیری ہیں
محبت تم نے کب کی ہے
تم نے اپنی آنکھوں میں دور تک اسرار میں ڈوبی ہوئی
ایک شام جیسی سرد آنکھوں میں مجھے تحلیل کرنا تھا
سو میں بھی ایک بے وقعت سے لمحے کی طرح اب تک
تمہارے پاؤں کی مٹی سے لپٹا ہوں
نہ تم نے اس مٹی کو جھٹکا ہے
نہ اس بے وقعت بے مایا لمحے کو اٹھا کر اپنی پیشانی پر رکھا ہے
تمہاری خامشی کی اوٹ میں میرے لیے کیا ہے
بہت کچھ ہے مگر اقرار کی جھلمل نہیں ہے
سمندر منجمد ہے اور کوئی ساحل نہیں ہے"

وہ کب سے اس کے انتظار میں صحن میں چکرا رہی تھی۔ آج اس نے معمول سے زیادہ دیر کر دی تھی۔ پتا نہیں کہاں رہ گیا تھا......؟ اس کا فون بھی پک نہیں کر رہا تھا۔ صبح اسے کہا تھا، تیار ہو کر رہے، واپسی پر اسے نغمہ کے پاس ہاسپٹل لے کر جائے گا۔

اشعر بیٹھک میں تھا اور اپنی اسٹڈی میں مصروف۔ وہ اپنے کمرے میں غالباً مغرب کی نماز ادا کر رہے تھے۔ تاؤ جی ابھی کچھ دیر قبل ہی کھیتوں سے واپس آئے تھے اور وہ انہیں کھانا دے کر چائے کا پوچھنے گئی، جس سے انہوں نے منع کر دیا تھا۔

''مجھے ایک بار پھر ان کا سیل ٹرائی کرنا چاہئے.......!''

وہ اس سوچ کے ساتھ ہی سیڑھیاں چڑھتی اوپر چلی گئی۔ موبائل فون سمیت نیچے آئی تو تاؤ جی کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں جا رہے تھے۔ ایمان نے ایک بار پھر ولید کا نمبر ڈائل کیا، بیل جاتی رہی مگر کال ریسیو نہیں ہوئی۔ وہ کسی قدر جھنجلائی تھی اور سیل فون صحن میں بچھی چارپائی پہ پٹخ کر کمرے میں جانے لگی تھی کہ اسی وقت بیرونی دروازے پہ دستک ہوئی، ساتھ ہی بائیک کی آواز بھی تھی۔

وہ یقیناً ولید حسن تھا۔ وہ تیزی سے دروازے کی جانب لپکی، مگر تب تک اشعر بیٹھک سے نکل کر دروازہ کھول چکا تھا۔ بائیک گیٹ کے اندر لاتے ولید کی سفید خون آلود شرٹ پہ نگاہ پڑتے ہی ایمان کی چیخیں نکل گئیں تھیں۔

''مائی گڈنیس.......! ولید.......! کیا ہوا ہے آپ کو.......؟''

اس سے کچھ فاصلے پہ کھڑے اشعر کی موجودگی کی پرواہ کئے بغیر وہ دوڑ کر اس سے لپٹ کر اس کے زخموں کی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے بولی۔ اشعر کے چہرے پر بھی فطری تشویش تھی، مگر اس نے حواس نہیں کھوئے تھے۔

''افوہ.......! آہستہ بولو، ساری دُنیا کو بتا کر رہو گی کیا.......؟''

ولید اسے بازو سے پکڑ کر خود سے الگ کرتے ہوئے کسی قدر جھنجلاہٹ کا شکار ہو کر بولا تھا، مگر وہ حواسوں میں ہی کہاں رہی تھی.......؟ موسیٰ کی دھمکیاں تمام تر سفاکی کے ہمراہ یاد آتے ہی اس کا دل پھڑ پھڑانے لگا تھا۔ ولید اسے نظر انداز کئے تیز قدموں سے چلتا اپنے کمرے میں چلا گیا، اشعر بھی پیچھے ہی تھا۔

''معمولی ایکسیڈنٹ ہے یار.......! ڈونٹ وری.......! تم ذرا میڈیکل باکس لاؤ میرا۔''

ایمان اندر آئی تو ولید نارمل انداز میں اشعر سے بات کر رہا تھا۔

''دکھائیں، کہاں چوٹ لگی ہے آپ کو.......؟ میرے خدا.......! اتنا خون.......؟''

وہ یوں ہی روتی سسکتی اس کے نزدیک آئی اور اس کی شرٹ کے بٹن کھولنے لگی۔

''ایک کام کر لو تم، چاہے رو لو چاہے.......''

ولید کا موڈ بری طرح سے بگڑا تھا۔

''میرا دل گھبرا رہا ہے ولید.......! مجھے بتائیں، کسی نے جان بوجھ کر تو آپ کو نہیں مارا.......؟''

''کیا لو گی تم چپ ہونے کا.......؟ ویسے ابھی زندہ سلامت کھڑا ہوں تمہارے سامنے۔ یہ رونے دھونے کا پروگرام ابھی ملتوی کر دو۔''

تنگ کر کہتے ہوئے وہ کسی قدر بے لچک اور روڈ لہجے میں بولا۔ ایمان تو اس کے الفاظ کی سفاکی پہ لرز اٹھی تھی۔

''خدا نہ کرے.......! کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ.......؟''

وہ ایک بار پھر بلک اٹھی۔ ولید حسن نے عاجز ہو کر اسے دیکھا۔

''یہ دیکھو، ہاتھ جوڑ دیئے ہیں تمہارے سامنے، اب رونا تو بند کرو۔ کیوں یقین نہیں آ رہا ہے تمہیں کہ میں ٹھیک ہوں.......؟''

بالآخر وہ اس کے آنسوؤں سے ہار گیا تھا۔ ایمان نے آنسوؤں سے جل تھل نگاہوں سے اسے دیکھا، پھر اس کے بازو سے لگ کر اپنی نم آنکھیں اس کی آستین سے رگڑتے ہوئے بولی تھی۔

''اپنا ہمیشہ خیال رکھئے گا، ورنہ میں آپ سے پہلے مر جاؤں گی۔''

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر جناب.......! اب مجھے اجازت ہے، مرہم پٹی کر لوں اپنی.......؟''

ولید نے بے حد فرمانبرداری کا مظاہرہ کیا۔ تب وہ چونکی تھی، پھر اشعر کو میڈیکل باکس اٹھائے مسکراہٹ ضبط کرتے پایا تو گھبراہٹ، تشویش، پریشانی اور اضطراب کی جگہ خفت اور شرمندگی نے لے لی۔ تپے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ صرف اس سے دور ہی نہیں ہٹی تھی، سرعت سے پلٹ کر کمرے سے ہی نکل گئی۔ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی تو تاؤ جی سر پہ ٹوپی لئے اپنے کمرے سے باہر آئے تھے۔

''پتر.......! خیر ہے، میں نماز پڑھ رہا تھا، جب مجھے ایسا لگا جیسے کوئی چیخا ہو.......؟''

''جی کچھ نہیں.......! ولید کو چوٹ لگ گئی ہے ناں، تو میں خون دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔''

تاؤ جی اس کی بات سن کر بری طرح سے چونکے۔

''کیسے چوٹ لگ گئی اسے.......؟''

''یہ سب تو انہوں نے نہیں بتایا، اوپر کمرے میں ہیں، آپ خود پوچھ لیں ان سے۔''

وہ آہستگی سے بولی۔ تاؤ جی عجلت بھرے انداز میں اوپر چلے گئے۔ تب وہ آہستگی سے چلتی کچن میں آ گئی۔ چولہا جلایا اور فریج سے دودھ کی کیتلی نکال کر گرم ہونے کو رکھ دی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں ابھی بھی معمول پہ نہیں آئی تھیں۔ اسے کامل یقین تھا، یہ حرکت صرف موسیٰ کی ہی تھی۔

''اگر انہیں کچھ ہو جاتا.......؟''

اس کا دل ڈوبنے لگا۔

''اپنی کوشش کی ناکامی پر کیا وہ دوبارہ یہ حرکت نہیں کرے گا.......؟''

ایک نئی سوچ نے اس کے دماغ میں جگہ بنائی اور اسے لگا جیسے اس کا سانس الجھنے لگا ہو۔

''کیا کروں اب میں.......؟ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی۔''

اس کا دل چاہا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ وہ اتنی بے دھیان تھی کہ دودھ ابل کر برنر میں گرنے لگا، مگر اسے خبر تک نہ ہو پائی تھی۔

''ایمی جی.......!''

اس نے گھبرا کر دیکھا، اشعر تھا، ہمدردی سے اسے دیکھتا ہوا بولا۔

''کنٹرول یور سیلف.......! بھائی بالکل ٹھیک ہیں۔''

وہ اس کا سر تھپک کر تسلی دے رہا تھا۔ اس نے ہونٹ کا کنارہ دانتوں تلے داب کر ہچکیوں پر قابو پا کر سر کو اثبات میں جنبش دی اور چولہا بند کر دیا۔

''بابا کہہ رہے ہیں، گرم دودھ میں دیسی گھی ڈال کر ولی بھائی کو پلا دیں۔''

''ہاں.......! میں لا رہی ہوں۔''

ایمان نے گلاس میں دودھ نکالتے ہوئے کہا تو اشعر پلٹ کر چلا گیا۔ جس وقت وہ دودھ کے گلاس سمیت اوپر آئی، ولید کمرے میں اکیلا تھا۔ بہت سارے تکیوں کے سہارے نیم دراز کشادہ پیشانی پر سفید پٹی بندھی تھی، شرٹ بھی تبدیل ہو چکی تھی، آسمانی شرٹ کا گریبان کھلا تھا، جس سے سینے پر پڑی کھرونچیں بہت واضح ہو رہی تھیں۔ ایمان نے ہونٹ بھینچ کر زاویہ بدل ڈالا۔

''واش روم میں شرٹ پڑی ہے میری، پہلے اسے دھو دینا، اماں کی نظر میں نہیں آنی چاہئے۔''

اس کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس لیتے ہوئے وہ آہستگی سے بولا تھا۔ ایمان نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

''اور کہاں چوٹ لگی ہے آپ کو......؟''

اس کی ساری تشویش اسی حوالے سے تھی۔

''چوٹ تو بس سر پہ ہی لگی ہے، باقی تو بائیک سے گرنے کے باعث خراشیں ہی آئی تھیں۔''

وہ گھونٹ گھونٹ دودھ پی رہا تھا۔

''کون تھا وہ......؟ حلیہ یاد ہے آپ کو اس کا......؟''

وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ولید نے خالی گلاس اسے تھمایا اور خود سیدھا ہو کر لیٹ گیا۔

''مجھے نیند آ رہی ہے ایمان......! پلیز، جو پوچھنا ہے، صبح پوچھ لینا۔''

ایمان نے دیکھا، اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ ایمان کا دل انجانے خدشات کا شکار ہو گیا۔

''ولید......! ابھی مت سوئیں، مجھ سے باتیں کریں ناں......!''

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے جھنجوڑتے ہوئے بولی۔ ولید نے خفیف سی ناراضگی سمیت اسے دیکھا۔

''ایمان......! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''اسی لئے تو کہہ رہی ہوں ولید......! آپ کو پتا بھی ہے، سر پہ چوٹ لگے تو فوری سونا نہیں چاہئے، خطرناک ہوتا ہے۔''

اس اہم اطلاع پہ ولید کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکان اتری۔

''وہ شدید چوٹ کے لئے ہوتا ہے۔ میری چوٹ معمولی ہے، ڈونٹ وری......!''

''آپ کو کیسے پتا آپ کی چوٹ معمولی سی ہے......؟''

وہ دانستہ بحث پہ اُتری۔ مقصد اسے جگانا تھا، مگر ولید کو اس بحث نے شدید کوفت میں مبتلا کر دیا تھا، جبھی بے دریغ اسے جھڑک ڈالا۔

''شٹ اپ ایمان......! اگر تم خاموش نہیں ہو سکتی ہو تو جاؤ، چلی جاؤ کمرے سے۔''

ایمان نے ہونٹ بھینچ کر جلتی آنکھوں سے اسے کروٹ بدل کر بے خبر ہوتے دیکھا تو اپنے آنسو روکتی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ مگر دل کو چین بھی تو نہیں تھا۔ جلے پیر کی بلی کی طرح پھرتے پھرتے بار بار اسے دیکھنے لگتی۔ اس کی ہموار سانسوں کا زیر و بم اس کی پرسکون اور گہری نیند کا گواہ تھا۔ مگر اسے جانے کون سا خوف لاحق تھا کہ کئی بار اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کی سانسوں کو محسوس کرتے اپنا اطمینان کرتی، مگر چند لمحے بعد پھر وہی بے چینی، پھر سے وہی عمل دہرانے پر مجبور کر دیتی۔

جب چوتھی سے پانچویں بار اس نے یہی حرکت کی، تب ولید نے نیند میں ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا تھا۔ ایمان ایک دم ساکن ہو گئی۔ اس نے جھک کر بغور اسے دیکھا۔ وہ مکمل طور پہ نیند کی آغوش میں تھا، مگر اس بے خبری کے عالم میں بھی اس کے لبوں نے اس کے ہاتھ کو جہاں سے چوما تھا، وہ وہی جگہ تھی جہاں سے اس کا ہاتھ جل چکا تھا۔

اس کے متفکر، بے چین چہرے پر ایک دم ہی ایک الوہی مسکان اتر آئی۔ ہاتھ کو اس کی گرفت سے نکالے بغیر وہ آہستگی سے اس کے ساتھ لگ کر لیٹ گئی تو چند لمحوں کے بعد خود بھی غافل ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''سفر آسان لگتا ہے
دل برباد تجھ کو یہ
سفر آسان لگتا ہے
ادھر تو سوچتا تھا اور ادھر
آنکھوں سے کوئی خواب چہرہ آن لگتا تھا
دل برباد ہم نے تو کہا تھا
یہ سفر آسان لگتا ہے مگر
آنکھیں بدن سے چھین لیتا ہے''

اگلی صبح وہ جلدی بیدار ہو گئی تھی۔ چونکہ آپا کو رات ہی اشعر نے ولید کے ایکسیڈنٹ کے متعلق بتا دیا تھا، جبھی وہ سورج نکلنے سے بھی پہلے آن موجود ہوئی تھیں۔ ولید کی خیر خیریت دریافت کی، مطمئن ہوئیں اور کچن میں آ گئیں۔

''آپا......! میں ناشتہ بنا لوں گی۔''

ایمان کو انہیں مصروف دیکھ کر انجانی سی خفت ہوئی۔

''ارے......! کچھ نہیں ہوتا چندا......! تم سب کو ناشتہ دو، بس......!''

ان کے لہجے میں مخصوص قسم کی نرمی و محبت تھی۔ ان کے ناشتہ بناتے بناتے ایمان نے تاؤ جی کے ساتھ ساتھ اشعر اور داؤد کو بھی ناشتہ پہنچا دیا۔ ان کے کمروں میں اس دوران وہ دو بار ولید کو بھی دیکھنے آئی تھی، جو ہنوز سو رہا تھا، مگر جب تیسری بار وہ اندر آئی، تب وہ نہ صرف اٹھ چکا تھا، بلکہ منہ ہاتھ دھو کر واش روم سے نکلا تھا۔

''اٹھ گئے آپ......! ناشتہ لے آؤں......؟''

''تم نے جگایا کیوں نہیں مجھے......؟''

ناشتے کے لئے سر کو اثبات میں جنبش دے کر اس نے بال ہاتھوں سے سہلاتے ہوئے کہا تھا۔

''میں نے سوچا آپ کی نیند پوری ہو جائے''

وہ مسکرا کر کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔ ناشتے کی ٹرے لے کر آئی تو ولید کرتے اور وائٹ لائننگ کی شرٹ اور بابو جینز میں تیار ہو چکا تھا۔

''کہیں جا رہے ہیں آپ......؟''

ایمان نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''کیوں......؟ چھٹی کر کے بیٹھ جاؤں کیا......؟''

وہ جوتے اپنے سامنے رکھ کر موزے پہنتے ہوئے بولا۔

''جی بالکل......! آرام کریں گھر پہ، بس......!''

ایمان نے ٹرے میز پہ رکھتے ہوئے دوٹوک انداز اختیار کیا، مگر ولید نے اس کی بات پہ توجہ نہیں دی تھی۔ اس نے جوتے پہنے اور اُٹھ کر ہاتھ دھونے چلا گیا۔

''میں ایک گھنٹے بعد واپس آؤں گا۔ تم تیار رہنا، ہاسپٹل لے جاؤں گا تمہیں۔ وہاں سب تمہارا پوچھ رہے تھے۔''

وہ بہت عجلت میں ناشتہ کر رہا تھا۔

''آپ کہیں جائیں گے، تب واپس بھی آئیں گے ناں......!''

ایمان کی سنجیدگی بھرے انداز پہ ولید نے ہاتھ روک کر اسے گھور کر دیکھا۔

''کیا فضول بات کر رہی ہو بار بار......؟ کہہ رہا ہوں ناں، معمولی چوٹ ہے۔''

''جو بھی ہو، میں بھی آپ سے کہہ چکی ہوں، آپ نہیں جائیں گے تو بس نہیں جانے دوں گی۔''

اس کے لہجے میں ہٹ دھرمی تھی، اس ہٹ دھرمی نے ولید کو چراغ پا کیا تھا۔

''اس طرح روک سکتی ہو مجھے......؟''

اس کا لہجہ تنا ہوا سا تھا۔ ایمان نے مسکرا کر کاندھے اُچکائے۔

''روک چکی ہوں۔ دروازہ لاکڈ ہے اور چابی میرے پاس۔''

اس کے چہرے پہ ہی نہیں، آنکھوں میں بھی فاتحانہ چمک تھی۔ ولید کے چہرے پر جھنجلاہٹ بکھر گئی۔ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھا اور دروازے کے پاس جا کر ناب گھما کر دروازہ کھولنا چاہا تو ایمان کی بات کی تصدیق ہو گئی۔ اس نے طیش کے عالم میں ایک ٹھوکر بند دروازے کو رسید کی تھی، پھر جارحانہ تیوروں کے ساتھ اس کی جانب لپکا تو آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

''چابی دو گی مجھے......؟''

ایمان اس کے سرد تاثرات سے خائف ہوئی تھی جبھی اکڑ چھوڑ کر فوراً مفاہمت پر اُتر آئی۔

''ولید......! پلیز میری بات مان لیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے، جس نے کل آپ کو نشانہ بنایا، وہ آج پھر وہی حرکت کر سکتا ہے۔ پلیز......!''

وہ اتنی ملتجی ہو کر کہہ رہی تھی کہ ولید کو اپنا طیش دبانے کو ہونٹ بھینچنا پڑے۔

''اتنا کمزور عقیدہ کیوں ہے تمہارا ایمان......؟ حد ہو گئی......! تم کیا سمجھتی ہو، اپنے گھٹنے سے لگا کر مجھے محفوظ کر لو گی......؟''

وہ بے حد مشتعل ہو کر کہہ رہا تھا۔ ایمان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے، جب ولید نے آگے بڑھ کر ایک ہی کوشش میں اس کی بند مٹھی سے چابی نکالی تھی اور دروازہ کھول کر باہر چلا گیا تھا۔ وہ آنسو پیتی مضطرب سی اس کے پیچھے آئی تھی۔

''ذرا ٹھہرو ولید......! یہ فضہ کا بیگ لیتے جانا۔''

آپا نے اسے آندھی طوفان کی طرح سیڑھیاں اُتر کر ڈیوڑھی کی سمت جاتے دیکھا تو زور سے آواز دی۔ وہ رُکا اور کسی قدر جھنجلاہٹ میں مبتلا ہو گیا۔

''اُفوہ آپا......! ابھی رہنے دیں۔ میں ابھی ہاسپٹل نہیں جا رہا ہوں، آفس جا رہا ہوں۔ محترمہ کی حماقتوں کی وجہ سے آل ریڈی لیٹ ہو گیا ہوں۔''

''کیا ہوا......؟ ایمان سے پھر تمہاری لڑائی ہو گئی ہے کیا......؟''

آپا جو کچن کے دروازے تک آئی تھیں، آخری سیڑھی پہ کھڑی ایمان کا سرخ چہرہ اور نم آنکھیں دیکھ کر مشکوک ہوئیں۔

''ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تعویذ بنا کر مجھے گلے میں لٹکائے پھرنے کا ارادہ کیے بیٹھی ہیں۔ سمجھائیں انہیں، میں انسان ہوں۔''

وہ بے حد نالاں ہو کر کہتا ہوا بائیک اسٹارٹ کر کے دروازے سے نکل گیا۔ آپا نے پہلے دروازہ بند کیا تھا، پھر واپس آ کر سر جھکائے کھڑی، ہونٹ کچلتی ایمان کو بڑھ کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

''مجھے بتاؤ میری جان......! کیا ہوا ہے......؟ دیکھنا، اگر اس کا قصور ہوا تو واپسی پہ کیسے اس کے کان کھینچتی ہوں۔''

ایمان کی آنکھیں پھر سے چھلکنے کو بے تاب ہو گئیں۔ بہت آہستگی سے اس نے اپنا خدشہ ان کے سامنے رکھ دیا تھا، جسے سن کر وہ بے ساختہ مسکرائی تھیں، پھر اسے لپٹا کر پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

''وہ صحیح کہتا ہے، بے جا ضد ہے تمہاری......! مرد گھر میں سنبھال کر رکھنے کی چیز نہیں ہے ایمی......! انہیں رزق کی تلاش میں گھروں سے نکلنا ہی پڑتا ہے۔ حفاظت تو اللہ کی ہوتی ہے۔ اللہ کی امان میں دے دو اسے۔''

وہ یوں ہی اسے تھامے ہوئے اپنے ساتھ کچن میں لے آئیں۔

''بیٹھو یہاں، میں تمہارے لیے ناشتہ لے کر آتی ہوں۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔''

اس نے جھٹ سے کہا تو اب کی بار آپا نے اسے گھورا تھا۔

''خبردار......! آئندہ یہ نہ سنوں میں، اپنی خوراک کا خیال رکھو، دن بدن کمزور ہو رہی ہو۔''

ان کی ڈانٹ میں بھی پیار کا گہرا رنگ تھا۔ وہ خاموشی سے سر جھکا گئی۔

☆☆☆

"لاکھ ضبط خواہش کے بے شمار دعوے ہوں
اس کو بھول جانے کے بے پناہ ارادے ہوں
اور اس محبت کو ترک کر کے جینے کا
فیصلہ سنانے کو کتنے لفظ سوچے ہوں
دل کو اس کی آہٹ پر برملا دھڑکنے سے
کون روک سکتا ہے
پھر وفا کے صحرا میں اس کے نرم لہجے اور سوگوار آنکھوں کی
خوشبوؤں کو چھونے کی جستجو میں رہنے سے
روح تک پگھلنے سے
ننگے پاؤں چلنے سے
کون روک سکتا ہے
آنسوؤں کی بارش میں
چاہے دل کے ہاتھوں میں
ہجر کے مسافر کے پاؤں تک بھی چھو آؤ
جس کو لوٹ جانا ہے
اس کو دور جانے سے
راستہ بدلنے سے
دور جا نکلنے سے
کون روک سکتا ہے"

وہ شام کو ولید کے ساتھ ہاسپٹل گئی تو ماما کو وہ تھکی تھکی مضمحل لگی تھی۔

"بھئی......! بہت مبارک ہو فضہ......!"

وہ جھک کر گول مٹول سی گلابی بچی کو پیار کر رہی تھی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے......؟ نڈھال کیوں ہو رہی ہو......؟"

ماما کے بعد فضہ نے بھی جب نوٹ کیا تو پوچھ ڈالا، جواباً وہ بے دلی سے مسکرا دی۔

"مجھے کیا ہونا ہے......؟ فٹ فاٹ ہوں۔"

"فٹ فاٹ نہیں ہے یہ، راستے میں ہی نہیں، یہاں اسپتال میں گھستے ہی وومٹنگ ہو رہی تھی اسے۔ پوچھیں اس سے، کیا کھایا ہے اس نے......؟"

ولید کے انداز میں شرارت تھی، جبکہ اس کی بات پہ فضہ کے ساتھ ساتھ تائی ماں اور ماما نے بھی چونک کر اسے دیکھا تھا۔ پھر آپس میں نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔

"کب سے ہے یہ کیفیت......؟"

تائی ماں لپک جھپک اُٹھ کر اس کے نزدیک آئیں۔ چہرہ ایک دم ہی کسی انجانے جوش سے تمتما اُٹھا تھا۔

"میں تو کل سے وقفے وقفے سے ایسا ہوتا دیکھ رہا ہوں۔ اصل بات تو یہ ہی بتائیں گی۔"

جواب اس کی بجائے ولید کی جانب سے آیا تھا، انداز سرسری سا تھا۔

"ایویں کر رہے ہیں تائی ماں......! میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

وہ صاف کنی کترا گئی۔ اس کے اضمحلال کی وجہ موئی کا خوف تھا جو بہرحال وہ کسی پر آشکار نہیں کر سکتی تھی۔ کل کے ولید کے ساتھ پیش آنے والے حادثے نے اس کا اضطراب بے حد بڑھا دیا تھا۔

"ہاں تو پتر......! اللہ تجھے ٹھیک ہی رکھے، تو مجھے بتا تو سہی......!"

تائی ماں کی بے چینی معنی خیز تھی۔ ماما کی نظریں بھی اسی پر جمی تھیں۔ ایمان نے اچنبھے میں گھور کر انہیں دیکھا۔

"ایسی کون سی بات ہو گئی ہے......؟ وومٹنگ وغیرہ تو......؟"

"افوہ ماما......! اس بدھو کا سیدھا سیدھا چیک اَپ کرائیں لے جا کر۔"

فضہ کی صلاح پہ ماما اور تائی اسے زبردستی ساتھ لے گئیں اور جب ان کی واپسی ہوئی تو ان کی خوشی اور جوش قابلِ دید تھا۔

"لو بتاؤ بھلا......! اتنی بڑی خوشی کی خبر اور جھلی کو پتا ہی نہیں۔ اللہ سائیں نے میری سن لی۔"

انہوں نے لمحوں میں سب کو ایمان کی پریگنینسی کی خبر سنا دی۔ اشعر کو مٹھائی لینے دوڑایا اور خود جھک کر بچی کو پیار کرتے ہوئے بولی تھیں۔

"بھاگوان ہے میری پوتی، اس کے آتے ہی خوشی کی خبریں ملنے لگیں۔"

ولید نے ماما کے ساتھ لگ کر کھڑی شرمائی، لجائی، جھینپی جھینپی سی ایمان کو دیکھا جس کے چہرے پر قوس و قزح کے رنگ اُترے ہوئے تھے۔

"ایک یہ ہمارا پتر ہے، ڈاکٹر ہو کے بھی پتا نہیں چلا کہ بیوی کا پیر بھاری ہے۔"

تائی ماں نے ولید کو مصنوعی خفگی سے گھورا۔ وہ اس عزت افزائی پہ محض انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

"ڈاکٹرنی نے بہت احتیاطیں بتائی ہیں۔ کمزور بہت ہے میری دھی رانی......! اب تجھے بہت خیال رکھنا ہے اس کا، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا، ہاں......!"

تائی ماں کی دھمکی پر ولید کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"تابعدار ہیں جناب......! فکر کیوں کرتی ہیں......؟"

اور جب وہ اس کے ساتھ واپس آ رہی تھی، تب بھی تائی ماں نے ڈھیروں نصیحتیں اور ہدایتیں ساتھ کر دی تھیں۔

"اب اس کے پیچھے مت پڑے رہنا کام کرنے کے لیے، ایک ادھ دن میں، میں خود آ کے سنبھالوں گی اپنی دھی کو۔"

انہوں نے ولید کو جتایا تھا۔ اس نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر جھک کر گویا ایک بار پھر اپنی سعادت مندی کا

یقین دلایا اور جب وہ اس کے ہمراہ ہاسپٹل کی طویل سیڑھیاں اتر رہی تھی، ولید کا بس نہ چلتا تھا، اسے گود میں اُٹھا لے۔ وہ اس کی ایسے ہی کیئر کر رہا تھا جیسے کوئی نازک آبگینے کی۔

''تشریف رکھئے......!''

گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر اس نے کسی قدر شوخی سے کہا تو ایمان نے لرزیدہ پلکیں اٹھا کر بغور اس کے فریش چہرے کو دیکھا تھا۔

''خوش ہیں ناں آپ......؟''

''نہ خوش ہونے کی وجہ بھی تو نہیں ہے۔ ویسے اگر ابھی تو کیا، کبھی بھی یہ خوش خبری نہ ملتی، تب بھی میں دوسری شادی نہ کرتا۔''

ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر گاڑی اسٹارٹ کرتا ہوا وہ پتا نہیں اسے چھیڑ رہا تھا کہ یقین کا مزا چکھا رہا تھا۔

''مرد کی کسی بات پہ کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔''

ایمان نے جواباً سنجیدگی سے کہا تو ولید کے چہرے کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔

''اعتبار تو مجھے بھی تمہاری کسی بات کا نہیں کرنا چاہئے، مگر کر رہا ہوں۔''

اس کے لہجے میں کڑواہٹ بھری تھی۔ ایمان کو جیسے سانپ نے سونگھ لیا۔ وہ ایک دم گم سم ہوئی تھی۔ سوچوں کے اس بھنور سے وہ تب اُبھری تھی جب گاڑی ایک جھٹکے سے رُکی۔

ایمان نے نگاہ اُٹھائی، سامنے ایک مشہور شاپنگ آرکیڈ تھا۔ ولید اسے اُترنے کا اشارہ کرتا ہوا اپنی سمت کا دروازہ کھولنے لگا۔ ایمان نے تقلید کی تھی، مگر دانستہ کسی قسم کا استفسار نہیں کیا۔ اس کے ہمراہ سیڑھیاں چڑھ کر وہ روشنیوں سے جگمگاتی شاپ میں آئی تو ہر سمت برائٹ کلرز کی گویا بہار آئی ہوئی تھی۔ ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی اور اسٹائلش لباس، ولید خاموشی سے گھوم پھر کر کپڑے دیکھتا رہا۔

''سر......! آپ کو کس قسم کا ڈریس چاہئے......؟ پارٹی، یا پھر برائیڈل......؟''

سیلز گرل گویا اس کی ہیلپ کو آگے بڑھی تھی۔

''پارٹی......!''

ولید نے اس کی بات کا جواب دیتے خود ہاتھ بڑھا کر ایک ہینگر نکال لیا۔ سی گرین اور ڈل اورنج کلر کا سوٹ جس کی اورنج شرٹ پہ سی گرین بارڈر تھا، اور اس پر بہت جھلملاتا ہوا سا کام بنا ہوا تھا۔

''فنٹاسٹک......آپ ان کے لئے لے رہے ہیں ناں......! بہت سوٹ کرے گا ان کو۔''

سیلز گرل مسکراتے ہوئے بولی تھی۔ ولید نے ایمان کو دیکھا جو سپاٹ چہرہ لئے خاموش نظر آ رہی تھی۔ اس نے کچھ کہے بغیر سوٹ سیلز گرل کی سمت پیک کرنے کو بڑھا دیا۔

''پہلے تمہاری وجہ سے میں اپنی شادی پہ جو میری زندگی کا بہت اہم موقع تھا، خوش نہیں ہو پایا تھا۔ میں نہیں چاہتا تم میری زندگی کے دوسرے اہم موقع پر کوئی رخنہ ڈالو۔''

ماتھے پہ تیوریاں لئے وہ سلگتے ہوئے لہجے میں کاٹ سمو کر بڑبڑاہٹ سے بولا تو ایمان نے کسی قدر شاکی ہو کر اسے دیکھا۔

''آپ کی خوشی میری خوشی نہیں ولید......؟''

''مجھے اتنا کچھ نہیں پتا، میں تمہارے دل میں گھس کر نہیں بیٹھا ہوا۔ میں بس اتنا جانتا ہوں کہ تم فی الوقت اپنا موڈ درست کرو......!''

اسی نخوت سے وہ تنک کر کہہ رہا تھا۔ ایمان نے ہونٹ بھینچ لئے۔ ولید نے کریڈٹ کارڈ سے ادائیگی کی تھی، پھر اسے لئے باہر آ گیا۔ اس کے بعد وہ اس کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ میں آیا تھا اور کولڈ ڈرنک کے ساتھ باربی کیو آرڈر کیا۔

''میری زندگی میں میری اپنی ذات کی بہت اہمیت ہے۔ چونکہ یہ خوشی میری ہے، جبھی میں تم سے کوئی تمہاری پسند کی بابت نہیں پوچھوں گا، بھلے تم مائنڈ کرو۔''

اس نے جو توجیح دی تھی، وہ ایمان کے لئے تکلیف دہ اور توہین آمیز تھی۔ مگر وہ ضبط کئے بیٹھی رہی تھی۔

''کھاؤ ناں......! ڈاکٹر نے سنا ہے ناں کیا کہا ہے......؟ تمہیں بہترین ڈائٹ کی ضرورت ہے۔''

وہ خود رغبت سے کھاتے ہوئے اسے ٹوک کر بولا تو ایمان کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

''مجھے صرف ڈائٹ کی ہی نہیں ولید......! آپ کی توجہ اور محبت کی بھی ضرورت ہے۔ اگر آپ سمجھیں تو......؟''

وہ پھٹ پڑی تھی۔ آنکھیں بھیگ بھیگ گئی تھیں۔

''دے تو رہا ہوں توجہ......! اور محبت کی بات مت کرنا میرے ساتھ، یاد ہے ناں، کیا کیا ہے تم نے میرے ساتھ......؟''

اس کے لہجے میں بیک وقت بلا کا طنز اور زہریلا پن تھا۔ اس کے جارحانہ تیوروں کی تاب نہ لاتے ہوئے ایمان نے سرعت سے نگاہ جھکا لی، پھر کچھ توقف سے روہانسی ہو کر بولی تھی۔

''آپ بھول کیوں نہیں جاتے ہیں اس بات کو......؟ معاف کر دیں مجھے......!''

''نہیں کر سکتا۔ کوئی اپنی توہین بھلا سکتا ہے بھلا......؟ کھیلی ہو تم میرے خالص کھرے جذبوں سے۔ اگر میں نے کمینے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمہیں نہ چھین لیا ہوتا تم سے تو آج تم پتا نہیں کہاں ہوتیں......؟ تم بتا سکتی ہو تم نے میرے اوپر کس چیز کو ترجیح دی تھی......؟''

اس کے دبنگ لہجے میں کرب کے شعلے تھے، شکست تھی، بے اعتنائی کا دُکھ تھا۔ ایمان کو پہلی بار اس کی کیفیت سمجھ آئی۔ اسے پہلی بار اس کا دُکھ محسوس ہوا تو کچھ کہے بغیر سر جھکا لیا۔ وہ جلتی آنکھوں سے کتنی دیر اسے تکتا گویا جواب کا منتظر رہا تھا، پھر چھری اور کانٹا دونوں پلیٹ میں پٹخ دیئے تھے اور اشارے سے ویٹر کو بلایا۔

''آج یہ بات بھی کنفرم ہو گئی کہ تمہیں میری خوشی سے نفرت ہے۔''

ویٹر بل لایا تو والٹ سے نوٹ نکال کر پلیٹ میں رکھتے ہوئے وہ بھنچی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ایمان اُٹھ کر اس کے ساتھ چلی تو چال میں بے حد تھکن اور پژمردگی تھی۔

☆☆☆

"تتلیوں کی بے چینی آ بسی ہے پاؤں میں
ایک پل کو چھاؤں میں اور پھر ہواؤں میں
صرف اس تکبر میں اس نے مجھ کو جیتا تھا
ذکر نہ ہو اس کا بھی کل کو نارساؤں میں"

پچھلے دو دن سے ولید نے اس سے بول چال بند کر رکھی تھی۔ وہ منا منا ہار گئی تھی، مگر اس کا موڈ خوش گوار نہیں ہوا تو بے بسی کے شدید احساس سمیت رونے بیٹھ گئی۔ صرف یہی نہیں، کھانا بھی احتجاجاً چھوڑ دیا، جب وہ تلملاتا ہوا اس کے پاس آیا تھا۔

"کھانا کیوں نہیں کھا رہی ہو تم......؟"

اس کا انداز بے حد کڑا تھا۔ ایمان نے ایک نگاہ اس کے بے زار کن انداز پہ ڈالی، پھر اسے زچ کرنے کو کاندھے اُچکا دیئے۔

"میری مرضی......!"

"تمہاری مرضی کی ایسی کی تیسی......!"

وہ بھڑک کر بولا تو ایمان نے ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھا تھا۔

"جب تک آپ خفا رہیں گے، میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔"

"اتنی پرواہ تو نہیں ہے تمہیں میری خفگی کی......؟"

وہ پھنکار کر بولا تو ایمان نے دونوں ہاتھوں میں اس کی کلائی جکڑ لی۔

"آپ کو یقین کیوں نہیں آ جاتا کہ میں......"

"تم کیوں آخر یہ چاہتی ہو کہ میں تمہارے دام فریب سے نہ نکلوں......؟"

"ولید......!"

اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا۔ ولید نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا، پھر کھانے کی ٹرے درمیان میں رکھی اور خود نوالہ بنا کر اس کے منہ کے نزدیک لایا۔ اب ایمان میں تاب نہیں تھی کہ اس کا ہاتھ جھٹک دیتی۔

"میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں ولید......! ٹرسٹ می......!"

وہ لجاجت سے بولی۔ ولید نے با دل ناخواستہ سر اثبات میں ہلا دیا۔

"مجھے پتا ہے، آپ میری بات کا یقین نہیں کر رہے ہیں۔"

اس کا دل رونے کو چاہنے لگا۔

"کبھی کبھار میرا بھی جی چاہتا ہے ایمان......! کہ تمہارا یقین کر لوں، مگر خود کو دھوکہ تو احمق دیتے ہیں ناں......؟ تم نے کبھی بلور کے اس گلاس کو سلامت بچتے دیکھا ہے جسے بے دردی سے دیوار پہ مار دیا گیا ہو......؟ نہیں ناں......! میں نے خود کو اسی طرح ٹوٹتے پایا تھا، تب میرے دل کی حالت تو اس سے بھی زیادہ تباہ کن تھی۔ تم کیوں چاہتی ہو کہ میں ایک ہی جگہ سے دوسری مرتبہ دھوکہ کھانے کا سامان کروں......؟ مجھ میں تاب نہیں ہے۔"

ایمان شاکڈ سی اسے دیکھتی رہ گئی۔ جبکہ وہ اُٹھ کر وہاں سے جا چکا تھا۔ ایمان کو قطعی سمجھ نہیں آ سکی تھی۔ اپنے اتنے بڑے نقصان پر کیا ردعمل ظاہر کرے......؟ روئے......؟ بین کرے......؟ یا پھر کچھ کھا کر سو رہے......؟

☆☆☆

تھکا گیا ہے مسلسل سفر اُداسی کا
اور ابھی بھی ہے میرے شانے پہ سر اُداسی کا
وہ کون کیمیا گر تھا جو بکھیر گیا
تیرے گلاب سے چہرے پہ زر اُداسی کا
میرے وجود کے خلوت کدے میں کوئی نہ تھا
جو رکھ گیا ہے دیا طاق پر اُداسی کا
میں تجھ سے کیسے کہوں یار مہرباں میرے
کہ تو علاج نہیں میری ہر اُداسی کا
یہ جو آگ کا دریا میرے وجود میں ہے
یہی تو پہلے پہل تھا شرر اُداسی کا
نہ جانے آج کہاں کھو گیا ستارۂ شام
وہ میرا دوست میرا ہم سفر اُداسی کا"

ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کے اندر سے جیسے جینے کی تمنا فنا ہوتی جا رہی تھی۔ تائی ماں، فضہ، اشعر، ثاقب بھائی، تاؤ جی کے علاوہ ولید بھی اس کا خیال رکھتا تھا، مگر وہ گیلی لکڑی کی طرح سے سلگ سلگ کر ختم ہو رہی تھی۔ فضہ، فاطمہ کے ساتھ پورا گھر بھی سنبھالتی تھی۔

ڈاکٹرز نے ایمان کو بہت پرہیز بتایا تھا۔ وہ مکمل بیڈ ریسٹ پہ تھی اور تائی ماں تو اسے بستر سے پیر بھی باہر نہیں نکالنے دے رہی تھیں۔ دن ایسے ہی سست روی سے گزر رہے تھے، جب بہت خاموشی سے، غیر محسوس انداز میں ایک اور طوفان چلا آیا اور گویا تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔

وہ ایک عام سا دن تھا۔ ولید کو اسے لے کر اسی دن شہر چیک اپ کے لئے بھی جانا تھا۔ وہ موسیٰ درانی کو بھول بھال بیٹھی تھی، جب اس کے ایک میسج نے پھر اس کی زندگی میں ہلچل مچا دی۔ فضہ کے اصرار پر وہ فاطمہ سے کھیلتے ہوئے جوس کے سپ لے رہی تھی، جب اس کے سیل فون پہ میسج ٹون بجی، اس نے سرسری سے انداز میں میسج کھولا تھا۔

"اس دن تو بچ گئے تھے ناں آپ کے شوہر محترم، مگر مزید نہیں بچ سکتے۔ پلاننگ تو اس روز بھی مکمل تھی، مگر یقیناً ان کی کچھ سانسیں باقی تھیں۔ بس یہی سمجھ میں آتا ہے مجھے تو۔ اینی وے......! میں آؤٹ آف کنٹری تھا، جبھی آپ کو مہلت بھی مل گئی۔ مگر اب میری طرف سے اپنے شوہر نامدار کی لاش کا تحفہ قبول کرنے کے لئے تیار رہئے گا۔"

موسیٰ کا درانی......!"

مسیج پورا پڑھنے تک ایمان کی آنکھوں میں اندھیرے چھانے لگے تھے۔ فاطمہ کے ساتھ ساتھ موبائل پہ بھی اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اسے اپنا پورا وجود برف کی سِل میں ڈھلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ خوف و دہشت کا ایسا غلبہ ہوا تھا اس پر کہ وہ اس نمبر پر کال کر کے اسے کچھ کہنے کی پوزیشن میں بھی نہیں رہی۔ بے بسی کے مظہر آنسو گالوں پر بہت سرعت سے اُتر آئے تھے۔

کچھ دیر بعد اس نے ہمت کر کے سیل فون اُٹھایا اور اس کا نمبر ڈائل کر کے اس سے بات کرنا چاہی تھی، مگر اسی وقت اس کے موبائل کی اسکرین روشن ہونے لگی۔ وہ اتنی غائب دماغ تھی کہ نہ تو ولید کا نام دیکھ پائی، نہ اس بات پہ دھیان دیا کہ یہ رنگ ٹون اس نے ولید کے نمبر پہ سیٹ کر رکھی ہے۔ اس وقت اس کے ذہن میں صرف موسیٰ کا دوانی کا خوف، اس کی دھمکی کی دہشت کا غلبہ تھا، جبھی کال ریسیو کرتے ہی بے ساختہ گڑگڑاتے ہوئے بولی تھی۔

''میری بات سنو موسیٰ......! میری بات سنو پلیز......! دیکھو......! تم جو کہو گے، میں کرنے کو تیار ہوں۔ چاہے وہ ولید سے طلاق کا مطالبہ ہو یا کچھ بھی، مگر خدا کا واسطہ ہے، تم ایسا مت کرنا، تم میری بات سن رہے ہو ناں موسیٰ......؟''

دوسری جانب کی گمبھیر چپ کو محسوس کر کے وہ وحشت بھرے انداز میں چلائی تھی۔

''اگر موسیٰ ہوتا تو ضرور مان جاتا۔''

ولید حسن کی سرد پھنکار زدہ آواز پہ وہ ایک دم ٹھٹکی۔ سیل فون کان سے ہٹا کر اسکرین کو دیکھا اور جیسے فضا میں معلق ہو گئی۔ اسے ایک دم اپنا پورا وجود کسی طاقتور بارود سے اُڑتا ہوا محسوس ہوا۔

''کون ہے یہ موسیٰ......؟''

ولید حسن کے لہجے کی غراہٹ نے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر ڈالے تھے۔ سیل فون اس کے لرزتے ہاتھ سے چھوٹ کر بستر پر جا گرا تھا۔ اسے لگا تھا، اس کا دل اندر ہی اندر گہرے پاتالوں میں گرتا جا رہا ہو۔

☆☆☆

''کون ہے موسیٰ......؟''

ولید حسن نے اس کے روبرو بھی اپنا سوال دُہرایا تھا اور اس کے چہرے پہ موجود غیض کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے تکتی ایمان کے چہرے پر سرسوں کا رنگ پھیلتا چلا گیا۔

''وہی ہے ناں......! جس کی وجہ سے تم اس سے پہلے بھی میری محبت کا مضحکہ اُڑا چکی ہو......؟''

وہ اگلا سوال کر رہا تھا جو پہلے سے بھی زیادہ سنگین تھا۔ ایمان کے وجود پہ لرزہ چھانے لگا۔

''تم جیسی بدکردار عورتیں ہی اپنے مردوں کے ہاتھوں قتل ہوتی ہیں۔ خدا کی قسم......! آج اگر تم میری نسل کی امین نہ بن چکی ہوتیں تو میں ابھی تمہیں شوٹ کر دیتا۔ مگر یاد رکھنا......! میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ تم میری مجرم تھیں، مگر اب...... اب تو تم نے مار ڈالا ہے مجھے۔''

ایمان کی پتھرائی ہوئی آنکھوں نے ولید حسن کی خون رنگ آنکھوں میں مچلتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھا تھا اور خود کو دو دھاری تلوار سے کٹتا ہوا محسوس کیا۔ وہ جیسے خاموشی سے آیا تھا، اتنی ہی خاموشی سے پھر چلا گیا۔

سارا دن گزرا، شام ڈھلی، پھر رات چھا گئی، مگر وہ لوٹ کر نہیں آیا۔ پھر ایک دن نہیں، جانے کتنے دن بیت گئے۔ ایمان کی حالت مردوں سے بھی بدتر ہو چکی تھی۔ وہ یا تو سکتے کی کیفیت میں رہتی ورنہ ہیجانی کیفیت میں خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرنے لگتی۔ فضہ ہر دم کسی سائے کی طرح سے اس کے ساتھ رہتی تھی۔

''عاقب نے ولی بھائی کا پتہ لگا لیا ہے۔ وہ آج کل اسلام آباد میں ہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ بہت جلد وہ تمہارے ساتھ ہوں گے۔''

فضہ اسے تسلیاں دیتی، وہ اس کی تمام وحشت کو ولید کی خفگی سے منسوب کر رہی تھی۔ صرف وہی کیا، سبھی گھر والے، وہ خفگی جس کی وجہ کا کسی کو بھی علم نہیں تھا۔ ایک بار پھر ولید نے اس پہ احسان کیا تھا۔ اس کا پردہ رکھ لیا تھا، اور بھی کسی نے اس سے وجہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ہر کوئی ولید کو ہی موردِ الزام ٹھہرا رہا تھا۔

پھر وہ پورے ایک ماہ کے بعد گھر واپس آیا بھی تھا تو جانے کی غرض سے۔ اس کا انگلینڈ کا ٹکٹ کنفرم تھا اور اسی روز رات کی فلائٹ تھی۔ ایمان نے سنا تو رہی سہی ہمتیں بھی جواب دے گئیں۔

اور جس پل وہ اس کے سامنے آیا، اسے دیکھ کر ایمان کو اپنی قوتِ گویائی چھنتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ آنکھوں کی لالی گویا دائمی ہونے جا رہی تھی۔ زرد، کمزور چہرہ، اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں، بکھرے ہوئے بے ترتیب بال۔

وہ شاندار، وجیہہ، خوش لباس ولید حسن جانے کہاں کھو گیا تھا......؟

''ولید......! مجھے معاف کر دیں......! میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی ولید......! مجھے......''

اس کی بات اُدھوری رہ گئی تھی۔ ولید کے ہاتھ کے بھرپور طمانچے نے ایمان کی ناک سے خون چھلکا دیا تھا۔

''ایک لفظ بھی منہ سے مت نکالنا فاحشہ عورت......! نفرت ہے مجھے تم سے، شدید نفرت......! اگر میرا بس چلتا تو میں تمہیں ابھی اسی وقت طلاق دے دیتا، مگر میری مجبوری ہے کہ مجھے کچھ ماہ تمہارے ناپاک وجود کو اپنے نام کی پناہ دینا ہے۔''

اس کی خاموشی ٹوٹی تھی تو ایمان پر غضب ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ اپنی مطلوبہ چیزیں اُٹھا کر انہی قدموں سے پلٹ گیا۔ وہ تڑپ کر اس کے پیچھے بھاگی آئی تھی۔ صحن میں سب لوگ جمع تھے، مگر وہ کسی کی بھی بات سنے بغیر نکلنا چاہتا تھا کہ تاؤ جی کی سرد آواز پہ رُک گیا۔

''کہاں جا رہے ہو......؟''

''آپ کو بتا چکا ہوں۔''

وہ پلٹے بغیر نخوت سے بولا تھا۔

''ایمان کی زندگی کا فیصلہ کر کے جاؤ۔ ہم بچی کو تمہاری اس بے اعتنائی کا شکار نہیں کر سکتے۔''

''بچے کی پیدائش پہ مجھے انفارم کر دیجئے گا، میں اسے طلاق بھیج دوں گا۔''

ایمان کا ہی نہیں، تائی ماں اور فضہ کا بھی کلیجہ منہ کو آ گیا۔ جبکہ تاؤ جی کا اشتعال دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

"تمہیں شرم نہیں آئی ولید.....! ایک بے گناہ بچی پر ظلم کر۔ تے....."

"یہ تو رب جانتا ہے بابا.....! کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون.....؟ میں آپ کی آنکھوں کے آگے تنے پردے کھینچ کر کسی کو بے حجاب کر دوں، مگر مجھے ایسا کرتے خوف خدا کا پاس ہے۔ مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔"

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تو تائی ماں جو تب سے دیوار کا سہارا لئے کھڑی تھیں، پورے قد سمیت گرتی چلی گئیں۔ سب کو ان کی فکر پڑ گئی، جبکہ ایمان کا سفید ہوتا چہرہ کسی نے نہیں دیکھا تھا، جس سے خون کا گویا آخری قطرہ بھی کسی نے نچوڑ لیا تھا۔

☆☆☆

"بھلانے سے جو بھولے نہ وہ کہانی چھوڑ جاؤں گا
زمانے میں تیری آنکھوں میں پانی چھوڑ جاؤں گا
لپٹ کر دیر تک در و دیوار سے لوگ روئیں گے
میں ایسی سوگ میں بھیگی جوانی چھوڑ جاؤں گا
مٹاؤ گے کہاں تک تم میری یادیں میری باتیں
میں ہر اک موڑ پہ اپنی نشانی چھوڑ جاؤں گا
میرے یہ لفظ مر کے بھی مجھے مرنے نہیں دیں گے
میں چپ ہو کے بھی لہجے کی روانی چھوڑ جاؤں گا
کچھ اس طرح سے نکلوں گا تیری دُنیا کو ٹھکرا کر
میں دُشمن کے بھی چہرے پہ حیرانی چھوڑ جاؤں گا"

اس کے دل کا بوجھ مزید بڑھ گیا تھا، جس کا واحد حل یہی تھا کہ وہ اصل بات سب پہ کھول دیتی اور اس نے ایسا ہی کیا تھا۔ جہاں اس کی پوزیشن کلیئر ہوئی، وہاں ولید حسن بھی بے گناہ ٹھہرا۔ عاقب نے سب سے پہلے موسیٰ سے کانٹیکٹ کیا جو اس سے تو نہ ہو سکا، البتہ ہارون کاردوانی سے ضرور ہو گیا۔ جب اسے ساری بات کا علم ہوا تو حیرانی کے ساتھ ساتھ تاسف و ملال نے بھی اسے عاقب کے سامنے شرمندہ کر ڈالا تھا۔

"آپ بالکل بے فکر رہیں عاقب صاحب.....! میں اپنے بھائی کو جانتا ہوں۔ وہ میری محبت میں خطرناک حد تک جذباتی ہے، مگر وہ اس طرح کسی کو قتل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ نہ ہی اس کی اتنی پہنچ ہے۔ غالباً ایمان صاحبہ کو اس نے اپنی چال بازی سے چکر دیا ہوگا۔ وہ بہت معصوم ہیں، اس کے فریب میں آسانی سے پھنس گئی ہوں گی۔"

ہارون کاردوانی بہت شائستہ اطوار انسان تھا۔ عاقب سے بہت معذرت کرتا رہا تھا۔ بار بار شرمندگی کا اظہار کرتا رہا تھا۔

"موسیٰ فی الحال ملک سے باہر ہے، وہ جیسے ہی پاکستان آتا ہے، میں اسے لے کر آپ کے پاس ضرور آؤں گا۔"

عاقب کے لئے اتنا ہی کافی تھا، اس نے واپس آ کر ساری بات من و عن سنا دی تھی۔

"ٹھیک ہے.....! مگر کوئی اب اس اتھرے گھوڑے کو تو واپس بلائے جس کی وجہ سے میری بچی کی اتنی سی شکل نکل آئی ہے۔"

سب سے زیادہ خون اس معاملے کے سلجھاؤ پہ تائی ماں کا ہی بڑھا تھا۔

"بالکل جناب..... تب ہی ان کے چہرے پہ مسکراہٹ آئے گی۔ اُف.....! کتنی محبت ہے انہیں بھائی سے، اس کا اندازہ مجھے اب ہوا ہے تو جی چاہ رہا ہے، کاش میری بیوی بھی ایسی ہی ہو۔"

اشعر نے بہت دنوں کے بعد چہک کر بات کی تھی۔ مگر کچھ خوشیاں تتلی کے پروں کی طرح ہوتی ہیں۔ جنہیں چھونے کی خواہش میں لپکو تو رنگ پوروں پہ اُتر تو آتے ہیں، مگر پھر بھی ہاتھ کچھ نہیں آتا۔

ولید سے رابطہ کر کے جب اسے ساری بات بتانے کی کوشش کی گئی تو اس نے کچھ بھی سننے سے انکار کر دیا تھا۔ کتنا قطعی اور دوٹوک انداز تھا اس کا، جس میں اجنبیت اور سرد مہری کے سوا کچھ نہ تھا۔

"اس کے حوالے سے کوئی بات مت کرو عاقب.....! مجھے مزید کچھ بھی نہیں جاننا۔"

"مگر ولید.....! جو تم جانتے ہو وہ....."

"مجھے کچھ بھی نہیں سننا۔ یاد رکھو عاقب.....! اگر تم نے زبردستی مجھے کچھ سنانے یا بتانے کی کوشش کی تو میں اپنا کانٹیکٹ ہی نہیں، یہ ٹھکانہ بھی بدل ڈالوں گا۔ پھر تم لاکھ سر پٹخو، میری خاک تک بھی نہ پہنچ سکو گے۔ تمہاری تسلی کے لئے یہ کافی ہونا چاہئے کہ مجھے اس کے حوالے سے کسی اچھے برے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

اس کے لہجے میں جو تلخی تھی، وہ ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ عاقب کو خاموش ہونا پڑا تھا، مگر جب تاؤ جی نے اسے صلواتیں سنا کر اصل بات بتانا چاہی تھی، تب اس نے صرف ایک بات کہی تھی۔

"اب اگر آپ نے اس کا نام بھی میرے سامنے لیا تو میں خودکشی کر لوں گا، اور اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔"

اور تاؤ جی اتنے خائف ہوئے تھے کہ دوبارہ کچھ کہنے کی کوشش ہی نہ کی تھی، اور یوں یہ معاملہ اس کی انتہا پسندی کی وجہ سے وہیں اٹکا رہ گیا تھا اور زندگی کے قیمتی ماہ و سال گزرتے چلے گئے۔

☆☆☆

"دسمبر کے دنوں میں تم نے مجھ سے یہ کہا تھا ناں
کہ تنہا ہوں مگر پھر بھی تمہارا ساتھ میں دوں گا
اپنے ہاتھ آنکھوں پر میری رکھ کر کہا تھا ناں
بھری دُنیا سے ٹکرا کے تمہارا ساتھ میں دوں گا
نہ بدلوں گا کبھی میں جیسے موسم بدلتے ہیں
بدلتے موسموں میں بھی تمہارا ساتھ میں دوں گا
تمہاری ان ہی باتوں سے بہت مجبور ہو کر میں

''سب کے سامنے تم سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ
تمہارے عہد و پیماں سے تو یہ موسم ہی اچھے ہیں
تم عہد کر کے نہیں لوٹے یہ موسم لوٹ آئے ہیں
دسمبر میں کہا تھا ناں کہ واپس لوٹ آؤں گا
ابھی تک تم نہیں لوٹے دسمبر لوٹ آیا ہے''

اس نے سلائیڈ کھولی اور گلاس وال کے پار دور تک پھیلے سرسبز لان میں کھیلتے دونوں بچوں کو دیکھا۔ سرخ، خوب صورت فراک میں ملبوس چھ سالہ فاطمہ اور سوا پانچ سالہ خوب صورت گل گوتھنا سا اُمید حسن جو ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے کلر فٹ بال سے کھیل رہے تھے۔

معاً ایک سفید پروں والی تتلی کہیں سے اُڑتی ہوئی آ کر گلاب کے ادھ کھلے پھولوں پہ بیٹھ گئی۔ سرخ دہکتے ہوئے گلاب پر سفید تتلی بہت نمایاں تھی، جبھی بچوں کی نگاہ کی زد میں آنے سے بچ نہیں سکی۔ دونوں بال چھوڑ کر تتلی کے تعاقب میں بھاگے۔ اُمید حسن کو ٹھوکر لگی تھی، اگلے ہی پل وہ منہ کے بل گرا ہوا حلق پھاڑ رہا تھا۔ ایمان کے ہاتھ سے پردہ چھوٹ گیا، مگر اس سے قبل اشعر اس تک پہنچ گیا تھا۔

''چپ چپ......! روتے نہیں ہیں، مائی سن...... بی بریو......!''

اشعر اسے بہلا رہا تھا۔ ایمان مطمئن ہو کر وہیں لان کی سیڑھیوں سے پلٹ آئی۔ چوبی دروازے سے اندر جانے سے قبل اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ اشعر اُمید حسن کو اٹھائے فاطمہ کی اُنگلی پکڑے ریک کی طرف جا رہا تھا۔ یقیناً ارادہ چاکلیٹ دلانے کا تھا۔

سب کچھ بدل گیا تھا ان چھ سالوں میں۔ پاپا نے جائیداد سے ان دونوں کا حصہ انہیں دے دیا تھا اور خود حج کرنے چلے گئے تھے۔ ماما بھی ان کے ساتھ تھیں۔ واپس آ کر انہوں نے جب اپنے گھر میں رہنا چاہا تو عاقب نے منع کر دیا تھا اور انہیں اپنے ہاں لے آیا۔ وہی گاؤں کا گھر جہاں دو منزلہ بہت خوب صورت عمارت کھڑی تھی۔

فضہ نے گاؤں میں رہنے کو ترجیح دی تھی تو ایمان اکیلی کہاں جاتی......؟ جبھی اس نے بھی اپنا پیسہ اسی مکان کی آرائش و زیبائش میں لگا دیا۔ ایک سال کے اندر بہترین انداز زندگی ان کو میسر آ گیا تھا۔ وہی جس کی کبھی وہ عادی تھیں مگر پھر انہوں نے حالات کے مطابق خود کو ڈھال لیا تھا تو قدرت نے انہیں پھر سے نواز دیا کہ بے شک دینے والی ذات تو اسی کی ہے۔

فضہ کے ہاں فاطمہ کے بعد ایک بیٹا ہوا تھا جو ابھی صرف چھ ماہ کا تھا اور اس کا نام عالیان تجویز ہوا تھا۔ تاؤ جی اور تائی ماں بھی حج کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔ دادا کا پچھلے سال انتقال ہو گیا تھا۔ آخر دم تک انہیں ولید سے ملنے کی آس رہی تھی۔

سب کچھ دھیرے دھیرے معمول پہ آ گیا تھا۔ عاقب کی طرح اشعر کو بھی اچھی جاب مل گئی تھی۔ پچھلے دنوں خاصتاً تائی ماں کی پسند کی گئی لڑکی سے اس کی منگنی بھی کر دی گئی تھی۔ پاپا، تاؤ جی کے ساتھ سارا دن باغات اور کھیتوں میں گزارتے جبکہ ماما کا زیادہ وقت تائی ماں کی طرح عبادت میں گزرنے لگا تھا۔ دونوں کا دُکھ بھی تو مشترکہ تھا۔

پچھلے سال ہارون کا دوانی بھی موسیٰ کے ساتھ تشریف لائے تھے اور ایمان، موسیٰ کو دیکھ کر گنگ ہونے لگی تھی۔ ٹریفک حادثے میں وہ اپنی دونوں ٹانگوں سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

''مجھے معاف کر دیں ایمان......! میں جان گیا ہوں، مجھے آپ سے کی گئی زیادتی کی رب کی طرف سے سزا ملی ہے۔''

وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر سسک اُٹھا تھا۔ اس کی آنکھ سے بہتے آنسو ایمان کے دل کو گداز کر گئے تھے اور وہ جو اسے کبھی معاف نہ کرنے کا تہیہ کیے ہوئی تھی، ہر کوتاہی معاف کر گئی۔ گو کہ اس کی معافی سے ایمان کی زندگی میں در آنے والے نقصانات اور ویرانیوں کو دُور کرنے سے قاصر تھے، مگر احساسِ ندامت انسان کی سچائی کی علامت ہوا کرتی ہے۔

ندامت انہیں ہی ہوتی ہے جن کے ضمیر زندہ ہوتے ہیں، جو ازالے کی کوشش کفارے کی سعی شروع کرا دیتی ہے۔ ندامت جو گناہوں کو دھو ڈالتی ہے۔ جہنم کا ایندھن بننے سے بچا کر جنت کے باغوں میں لا ڈالتی ہے۔ یہ سزا سے پہلے دل میں جاگ اُٹھے تو سزا جزا بن جاتی ہے۔ اسے دیر ہوئی تھی، مگر اتنی دیر تو نہ ہوئی تھی۔

ندامت آنسوؤں کا خراج لیتی ہے اور بخشش کا سامان مہیا کرتی ہے۔ دُنیا میں عزازیل کے بعد آنے والے ہر ظالم، شداد، نمرود و ابوجہل نادم نہ ہونے کی وجہ سے ہی ذلیل و خوار ہوئے۔ ندامت آدم کے سر پہ بخشش کا تاج پہنا دیتی ہے۔ ندامت عمر بن خطابؓ کو فاروق اعظمؓ بنا کر امیر المومنین بنا دیتی ہے۔ ندامت اگر حکمرانوں کو میسر آ جائے تو انہیں فاروق ثانی بننے میں دیر نہیں لگے گی۔ پھر اگر اس کے سامنے کوئی ندامت کا احساس لے کر معافی کا طلب گار بن کر آیا تھا تو وہ اسے معاف نہ کر کے گنہگار کیسے ہو جاتی......؟

☆☆☆

''دسمبر جب بھی آتا ہے
وہ پگلی پھر سے بیتے موسموں کی تلخیوں کو یاد کرتی ہے
پرانا کارڈ پڑھتی ہے
کہ جس میں اس نے لکھا تھا
میں لوٹوں گا دسمبر میں
نئے کپڑے بناتی ہے وہ
سارا گھر سجاتی ہے
دسمبر کے وہ ہر دن کو
گن گن کے بتاتی ہے
جوں ہی پندرہ گزرتی ہے
وہ کچھ کچھ ٹوٹ جاتی ہے
مگر پھر پرانی البم کھول کر

ماضی کو بلاتی ہے
نہیں معلوم یہ اس کو کہ
بیتے وقت کی خوشیاں
بہت تکلیف دیتی ہیں
محض دل کو جلاتی ہیں
یوں ہی دن بیت جاتے ہیں
دسمبر لوٹ آتا ہے
مگر وہ خوش فہم لڑکی
کلینڈر میں دسمبر کے مہینے کے صفحے کو موڑ دیتی ہے"

کچن میں کھڑی وہ رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی، جب اُمید حسن بھاگتا ہوا آ کر اس سے لپٹ گیا۔

"ماما.....! ماما جانی.....!"

ایمان نے سالن کے نیچے پہلے آنچ دھیمی کی تھی، پھر ہاتھ سے چمچ رکھ کر پلٹ کر اسے دیکھا۔ وائٹ کرتا شلوار میں ملبوس، سر پہ ننھی سفید سی ٹوپی لئے وہ ابھی ابھی قاری صاحب سے سیپارہ پڑھ کے فارغ ہوا تو سیدھا اسی کے پاس آ گیا۔

"جی ماما کی جان.....!"

ایمان نے جھک کر اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا اور پیشانی کو چوما۔

"ماما جان.....! میرے پپا کہاں ہیں.....؟"

اس کے سوال نے ایمان کے چہرے پہ سنجیدگی طاری کر دی تھی۔

"بیٹا.....! آپ کو بتایا ہے ناں، وہ "یو کے" میں ہوتے ہیں۔"

"مگر ماما جان.....! علی کے پاپا بھی "یو کے" میں رہتے ہیں، لیکن وہ یہاں بھی تو آتے ہیں، اسپیشلی عید کے دنوں میں، پھر میرے پپا کیوں نہیں آتے.....؟ میں نے کبھی انہیں نہیں دیکھا۔"

یہ وہ سوال تھے جو وہ متعدد بار اس سے کر چکا تھا۔ ایمان ہر بار اسے بہلانے کی کوشش میں ہلکان ہو جاتی۔ وہ جس عمر میں تھا، وہاں اسی کمی کو شدت سے محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کے آس پاس جتنے بھی بچے تھے، کسی کے ساتھ یہ محرومی نہیں تھی۔ یہ فطری احساس اور تقاضہ تھا جو اسے اکثر مضطرب کیا کرتا تھا۔

"مائی لونگ بھتیجے.....! ہاؤ آر یو.....؟"

اشعر جو چائے کی طلب میں وہاں آیا تھا، اُمید حسن کے سوالوں پہ ایمان کو پریشان ہوتے دیکھ کر آگے بڑھ آیا۔

"الحمد للہ.....!"

وہ بڑے تدبر سے بولا تھا۔ اس کی تربیت گھر کے چاروں بزرگوں نے کی تھی اور کیا خوب کی تھی۔

اشعر نے آگے بڑھ کر اسے خود اٹھا لیا۔

"آپ کو پتا ہے جانو.....! آپ کے پپا بہت جلد آپ سے ملنے کے لئے یہاں آ رہے ہیں.....؟"

اشعر کی بات پر ایمان نے کسی قدر خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

"پلیز اشعر.....! اسے جھوٹی آس مت دلاؤ.....!"

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں بھابی.....! بلیو می.....! بھائی آ رہے ہیں۔"

اشعر نے اپنا رُخ اس کی جانب پھیر کر جس یقین سے کہا تھا، اس نے پہلے ایمان کو متحیر، پھر ایک انوکھی خوشی کے احساس سے ہم کنار کیا تھا۔ اشعر، اُمید حسن کو لئے وہاں سے چلا گیا تو ایمان کے ہونٹوں پر آسودہ مسکان بکھر گئی تھی۔ مگر جب رات کے کھانے کے بعد وہ تائی ماں کے لئے دودھ کا گلاس لے کر آئی تو اندر سے آتی اشعر کی آواز نے اسے وہیں جامد کر دیا تھا۔

"انہیں یہاں کس طرح آنے پر آمادہ کیا ہے اماں.....! یہ الگ داستان ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ صرف ایک شرط پہ یہاں آنے کے لئے آمادہ ہوئے ہیں، اور وہ یہ کہ کوئی ان سے ایمان بھابی کے حوالے سے کسی قسم کی بات نہیں کرے گا۔"

اشعر کا دھیما لہجہ واضح طور پر بجھا ہوا تھا۔

"ارے.....! اسے آنے تو دو ایک بار، میں خود سب کچھ سنبھال لوں گی۔"

تائی ماں کی آواز میں ایک جوش تھا، اعتماد تھا، مگر اس کا اعتماد اس پل زائل ہو گیا تھا، جب وہ آہستگی سے پلٹ کر وہاں سے جا رہی تھی تو وہ خوشی جو اس کے آنے کی اطلاع پا کر دل میں بکھری تھی، آنسوؤں کی صورت بہتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

''تم ابرِ گریزاں ہو
میں صحرا کی طرح ہوں
دو بوند جو برسو گے
بے کار میں برسو گے
بے خشک بہت مٹی
ہر سمت بگولے ہیں
صحرا کے بگولوں سے
اُٹھتے ہی تو شعلے ہیں
تم کھل کے اگر برسو
صحرا میں گلستاں ہو
پر تم سے کہیں کیسے
تم ابرِ گریزاں ہو''

اس کے آنے کی تاریخ کا پتا چلا تو وقت نے جیسے رینگنا شروع کر دیا۔ کسی من چاہے، دل پذیر شخص کی چاہت ہو اور انتظار طویل تو لمحے صدیاں بن ہی جایا کرتے ہیں۔ ویسے بھی ہر شخص اپنی سوچ کے مطابق وقت کی پیائش کرتا ہے اور وقت کو اپنی کیفیات اور محسوسات کے حوالے سے گزرتا ہوا دیکھتا ہے۔

مثال کے طور پر اپنی کسی بہت پیاری اور محبوب ہستی کے پاس بیٹھے ہوئے وقت جس تیز رفتاری سے گزرتا ہے، اس کا انتظار کرتے ہوئے وہی وقت اتنا ہی سست اور رینگ رینگ کر چلنے والی چیز بن جاتا ہے، یعنی وقت کی پیائش کا تعلق بھی کیفیت کے پس منظر سے ہے۔ کسی کی ایک رات بھی اتنے وقت میں بیتتی ہے جس میں کسی کا ایک سال بسر ہوتا ہو۔

اس کی جانب سے دیئے گئے الٹی میٹم کے باوجود دل تھا کہ ہر آہٹ پہ دھڑک اُٹھتا، آنکھ تھی کہ ہر کھٹکے پہ چونکتی۔ غرض وہ پل پل اس کا انتظار کسی عبادت کی طرح کرتی رہی اور دل کا درد دل میں چھپائے اس کے آنے کی خوشی میں گھر سجاتی رہی۔ صرف وہی کیا، فضہ، تائی ماں اور ماما، سب اس کے ساتھ شریک تھیں۔

گھر کو نئے سرے سے رنگ و روغن کروایا گیا تھا۔ عاقب نے تو اس کے کمرے کا فرنیچر بھی بدلوا دیا۔ نئے پردے، خصوصی سجاوٹ یعنی ان ڈور پلانٹس وغیرہ کا انتظام، دیواروں پر خوب صورت پینٹنگز آویزاں کی گئیں جس سے گھر ایک دم سے جگمگا اُٹھا۔

جس روز اسے آنا تھا، تائی ماں نے فضہ اور اس کے سر پہ کھڑے ہو کر اس کی پسند کے سارے کھانے تیار کروائے تھے۔ یہ سب اپنی جگہ اہمیت رکھتا تھا، مگر اک کام ایمان نے بھی کیا تھا۔ اس نے بیڈ روم کو ولید حسن کے لئے خالی کر دیا تھا۔ جب اپنی ہر چیز وہ اُمید حسن کے کمرے میں منتقل کر رہی تھی تو فضہ نے کسی قدر خفگی سے اسے ٹوکا۔

''دس از ناٹ فیئر امی......! اگر تم خود اپنی جگہ چھوڑ دو گی تو کسی کو کیا ضرورت ہے اہمیت دینے کی......؟''

اس کی جھنجلاہٹ پہ ایمان کے چہرے پر زخمی مُسکان اُتر آئی۔

''میں ان پر زبردستی مسلط نہیں ہونا چاہتی ہوں فضہ......! رشتے چاہ اور خلوص کے ساتھ، محبت سے جڑے رہا کرتے ہیں۔ اگر یہ سب نہ ہو تو مضبوط تعلق بھی کچے دھاگوں کی طرح ٹوٹ جایا کرتے ہیں۔ چھ سال بھی گزرے ہیں ناں......؟ یہ چند دن جو وہ یہاں رہیں گے، میں انہیں ذہنی اذیت میں مبتلا کیوں کروں......؟''

''اس طرح کب تک چلے گا......؟''

فضہ کے اندر دُکھ اُترنے لگا۔ ایمان کی زندگی کی یہ بے کیفی اسے اکثر مضطرب کر دیا کرتی تھی۔

''جب تک خدا کو منظور ہوگا۔''

ایمان کے نرمی سے کہنے پہ فضہ کو اس کے صبر پہ، برداشت پہ رونا آنے لگا۔ اسے ائیر پورٹ سے ریسیو کرنے کے لئے پورا گھر تیار تھا۔ اشعر کے کہنے پہ ایمان نے اُمید حسن کو بھی تیار کر دیا تھا۔

''آپ نہیں چلیں گی ماما جان......؟''

اُمید حسن کے سوال پہ اس نے نرمی سے اس کا گال سہلایا تھا۔

''نہیں بیٹے......! ماما کو گھر پہ رُکنا ہے۔''

''آپ کو ساڑھی پہن کر تیار ہونا ہے اس لئے......؟''

''ساڑھی کیوں......؟''

ایمان جو اسے جوتے پہنا رہی تھی، چونکی۔

''علی کے پاپا جب ''یو کے'' سے آتے ہیں تو علی کی ماما بھی ساڑھی پہن کر تیار ہوتی ہیں ناں......!''

وہ جواباً بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ایمان کو ایک دم چپ لگ گئی تھی۔

''آپ نے کبھی ساڑھی نہیں پہنی ماما......! آج ضرور پہنیے گا۔ اوکے ماما......! اللہ حافظ......!''

وہ جوتے پہن چکا تھا، اُچھل کر صوفے سے اُترا اور اس کے گال پہ بوسہ لے کر باہر بھاگ گیا۔

ایمان اسی طرح ساکن بیٹھی تھی۔

☆☆☆

''بس دھوپ اور ریت ہے اور پیاس کا سفر
کیا دل کے سامنے کسی صحرا کو دیکھتی
اس چشم سرد مہر کے سب رنگ دیکھ کر
کیا اشتیاق عرض تمنا کو دیکھتی
اس شہر بے نیاز میں جب تک رہا قیام
حسرت رہی کہ چشم شناسا کو دیکھتی''

اسے آئے ہوئے چوتھا دن تھا اور اس دوران ایمان سے اس کا متعدد بار سامنا ہوا تھا اور ہر بار اس کی یکسر غیر اور اچٹتی اجنبی نگاہوں نے ایمان کے دل کے لاتعداد ٹکڑے کیے تھے۔ وہ اس طرح اسے اگنور کیے ہوئے تھا گویا اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہو۔

کتنا بدل گیا تھا وہ ہر لحاظ سے۔ پہلے سے ولید کو تو کہیں گم کر آیا تھا۔ سنجیدگی ایسی جامد کہ کسی کو بات کرنے سے قبل الفاظ تولنے پہ اکسائے، نگاہوں کی مستقل سرخیوں میں بہتی غیریت میں جو سرد مہری تھی، وہ ہر رشتے کو ایک فاصلے پہ ہی نہیں، ایک حد میں رہنے پر از خود مجبور کرتی تھی۔

جب وہ آیا تھا، تو ایمان نے کتنے اشتیاق آمیز انداز میں کچن کی کھڑکی سے اسے دیکھا تھا۔ بلیک ٹو پیس میں اس کا ورزشی دراز سراپا بے حد نمایاں تھا۔ وجاہت و خوبروئی تو پہلے بھی کیا کم تھی، مگر وہاں کے ماحول نے اس کی شخصیت میں جو نکھار اور بے نیازی پیدا کی تھی، وہ اسے کچھ اور بھی دلکشی سونپ گئی تھی۔

ایمان بھیگتی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''تمکنت سے تجھے رخصت تو کیا ہے لیکن
ہم سے ان آنکھوں کی حسرت نہیں دیکھی جاتی
کون اترا ہے آفاق کی پہنائی میں
آئینہ خانے کی حیرت نہیں دیکھی جاتی''

اشعر نے اسے دیکھ کر بے ساختہ اشعار پڑھے تھے۔ ہونٹوں پر ستائش سے بھری مسکان تھی، مگر اس کی سنجیدگی کا وہی عالم تھا۔

''ماہ تمام ابھی چھت پہ کون آیا تھا
کہ جس کے آگے تیری روشنی بھی ماند ہوئی''

اشعر واقعی مرعوب تھا یا پھر اتنا خوش کہ اس خوشی کے الفاظ کا پیراہن پہنا کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ ولید نے سپاٹ نظریں اٹھائیں۔

''تمہاری شادی کب ہے اشعر......؟''

''ابھی تو ایک ماہ ہے۔ میری شادی کی تیاریوں پر تو آپ جناب کی آمد کی مبارک خوشیاں چھا گئیں ہیں۔ سبھی کچھ ادھورا ہے جناب......!''

وہ جواباً مصنوعی آہ بھر کے بولا۔

''فکر کیوں کرتے ہو......؟ ولید کے آجانے سے جہاں گھر کی خوشیاں مکمل ہوتی ہیں، وہاں ادھورے کام بھی جلد سٹ جائیں گے۔ انشاء اللہ......!''

عاقب نے مسکراتے ہوئے گویا اسے تسلی دی۔ اشعر فرشی سلام جھاڑنے لگا۔

''بابا...... ! بڑے چاچو تو چھوٹے چاچو سے بھی زیادہ گڈ لکنگ ہیں۔''

عاقب کی گود میں چڑھی بیٹھی فاطمہ جو تب سے مسلسل ولید کو دیکھ رہی تھی۔ معصومانہ جوش سے بولی۔ ایک مشترکہ قہقہہ پڑا جبکہ اشعر کا منہ اتر گیا۔

''فاطمہ کی بچی...... ! تجھے کاندھوں پر بٹھا کر سیریں کراتے کاندھے میرے گھسے تھے، چاکلیٹس اور آئس کریم کھلاتے میری جیبیں خالی ہوگئیں اور تعریفیں بڑے چاچو کی ہو رہی ہیں......؟ بے وفا بھتیجی......!''

وہ مصنوعی غصے سے دانت کچکچانے لگا تو ایک نئے کو سی، ولید کے تنے چہرے پر بھی ایک نرم سی روشن مسکان اتری تھی۔ آف وائٹ، خوب پھولی ہوئی فراک میں ملبوس، ریشمی بالوں کو خوب صورت انداز میں سمیٹ کر سلور پنوں سے جکڑا گیا تھا۔ خوب صورت، معصوم سا بیضوی چہرہ اور ستاروں کی مانند دمکتی سیاہ گھور آنکھیں، وہ بے حد کیوٹ تھی۔ ولید نے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا تو اگلے ہی لمحے باپ کی گود سے اچھل کر وہ اس کے پاس پہنچ گئی تھی۔

''تو چاچا...... ! آپ اس سے پیار نہیں کریں گے۔ آپ صرف میرے پاپا ہیں، مجھ سے ہی پیار کریں گے۔''

ولید نے اسے اپنے قریب کیا ہی تھا کہ امید حسن نے شدید غصے میں آتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے فاطمہ کو زور سے دھکا دیا تھا، وہ گرتے گرتے بچی۔ وہاں موجود تمام لوگوں کو ایک دم جیسے سکتہ ہوگیا۔

''بری بات امید بیٹا...... ! فاطمہ آپ کی بہن ہے اور آپ کے پاپا اس کے چاچو ہیں۔ اشعر چاچو کی طرح اشعر چاچو بھی آپ سے پیار کرتے ہیں ناں...... ! جیسے عاقب پاپا کرتے ہیں آپ سے۔ اس طرح آپ کے پاپا بھی فاطمہ سے پیار کر سکتے ہیں۔''

ایمان جو کھانے کے لئے انہیں بلانے آئی تھی، اس کو نرمی و حلاوت سے سمجھا رہی تھی۔

''لیکن اشعر چاچا، عاقب پاپا، فاطمہ سے بھی تو پیار کرتے ہیں ناں...... ! لیکن میرے پاپا میرے پاس نہیں تھے، یو نو...... ! میں بہت مس کرتا تھا انہیں۔''

وہ ایک دم بھبک کر رو پڑا۔ ایمان کو یک بارگی اس کی محرومی کی شدت کا اندازہ ہوا تھا۔ ولید جو تب سے ہونٹ بھینچے لاتعلق اور خاموش بیٹھا رہا تھا، کسی طرح بھی خود کو امید حسن کو کھینچ کر گلے لگانے سے نہ روک سکا۔

''آپ مجھے چھوڑ کر تو نہیں جائیں گے ناں پاپا؟''

وہ ہچکیوں کے درمیان بولا۔ ولید کی آنکھوں کی سرخیاں مزید گہری ہوگئیں۔ ہر کوئی اپنی جگہ پہ ساکت تھا۔ اس جذباتی منظر نے تائی ماں کی آنکھیں بھگو ڈالیں۔

''پرامس کریں ناں پاپا...... ! آپ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہی رہیں گے۔ ویسے ہی جیسے عاقب پاپا،

فاطمہ اور خالہ جانی کے ہر وقت ساتھ رہتے ہیں۔"

اونچی آواز میں روتا ہوا اُمید حسن سسکیاں بھر بھر کے سوال کر رہا تھا اور ولید خاموش تھا۔ ایمان سے مزید نہیں ٹھہرا گیا تو تیزی سے پلٹ کر چلی گئی۔ اس بات سے بے خبر کہ ولید کی سلگتی آنکھوں نے دروازے تک اس کا پیچھا کیا ہے۔

☆☆☆

"تجھ کو بھی نہ مل سکی مکمل
میں اتنے دکھوں میں بٹ گئی تھی
رستہ تھا وہی پہ بن تمہارے
میں گرد میں کیسے اَٹ گئی تھی"

اس نے آج واشنگ مشین لگا رکھی تھی۔ ہفتے بھر کے کپڑے دھونے والے جمع تھے۔ کل اتوار تھا اور کل ہی تائی ماں کا ارادہ اشعر کے سسرال تاریخ طے کرنے جانے کا بھی تھا۔ وہ بچوں کے اسکول آنے سے قبل یہ کام سمیٹ لینا چاہتی تھی۔ دھلے ہوئے کپڑوں کی باسکٹ اٹھائے وہ چھت پر جانے کے ارادے سے بیرونی حصے کی سیڑھیوں کی سمت آئی تو اسی پل ولید بھی اپنے دھیان میں نیچے اترتا آیا تھا۔

اب صورت حال یہ تھی کہ ایک وقت میں ایک کو اپنی جگہ چھوڑنا ضروری تھا کہ سیڑھی کی چوڑائی بہت محدود تھی۔ اس سامنے پر جہاں ایمان کنفیوز ہوئی تھی، وہاں ولید کے چہرے پر موجود سنجیدگی کچھ اور بھی گہری ہوگئی۔ اسے اپنی جگہ پہ جامد دیکھ کر ایمان کو ہی پسپائی اختیار کرنا پڑی تھی۔ مگر اگلا لمحہ اس کے لیے تحیر دہ جرانگی لے کر آیا تھا، جب اس کی کلائی پہ ولید حسن کے ہاتھ کی گرفت سخت ہوگئی تھی۔

"یہ ضروری تو نہیں تھا کہ اپنی نفرت اور انتقام کے دائرے میں میری ذات کے ساتھ ساتھ میرے بیٹے کو بھی گھسیٹنا، اور کچھ نہیں تو صرف یہ ہی سوچا ہوتا کہ وہ میرا ہی نہیں تمہارا بھی کچھ تھا۔"

اس کے بھاری بھینچے ہوئے حقارت زدہ لہجے میں اتنی تلخی تھی کہ ایمان گنگ رہ گئی۔

"کیوں کیا تھا اس نے ایسا......؟"

وہ سراپا احتجاج بن گئی تھی۔

"مطلب کیا ہے آپ کا اس بات سے......؟ جو بھی کہنا چاہتے ہیں مکمل کریں......!"

آنکھوں میں اُترے آنسوؤں کو پیتے ہوئے وہ کسی قدر ترشی سے بولی تو ولید کے چہرے پر زہر خند پھیلنے لگا۔

"احساس محرومی کا شکار کر دیا ہے تمہاری تربیت نے اسے۔ تم نے اسے قدم قدم پہ احساس دلایا کہ اس کے پاس باپ کی محبت نہیں ہے۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں کتنا بڑا کمپلیکس ہے اس کا، اندازہ ہے تمہیں......؟"

وہ بے طرح بھڑک کر بولا۔ اس کے لہجے میں بے گانگی، تلخی، رکھائی اور جھنجلاہٹ کے ساتھ ساتھ نفرت کا رنگ بھی شامل تھا۔ ایمان کو اس کی سلگتی نگاہوں سے اپنا تن، من، دھن راکھ ہوتا محسوس ہوا۔

"آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے......"

آنسوؤں کی شدت نے اس کی بات بھی مکمل نہیں ہونے دی۔ شدید غم اس کے حلق میں کانٹے ڈال گیا۔ بدگمانی کی انتہا تھی۔ اسے لگا اس کا آبلہ پائی کا سفر کبھی ختم نہیں ہوگا۔

"پھر اور کس نے کیا یہ سب......؟ وہ تمہارے ہی پاس تھا ناں......؟ زندگی میں قدم قدم پہ تم نے اسے اس محرومی کا احساس بخشا، نہ کہ میں نے......؟"

وہ زور سے دھاڑا۔ ایمان ایک دم پلٹی تھی اور تقریباً دوڑتی ہوئی اندرونی حصہ میں غائب ہوگئی۔ ولید حسن نے شدید طیش میں آکر کپڑوں کی باسکٹ کو ٹھوکر سے اُڑایا اور خود تلملاتا ہوا چلا گیا۔ دُھلے ہوئے کپڑے گرد آلود ہو کر وہیں پڑے رہ گئے تھے۔

☆☆☆

"تیری ہجر کا ملال تھا مگر اب نہیں
مجھے صرف تیرا خیال تھا مگر اب نہیں
میری بے مثال محبتوں کے نصیب میں
تو زمانے بھر میں مثال تھا مگر اب نہیں
جسے تو نے داد عطا کیا وہی آدمی
تیری قربتوں میں نہال تھا مگر اب نہیں
میں تیری تلاش میں ریزہ ریزہ بکھر گیا
وہی جنونِ شوقِ وصال تھا مگر اب نہیں
تیرے در پہ آخری بار آکے پلٹ گیا
میری زندگی کا سوال تھا مگر اب نہیں"

بال سنوارنے کے بعد اس نے برش ڈائننگ ٹیبل پہ اُچھالا اور پرفیوم کی بوتل اُٹھالی۔ خود پہ اسپرے کرتے ہوئے وہ آئینے میں اُبھرتے ہوئے اپنے شاندار سراپے کو سرسری نگاہ سے دیکھ رہا تھا، جب دروازہ کھول کر اُمید حسن اندر آیا۔ لائٹ گرے کھدر کا کرتا شلوار پہنے وہ اتنا پیارا لگ رہا تھا کہ ولید حسن بے ساختہ مسکرا دیا۔

"آپ ریڈی ہو گئے پاپا......؟"

"یس مائی سن......! اب چلیں......؟"

ولید حسن نے پرفیوم کی بوتل واپس رکھتے ہوئے اپنا کوٹ اُٹھالیا۔

"ماما جان کو ساتھ لے چلیں پاپا۔"

اُمید حسن کے کہنے پہ کوٹ پہنتے ولید حسن کے اعصاب ایک دم کشیدگی کا شکار ہوگئے۔

"آپ فاطمہ کو بلالیں بیٹا......! آپ کی ماما کو گھر پہ کام ہوتے ہیں۔"

اس نے کسی قدر نرمی سے ٹوکا تھا، مگر اُمید حسن کا ماننے کا ارادہ نہیں لگتا تھا۔

"کام مما واپس آکے کرلیں گی پاپا......! وہ کہیں بھی نہیں جاتی ہیں ناں......؟"

امید حسن نے کہا اور باہر بھاگ گیا۔ ولید حسن گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

''ماما جان...... ! ماما جان...... !''

ایمان، فضہ کے ساتھ کچن میں مصروف تھی، جب امید حسن نے ایک دم آ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

''چلیں ماما...... ! پپا کے ساتھ آؤٹنگ پر چلیں...... !''

''تو آپ جاؤ ناں بیٹا...... !''

وہ ایک دم ٹھٹک گئی تھی۔ فضہ نے البتہ خوش گواریت میں گھر کر دونوں کو دیکھا۔

''آپ سے پپا نے کہا ہے ماما کو لانے کا...... ؟''

فضہ نے فی الفور پوچھا تو امید حسن نے سادگی و معصومیت سے سر کو نفی میں ہلا دیا اور بولا۔

''نہیں...... ! میں لینے آیا ہوں ماما چلئے ناں ماما...... !''

ایمان نے مضطرب سے انداز میں ایک دم اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''فضہ...... ! اسے کسی طرح منع کرو پلیز۔''

اس کے چہرے پر اذیت رقم ہونے لگی۔ اسے ولید حسن کی نگاہوں کی نفرت یاد آئی تو گویا تمام حوصلے مسمار ہونے لگے۔

''اسے اس معصوم خوشی سے محروم مت کرو امی...... !''

''چاہے خود کو ذلتوں کی اتھاہ میں گرانا پڑے...... ؟''

اس کا بھیگا بھیگا لہجہ آنچ دے اٹھا۔ فضہ کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

''کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے۔''

فضہ نے جیسے ڈھارس بندھائی تھی، مگر اس کے اندر غضب کی ٹوٹ پھوٹ مچی تھی۔

''مجھے نہیں لگتا میں کبھی پانے والوں سے ہو سکوں۔''

''مایوسی کفر ہے امی...... ! پلیز، چلی جاؤ ناں...... ! پلیز...... !''

فضہ نے اتنی نرمی، لجاجت سے کہا تھا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تیار ہونے کو چلی گئی تھی۔ مگر جب ولید حسن نے امید حسن کو تنہا آتے دیکھا تو ایک توہین آمیز سا احساس اس کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے کر جھلسا گیا تھا۔

''میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ وہ نہیں جائیں گی۔''

امید حسن کے نزدیک آنے پر وہ کسی قدر تلخی سے بولا تھا۔ امید حسن نے اس تلخی کو اپنی نادانی کے باعث محسوس نہیں کیا، البتہ اس کی غلط فہمی کو ضرور دور کر دیا تھا۔

''مما تیار ہونے گئی ہیں پپا...... ! ابھی آتی ہیں۔''

اور ولید حسن ہونٹ بھینچے خاموشی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی تک آ گیا تھا۔

''کسی قسم کی خوش فہمی کو دل میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری اس عارضی رفاقت کو ناگواریت کو جبر سہنے پہ میں اپنے بیٹے کی وجہ سے مجبور ہوا ہوں۔''

جس وقت وہ پیازی کلر کے سادہ مگر نفیس سوٹ میں آ کر گاڑی میں بیٹھی، ولید حسن نے ونڈ اسکرین پر اپنی نگاہوں کو مرکوز رکھے اسے جتانا ضروری خیال کیا تھا۔ ایمان کا چہرہ تمام تر ضبط کے باوجود پھیکا پڑ گیا۔

''پپا...... ! آج میں بہت خوش ہوں۔ آج میں پپا اور ماما دونوں کے ساتھ ہوں ناں...... ! جیسے فاطمہ جیسے علی اور جیسے سرمد اپنے پاپا ماما کے ساتھ آؤٹنگ پر جاتا ہے۔ ہم واپسی پر آئس کریم بھی کھائیں گے ناں پپا...... ؟ ماما...... ! آپ پیچھے کیوں بیٹھ گئیں ہیں...... ؟ یہاں آگے آئیے ناں...... ! اور مجھے اپنی گود میں بٹھا لیں۔''

امید حسن نے چہک کر کہتے ہوئے ایک نئی فرمائش کر دی۔ اس کے معصوم چہرے پر ایسی طمانیت اور آسودگی تھی کہ ولید حسن چاہنے کے باوجود اسے کسی بات پر ٹوک نہ پایا۔

''سردی بہت ہے سویٹ ہارٹ...... ! آئس کریم کھانے سے گلا خراب ہو جاتا ہے۔ ہم آپ کو ڈھیر ساری چاکلیٹ دلائیں گے، ٹھیک ہے...... ؟''

ولید حسن نے اس کی اہم فرمائش سے دھیان ہٹانے کی غرض سے بات پلٹ دی، مگر وہ بھی اسی کا بیٹا تھا، جو اس کی اگلی بات پر ثابت ہو گیا۔

''فائن پپا...... ! میں آئس کریم نہیں کھاتا، مگر گاڑی تو روکیں ناں، تاکہ ماما یہاں آ کے بیٹھ سکیں۔''

ولید حسن دل ہی دل میں بل کھا کر رہ گیا، مگر چہرے پر کوئی تاثر نہیں آنے دیا تھا، اور گاڑی روک دی۔

''چلیں ناں ماما...... ! یہاں آئیں...... !''

امید حسن کی فرمائش پر ایمان نے ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھا، پھر سر کو نفی میں جنبش دے کر بولی تھی۔

''امید بیٹا...... ! ماما یہاں ریلیکس ہیں، آپ ضد مت کرو۔''

''مگر ماما...... ! مجھے اچھا لگے گا، اگر آپ ہمارے ساتھ بیٹھو گی۔''

امید حسن نے ضد کی تھی، مگر ایمان کا اس کی اتنی ماننے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، وہ تو اس لمحے کو پچھتا رہی تھی جب امید حسن کے کہنے پر آنے کا فیصلہ کیا تھا۔

''میں آپ کے ساتھ ہی ہوں، ڈونٹ وری...... !''

''لیکن وہاں نہیں، یہاں...... !''

امید حسن کے انداز میں ہٹ دھرمی تھی۔ ولید حسن جو تب سے دونوں کی جرح سن رہا تھا، سخت متنفر ہو گیا۔

''کون سی انا کا پرچم بلند کرنے کی کوشش میں ہلکان ہیں محترمہ...... ! اتنی ہی ناک عزیز تھی تو ساتھ نہ آئی ہوتیں...... ؟ اگر بچے کی خاطر یہ قدم اٹھا ہی لیا ہے تو فضول کی ضد کیا معنی رکھتی ہے...... ؟''

اس کے زہریلے انداز پر بھڑک کر وہ قہر سامان نگاہوں سمیت گہرے طنز سے پھنکارا تھا۔ اس درجہ توہین پہ ایمان کا چہرہ جھلس کر بھاپ چھوڑنے لگا۔ آنکھیں یوں جل اٹھیں جیسے کسی نے مٹھی بھر مرچیں جھونک دی ہوں۔

''آپ کو اس طرح سے میری انسلٹ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، سمجھے آپ...... ؟''

بھینچے ہوئے لہجے میں وہ تنک کر بولی تھی۔ ولید کے چہرے پر زہر بھری مسکان پھیل گئی۔

''میں جانتا ہوں آپ نے اس قسم کے کیا، کسی قسم کے بھی حقوق مجھے نہیں دیئے۔''

اس کے اندر کی کھولن بہت سرعت سے باہر آئی تھی اور اسی حساب سے ایمان کی اذیت میں اضافہ ہوا تھا۔

''اس کے باوجود آپ ہر قسم کے حق استعمال کرتے رہے......؟ وائے......؟''

وہ غم وغصے سے جیسے پاگل ہوگئی تھی۔

''میں کب کا لعنت بھیج چکا ہوں تم پر......!''

کھولتے اعصاب پر قابو پا کر اب وہ بہت تضحیک آمیز انداز میں گویا ہوا تھا اور گویا ایمان کو سرتا پا سلگا دیا۔

''تو پھر چھوڑ کیوں نہیں دیتے مجھے......؟ کیوں اپنے ساتھ لٹکا رکھا ہے......؟ اگر اتنی ہی نفرت ہے مجھ سے تو......؟''

وہ جیسے بس سے باہر ہونے لگی۔

''چھوڑ دوں......؟ تاکہ تم اپنی مرضی سے گلچھرے اڑا سکو......؟ میں تمہاری اس مکروہ خواہش کو کبھی پورا نہیں ہونے دوں گا۔''

ولید کا اشتعال عروج پر جا پہنچا۔ ایمان کو لگا تھا کسی نے یک لخت اس کے وجود کو تیز دھار آلے سے دو ٹکڑوں میں تبدیل کر دیا وہ۔ چھ سال بعد بھی اس پر وہی الزام بدستور تھا۔

وہ مر کیوں نہیں جاتی......؟ اس ذلت سے کیا موت بہتر نہیں تھی......؟

اس نے شدید ذہنی ہیجان کے ساتھ سوچا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر جنونانہ کیفیت میں سمت کا تعین کئے بغیر دوڑ پڑی۔ ولید حسن جو خود شدید طیش کی کیفیت میں تھا، اس کی اس حرکت پہ فوری طور پر اس لئے بھی متوجہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کی ساری توجہ اُمید حسن کی طرف ہوگئی تھی جو انہیں جھگڑتے ہوئے دیکھ کر پہلے تو سہمی ہوئی نظروں سے دونوں کو ٹکر ٹکر دیکھتا رہا تھا، پھر ولید حسن کے بازو سے چمٹ کر گھٹ گھٹ کر رونے لگا۔

ولید حسن اسے چپ کرانے میں مصروف ہو چکا تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز پہ چونکا۔ گاڑی اس وقت سی سائیڈ کے نزدیک تھی اور ایمان کا رُخ سمندر کی طرف تھا۔ وہ اندھا دُھند، دیوانہ وار سمندر کی طرف لپکی جا رہی تھی۔

''پپا......! ماما......! ماما......!''

اُمید حسن کے چیخنے کی آواز پہ اس کے ایک دم جامد ہو جانے والے اعصاب خفیف سے جھٹکے سے بیدار ہوئے۔ اُمید حسن کو چھوڑے وہ دروازہ کھول کر باہر آیا۔ ایمان کے ارادے کی خطرناکی کا احساس ہوتے ہی اس کے وجود میں جیسے بجلی بھر گئی تھی۔ اگلے ہی چند لمحوں میں اس نے ایمان کو جا لیا تھا۔ اس کا بازو پکڑتے ہی ایک زناٹے کا تھپڑ اس کے چہرے پر دے مارا۔

''اتنا شوق تھا خودکشی کا تو چھ سال کا عرصہ تھا تمہارے پاس، یا پھر میرے ساتھ ہی یہ دشمنی بھی نکلنی تھی......؟''

اسے وحشت بھرے انداز میں اپنے ہاتھوں میں بھینچے وہ غرا غرا کر بولا تھا۔ تیز چلتی ہوا سے پھڑ پھڑاتے ایمان کے دوپٹے نے کچھ ہواؤں کی شوریدہ سری نے ولید کے الفاظ فضاؤں میں گم کر دیئے تھے، مگر ان کی بازگشت ایمان کی سماعتوں میں گویا ہمیشہ کے لئے ٹھہر گئی تھی۔

تضحیک اور اہانت کے احساس نے اس کے بپھرے وجود کو کچھ اور بھی وحشت عطا کر ڈالی۔ وہ اس کے حصار میں ماہی بے آب کی طرح مچلی۔

''چھوڑ دیں مجھے...... مجھے زندہ نہیں رہنا۔''

وہ تڑپ تڑپ کر روئی تھی۔

''واپس چلو......! اپنے اس شوق کو گھر جا کے پورا کر لینا۔ ڈونٹ وری......! بہت سے طریقے ایجاد ہو چکے ہیں خودکشی کے۔''

وہ اس کا بازو پکڑے پھنکار کر بولا اور گھسیٹتا ہوا اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ ایمان ایک دم گم سم ہوگئی تھی۔

☆☆☆

''ہو نہ دُنیا میں کوئی ہم سا بھی پیاسا لوگو
جی میں آتی ہے پی جائیں یہ دریا لوگو
کتنی اس شہر کے کنجوں کی سنی تھی باتیں
ہم جو آئے تو کسی نے بھی نہ پوچھا لوگو
اتفاقاً ہی کسی پر کوئی در تو کھلتا
جھلملاتا کہیں چلمن کوئی سایہ لوگو
سب کے سب مست اپنے اپنے نہاں خانوں میں
کوئی کچھ بات مسافر کی بھی سنتا لوگو
کسی دامن کسی آنچل کی ہوا تو ملتی
جب سر راہ یہ درماندہ گرا تھا لوگو
اک تصویر تھی کیا جانئے کسی کی تصویر
نقش موہوم سے اور رنگ اُڑا سا لوگو
اِک آواز تھی کیا جانئے کس کی آواز
اس نے آواز کا رشتہ بھی نہ رکھا لوگو
پھر وہی دشت ہے وحشت کی تنہائی ہے
وحشت دل نے کہیں کا بھی نہ رکھا لوگو
اس میں ہمت ہے تو آئے اُٹھا دے یہ حصار

اپنے گنبد میں تو در ہے نہ دریچہ لوگو
جی کی جی میں ہی رہیں حسرتیں طوفانوں کی سی
یہ سفینہ تو کنارے پہ ہی ڈوبا لوگو
بند آنکھیں ہوئی جاتی ہیں پساریں پاؤں
نیند سی نیند ہے اب ہمیں نہ اٹھانا لوگو
آج کی ڈاک سے کیا کوئی لفافہ آیا
کسی سرگوشیاں کرتے ہوا دے گیا لوگو
کوئی پیغام زبانی بھی نہیں کچھ بھی نہیں
ہم نے اپنے کو بہت دیر سنبھالا لوگو
ایک ہی شب ہے طویل اتنی طویل اتنی طویل
اپنے ایام میں امروز نہ فردا لوگو
اب کوئی آئے تو کہنا کہ مسافر تو گیا
یہ بھی کہنا کہ بھلا اب بھی نہ جانا لوگو
راہ تکتے ہوئے پتھرا سی گئی تھیں آنکھیں
آہ بھرتے ہوئے چھلنی ہوا سینہ لوگو
ہونٹ جلتے تھے جو لیتا تھا کبھی آپ کا نام
اس طرح کسی اور کو نہ ستانا لوگو"

وہ خاموش ہوئی تو اسما (اشعر کی بیوی) نے سب سے زیادہ فراخ دلی سے اسے داد دی تھی۔ جبکہ چائے کی طلب میں اُٹھ کر اس سمت آنے والے ولید حسن کے چہرے پر کاٹ دار تمسخر پھیل گیا تھا۔

ماضی کی یاد کو دُہراتے ہوئے اشعر نے اپنے ولیمے کی رات سخن کی اس محفل کو سجایا تھا اور سب سے خاص دعوت ولید حسن کو دی تھی، جسے اس نے بڑی رکھائی کے ساتھ ٹھکرا دیا تھا۔ لہجہ و انداز ایسا ہرگز نہیں تھا کہ اشعر اصرار کا حوصلہ کرتا، جبھی مایوس لوٹ گیا۔

"ابن انشاء نے جتنا کمال لکھا بھابی...! آپ کے لہجے نے اسی قدر سجایا ہے اس کلام کو۔ ریئلی...! بہت دل خوش ہوا۔ ویسے اتنی مایوسی کی باتیں آپ کے منہ سے اچھی نہیں لگتیں۔ وہ بھی اس صورت کہ ولید بھائی دیارِ غیر سے تشریف لا چکے ہیں...؟"

اسما کی کھنک دار ہنسی میں اس کے درد سے بے خبری کا عنصر نمایاں تھا، مگر وہاں موجود چہرے پر جو خاموشی اور اذیت تھی، وہ ایمان کی آنکھوں میں سے درد کو پہچان جانے کی عکاسی تھی۔

اس روز ولید حسن کے ساتھ جب وہ واپس آئی تھی تو اپنے حواسوں میں نہیں تھی، ایک سکتے کی کیفیت تھی، جس نے سب کو ہراساں کر دیا تھا۔

"کیا ہوا ہے ایمان کو...؟ تم بولتے کیوں نہیں ہو کچھ...؟"

تائی ماں نے ولید حسن کو جھنجھوڑ ڈالا تھا، جس سے اس کی آنکھوں سے نکلتی آگ کی لپٹوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔

"مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں...؟ یہ بیٹھی ہے ناں آپ کے سامنے، ویسے بھی مجھ سے زیادہ آپ کو اس کا یقین ہے ناں...؟"

کسی قدر تلخی سے کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ سب کے پوچھ پوچھ ہارنے پر بھی ایمان کے منہ سے ایک لفظ نہیں نکلا تھا۔ بس اُمید حسن سے ہی اتنی بات کا پتا چل سکا تھا کہ ماما پاپا کی لڑائی ہوئی ہے۔

"دادو...! پاپا اور ماما کی لڑائی کیوں ہوئی ہے...؟"

اُمید حسن کے سوال پر تائی ماں نے سرد آہ بھری تھی۔

"پتا نہیں پتر...! کس کی نظر کھا گئی میرے بچوں کو...؟"

انہوں نے اسے گلے لگا کر رقت آمیز آواز میں کہا اور اپنے آنسو پونچھتی اُٹھ گئیں۔

کتنی بار وحشت کی انتہا پہ پہنچ کر اس نے سوچا تھا۔

وہ مر جائے، کسی بھی طریقے سے، پنکھے سے لٹک کر، خود کو آگ لگا لے یا پھر تیز دھار آلے سے اپنی کلائی کی شہ رگ کاٹ ڈالے۔ ایک کبھی نہ ختم ہونے والے پچھتاوے میں جلتا کر جائے ولید حسن کو۔

مگر ہر بار... ہر بار حرام موت پہ خدا کا خوف اس کی راہ میں بلند و بالا دیواریں کھڑی کر گیا تھا۔ وہ خودکشی تو نہیں کر سکی تھی مگر پھر بھی جیسے مر گئی تھی۔ شادی کی ہر ہر تقریب میں اپنا ہر فرض، ہر حق ادا کرنے کے باوجود جیسے زندگی کا احساس اس کے اندر سے ڈھونڈے سے بھی نہ ملا تھا اور تائی ماں کو تو اس کے مشینی انداز پہ ہول اُٹھنے لگے تھے۔

بار بار انہوں نے ولید کو حقیقت بتلانا چاہی، مگر ہر بار وہ اس کی بات سنے بغیر اُٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ سب اسے اس کے حال پر چھوڑ چکے تھے، مگر تائی ماں اور ماما کے دل کسی طور بھی مطمئن نہیں تھے، مگر وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر رہی تھیں۔

☆☆☆

زباں سنو دوستو
جو بھی دنیا کہے
اس کو پرکھے بنا مان لینا نہیں
ساری دنیا یہ کہتی ہے
پربت پہ چڑھنے کی نسبت
اُترنا بہت سہل ہے
کس طرح مان لیں
تم نے دیکھا نہیں
سرفرازی کی دھن میں کوئی آدمی

جب بلندی کے رستے پہ چلتا ہے تو
سانس تک ٹھیک کرنے کو رُکتا نہیں
اور اس شخص کا
عمر کی سیڑھیاں اُترتے ہوئے
پاؤں اُٹھتا نہیں
اس لئے دوستو جو بھی دُنیا کہے
اس کو پرکھے بنا مان لینا نہیں
ہم کھلی آنکھ سے جو بھی کچھ دیکھتے ہیں
اکثر وہ ہوتا نہیں
راستے کے لئے آدمی اپنے خوابوں کو بھی
کاٹ دیتے ہیں لیکن
سلگتا ہوا راستہ پھر بھی کٹتا نہیں
اس لئے دوستو
جو بھی دُنیا کہے
اس کو پرکھے بنا مان لینا نہیں"

ولید حسن کے چہرے کی رنگت متغیر تھی۔ پیشانی پہ عرق ندامت جھلملائی تھی۔ اس کی ساکن آنکھیں، اس کھلے ہوئے خط سے لپٹی تھیں جو کاغذ کا ایک ٹکڑا ہی تھا، مگر اس کی نگاہوں کے سامنے تنے پردے کھینچ لے گیا تھا۔ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ ذرا سی سوجھ بوجھ، ذرا سی سمجھداری سے کام لیا تو گتھی سے گتھیاں سلجھتی چلی گئی تھیں۔

وہ جو سب کچھ اسے بتانا چاہا گیا تھا، مگر وہ سننے سے انکاری ہو گیا تھا۔ کتنا شدت پسند تھا وہ، کتنا بدگمان اور فیصلہ میں جلدی برتنے والا۔ شرمندگی کا کوئی انت تھا نہ ہی پچھتاوے کا۔ اس کا جی چاہا، اس شرمندگی کے ہمراہ کہیں جا چھپے۔

کیسے سامنا کرے گا وہ سب کا......؟ اور خاص طور پر ایمان کا......؟ وہ جو اس کی اولین چاہت تھی، سب سے شدید خواہش، جس کے قرب کی چاہ میں وہ کچھ بھی کر گزرنے پر آمادہ تھا، مگر جب وہ ملی تھی تو اپنی اسی انتہا پسندی کے باعث کیسے توڑ پھوڑ ڈالا تھا اسے۔

پچھتاوے کا احساس اس کے اعصاب پر مضراب بن کر برسنے لگا۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر سر جھکایا تو نگاہ ایک بار پھر اس کاغذ کے پرزے سے اُلجھ گئی جسے آج کی ڈاک سے اس کے نام بھیجا گیا تھا۔

"صاحب......! یہ آپ کا لیٹر ہے۔"

وہ صبح لیٹ اُٹھا تھا، اس حساب سے ناشتہ کیا اور کمرے میں آ کر کہیں جانے کو تیار ہو رہا تھا، جب واچ مین یہ لفافہ اس کا دروازہ ناک کر کے اسے دے کر گیا تھا۔ اس نے کچھ تجسس، کچھ تحیر کے ساتھ لفافہ اُلٹ پلٹ

کر بھیجنے والے کا نام دیکھنا چاہا، مگر اسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ سفید منہ بند لفافے پہ سیاہ موٹے مارکر سے اس کا نام درج تھا جو اس کی اُلجھن کو بڑھا گیا۔ اسی اُلجھن کو رفع کرنے کی غرض سے اس نے اسی وقت لفافہ چاک کر لیا۔

"السلام علیکم ولید بھائی......!

گو کہ میں خود کو اس قابل ہرگز نہیں پاتا کہ آپ سے یہ معتبر رشتہ استوار کر سکوں مگر......

خیر......! میں موسیٰ کاردوانی ہوں۔ پتا نہیں آپ کی یادداشت کے کسی کونے میں میرا نام محفوظ بھی ہے کہ نہیں......؟ مگر یہ بھی سچ ہے کہ انسان ایسے دو انسانوں کو کبھی نہیں بھولتا، ایک وہ جس سے اس نے شدید محبت کی ہو اور دوسرا وہ جس سے اتنی ہی شدید نفرت۔

میرا شمار دوسری کیٹگری میں ہوتا ہے، جبھی بہت شرمندگی کے ساتھ مخاطب ہوں۔ پتا نہیں وہ کیسے لوگ ہیں جو ظلم در ظلم کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں......؟

میں نے بھی ایک جرم کیا تھا، جسے کبھی جرم سمجھا ہی نہیں تھا یا شاید محبت میں انتہا پسندی انسان کو جنون خیز بنا دیتی ہے۔ مجھے بھی اپنے لالہ (اپنے بھائی) سے بہت محبت تھی۔ وہ لالہ جنہیں میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اُداس اور زندگی کے سب حسین رنگوں سے ہمیشہ دُور پایا تھا۔ مگر جب وہ ایمان سے ملے تو مجھے لگا وہ پھر سے زندگی کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ لالہ سمیت میں اور ماما بھی خوش تھے۔

مگر ہماری یہ خوشی اس وقت بری طرح غارت ہوگئی، جب آپ لوگوں کی طرف سے صاف ایمان کے رشتے سے انکار کر دیا گیا۔ لالہ نے جیسے بھی ضبط کیا، مگر میں بھڑک اُٹھا تھا۔ شاید وہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے، جوانی کا نیا نیا اُبال دُنیا کی تسخیر کو بہت آسان بنا کر دکھاتا ہے۔ لالہ کی آنکھوں کی پھر سے بجھی روشنیوں نے میرے اندر انتقام کو ہوا دی تھی، مگر کیسے......؟

اس بات پر غور کرتے مجھے بہت دن لگے تھے۔ مگر جب ایمان کو اپنی ہی جامعہ میں دوسرے ڈیپارٹمنٹ میں دیکھا تو مجھے یہ کام آسان ہوتا محسوس ہوا تھا۔ پہلے پہل میں نے محض انہیں دھمکایا، مگر جب میں نے ان کی آنکھوں میں اپنا خوف اُترتا ہوا محسوس کیا تو گویا نہ صرف میری جرأت بڑھی، بلکہ مجھے اور بھی شہ مل گئی۔

مجھے یہ اندازہ لگانے میں قطعی دُشواری نہیں ہوئی تھی کہ ایمان کی سب سے بڑی کمزوری آپ ہیں۔ میں گو کہ آپ کے نکاح کی بابت جان گیا تھا، اس کے باوجود شکست تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ میں نے ایمان کی کمزوری کو پایا اور اس کی دُکھتی رگ کو بے دردی سے جکڑ لیا۔ تھوڑی سی معلومات سے میرے لئے یہ جاننا قطعی دُشوار نہیں تھا کہ آپ ملک سے باہر ہیں اور کس ملک میں ہیں......؟

مگر میں نے ایمان پہ نفسیاتی دباؤ ڈالا اور انہیں کہا، میں آپ کے ٹھکانے سے آگاہ ہوں

اور اتنی سورس رکھتا ہوں کہ یہاں بیٹھے بیٹھے ولید حسن کو وہاں شوٹ کروا سکتا ہوں۔ میری توقع کے عین مطابق ایمان میرے لئے وہ کٹھ پتلی ثابت ہوئیں جس کی ڈوری میرے ہاتھ میں تھی۔ مجھے پتا بھی نہ چلا اور میں شیطانی فعل میں ملوث ہوتا چلا گیا۔

آپ کو پتا ہے، شیطان کے نزدیک سب سے پسندیدہ انسانی عمل کون سا ہے ......؟

دو میاں بیوی کے درمیان رخنہ اور جدائی ڈالنے کا عمل ......!

اور میں یہی عمل کرتا چلا گیا۔ اس میں ایمان کا قصور کہیں بھی نہیں نکلتا ولی بھائی ......! وہ آپ کی محبت میں بے بس تھیں۔ آپ کو کھونے کے نقصان سے بچنے کی خاطر ہی انہوں نے خاردار راستوں کا انتخاب کر لیا۔ اسے لالہ کی قسمت کہہ لیں کہ ایمان کی طرف سے بھرپور کوشش کے باوجود آپ نے انہیں طلاق نہیں دی۔

پھر جس روز آپ ایمان کو رخصت کروا کے گھر لے کر گئے، مجھے لگا تھا، اپنی پسند کی بساط پہ میں بری طرح سے ہارا ہوں۔ اپنی اس ہار کا انتقام میں نے ایمان کو ٹینس کر کے لینا شروع کر دیا۔ مجھے نہیں پتا، آپ تک وہ بات کس طرح اور کس انداز میں پہنچی کہ آپ ایمان سے متنفر ہو کر انہیں چھوڑ کر چلے گئے ......؟ مگر جب مجھے پتا چلا تو مجھے لگا تھا جیسے میں نے اپنے لالہ کی زندگی سے چھن جانے والی خوشی کا انتقام پورا کر لیا۔

یہ محض میرا خیال تھا، آپ انجان تھے اور ایمان صبر کرنے والوں میں شامل تھیں۔ مگر میرا رب تو وہ محتسب ہے جو نہ صرف سارے حساب رکھتا ہے بلکہ زمین پر اکڑ کر چلنے والوں کو منہ کے بل گرانے پہ بھی قادر۔

میری فتح کا خمار ابھی اترا نہیں تھا کہ ایک ایکسیڈنٹ نے میرا غرور ہی نہیں، مجھ سے میری دونوں ٹانگیں بھی چھین لیں۔ وہ بات جو میں شاید کبھی نہ سمجھ سکتا، خدا نے لمحوں میں ہی سمجھا دی، جتلا ڈالی، اور میں نے اشک ندامت بہا کر اپنی خطا کی معافی مانگی، تب مجھ پہ کھلا، خدا بھی اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک وہ انسان نہ معاف کرے جس سے ہم زیادتی کے مرتکب ہو چکے ہوں۔

میرے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں لالہ پہ ساری بات واضح کرتا اور یوں ایمان سے معافی مانگنے کی سبیل ہوتی، مگر اس مشکل گھڑی میں ایک بار پھر وہی رب میرے کام آیا جو ندامت محسوس کرنے والے اپنے بندے کو بلا توقف قبول کرتا ہے۔

آپ کے برادر کے ذریعہ لالہ تک یہ بات پہنچی اور میں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر کے ایمان سے روبرو معافی مانگنے کی خواہش ظاہر کر دی۔ مگر جب انہوں نے اتنی اعلیٰ ظرفی سے مجھے معاف کیا تو ان کے ظرف کے سامنے مجھے اپنا آپ بہت حقیر سا لگا تھا۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس کے بعد مجھے سکون میسر آ جاتا، مگر ایسا نہیں ہوا تھا، تو وجہ ڈھکی چھپی تو نہ تھی۔ زمین میں فساد پھیلانا جتنا سہل، اس بربادی کے آثار مٹا کر پھر سے ویسی خوش حالی کو قائم کرنا اتنا ہی مشکل ہوا کرتا ہے۔

میں نے چھ سال سولی پر گزارے ہیں ولی بھائی ......! مجھے اس بات پر اللہ کو منانے میں چھ سال لگ گئے، تب مجھے آپ کی یہاں آمد کی اطلاع ملی۔

آپ سے صرف اتنی گزارش ہے کہ مجھے معاف کر دیں ......! اس لئے نہیں کہ میں پرسکون ہونا چاہتا ہوں، اس لئے کہ اللہ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اور ہاں ......! ایمان کی طرف سے ہر بدگمانی کو جھٹک دیں کہ آپ کا شمار ان خوش بختوں میں ہوتا ہے، جنہیں اچھی اور نیکو کار، فرمانبردار عورت آسمانی تحفے کی طرح ملی ہے۔

آپ کا گنہگار و شرمسار

موسیٰ کاروانی ......!''

اب کیا کرنا ہے ......؟ کیسے ایمان کو منانا ہے کہ زیادتیوں کی ایک طویل فہرست تھی، الزامات کی ایک بوچھاڑ تھی ......؟

اور ابھی یہ تازہ زخم جو ابھی رستا تھا، کیسے ایک دم ٹھی تھی وہ

اس کا دل اس کی کیفیت کو یاد کر کے رک رک کر دھڑکنے لگا۔

☆☆☆

وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تو ہال کمرے میں ہی وہ سب جمع تھے۔ اشعر، اسماء، عاقب، نغمہ، تینوں بچے بھی وہیں تھے۔ البتہ وہ نظر نہیں آئی، جس کی تلاش میں وہ آیا تھا۔ جبھی دوسرے ہی لمحے قدموں کو موڑ لیا، مگر اشعر کی آواز پہ ٹھٹکنا پڑا تھا۔

''کہاں جا رہے ہیں ......؟ رکیں ناں ......! ہمیں جوائن کریں کہ
رات بھی خوب ہے، پاس محبوب ہے ......!''

وہ شوخی سے گنگنانے لگا۔ ولید حسن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کا اسے شائبہ ہی ہوا تھا۔

''بے شک ......! مگر ان کا تو نہیں ہے ناں جن کو آپ دعوت دے رہے ہیں ......؟''

نغمہ نے اس کی شوخی و شرارت کے سلسلے کو آگے بڑھا دیا۔

''نہیں ہے تو کیا ہوا ......؟ ان کا محبوب بلکہ محبوبہ بھی ابھی تشریف لائیں گی، کچے دھاگوں سے بندھی۔''

اشعر نے ہنوز اسی شوخی سے کہا، مگر اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ولید حسن آ کر ان کے بیچ بیٹھ گیا۔

''کچھ سنائیں گے ......؟''

اشعر اس کی سمت جھکا، جس پر اس نے کندھے اچکا کر گویا آمادگی ظاہر کر دی۔ دل خوش تھا تو خوشی کو ظاہر کرنے میں کیا حرج تھا بھلا ......؟ مگر اب کے اشعر کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

''بدلے بدلے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں
دل کی بربادی کے آثار نظر آتے ہیں''

اشعر کی گنگناہٹ پر ولید حسن نے بے نیازی کا تاثر دیا تھا۔ عاقب کی نگاہوں میں بھی خوش گوار حسرت کا عکس تھا۔ مگر کچھ کہنے سے احتراز برتا کہ بہرحال وہ اس کے مزاج کے موسموں سے آشنا نہیں رہا تھا۔

''چلیں......! آغاز آپ ہی کریں۔''

اشعر نے مونگ پھلی کا لفافہ بیچ میں رکھتے ہوئے اسے دعوت دی۔ ولید کی نگاہیں دروازے پہ بھٹک رہی تھیں۔ ایمان کو چائے کی ٹرالی گھسیٹتے دیکھا تو گلا کھنکار کر سیدھا ہوا۔

''اُداس لوگوں کی بستیوں میں
وہ تتلیوں کو تلاش کرتی
وہ ایک لڑکی
جس کی صاف رنگت خیالی آنکھیں
جو کرتی رہتیں ہزار باتیں
مزاج سادہ وہ دل کی بچی
وہ ایک لڑکی!''

ایمان اسے وہاں دیکھ کر ٹھٹکی تھی، وہ نہ صرف موجود تھا، بلکہ اپنا انتخاب بھی پیش کر رہا تھا۔ ناقابل یقین منظر تو تھا، مگر اب وہ اس کے حوالے سے ہر احساس سے بے نیاز ہو جانا چاہتی تھی، تبھی ٹرالی درمیان میں لا کر چھوڑ دی۔ چائے اس لئے نہیں بنائی کہ اسے دینا بھی پڑتی اور وہ اب کچھ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''وہ محبتوں کے نصاب جانے
وہ جانتی ہے عہد نبھانے
وہ اچھی دوست
وہ اچھی ساتھی
وہ ایک لڑکی
وہ جھوٹے لوگوں کو سچا سمجھے
وہ ساری دُنیا کو اچھا سمجھے
وہ کتنی سادہ
وہ کتنی پگلی
وہ ایک لڑکی!''

ایمان خاموشی سے جا کر اُمید حسن کے پاس بیٹھ گئی جسے اب نیند آنا شروع ہو چکی تھی۔ ایمان نے اپنا سر اس کی گود میں رکھ لیا اور آہستگی و نرمی سے اس کے بالوں میں اُنگلیاں پھیرنے لگی۔ ولید کی بے تاب مچلتی نگاہیں اس کے چہرے پر بھٹک رہی تھیں جسے اس کے سوا باقی سب نے نوٹ کیا اور حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی کے احساس میں گھرنے لگے۔

''بھابی......! آپ کچھ سنائیے ناں......! مجھے آپ کا دھیما اور نرم لہجہ بہت اچھا لگتا ہے۔ پلیز......!''

اسما کی فرمائش پہ وہ پہلے چونکی، پھر گڑبڑا گئی۔

''مم...... میں......؟ یہ...... اُمید حسن کو نیند آرہی ہے، میں تو اسے سلانے کے لئے بیڈ روم میں جا رہی ہوں، پھر کبھی سہی......!''

اس نے گویا جان چھڑانا چاہی تھی، مگر...... مگر اسما کے ساتھ ساتھ اشعر اور فضہ کا اصرار بھی بڑھا تو اسے اُلجھن ہونے لگی۔

''مجھے اس وقت کچھ بھی ڈھنگ کا یاد نہیں آ رہا ہے۔''

اس نے ایک اور بہانہ بنانا چاہا۔ ولید حسن کی موجودگی میں وہ ہرگز کچھ سنانے پہ آمادہ نہیں تھی۔

''جو بھی سنائیں گی، جیسا بھی ہوگا، ہمیں دل و جان سے قبول ہوگا، سو پلیز......!''

اسما کے اس قدر اصرار پر مزید انکار اس سے دوبھر ہوگیا۔

''کچھ کہنے کا وقت نہیں یہ، کچھ نہ کہو خاموش رہو
اے لوگو! خاموش رہو، ہاں اے لوگو! خاموش رہو
سچ اچھا پر اس کے جلو میں زہر کا ہے اک پیالہ بھی
پاگل ہو، کیوں ناحق کو سقراط بنو، خاموش رہو''

ولید حسن کے چہرے پر تمتماہٹ اُتر گئی اور اسے لگا وہ اس سے تمام تر بے نیازی برتنے کے باوجود بھی گویا در پردہ اسی پر طنز کر رہی ہے۔

''حق اچھا پر اس کے لئے کوئی اور مرے تو اور اچھا
تم بھی کوئی منصور ہو جو سولی پہ چڑھو
ان کا یہ کہنا سورج ہی دھرتی کے پھیرے کرتا ہے
سر آنکھوں پر سورج ہی کو گھومنے دو خاموش رہو
مجلس میں کچھ حبس ہے اور زنجیر کا آہن چبھتا ہے
پھر سوچو، ہاں پھر سوچو، ہاں پھر سوچو خاموش رہو
گرم آنسو اور ٹھنڈی آہیں من میں کیا کیا موسم ہیں
اس بگیا کے بھید نہ کھولو، سیر کرو خاموش رہو
آنکھیں موند کنارے بیٹھو، من کے رکھو بند کواڑ
انشا جی لو دھاگہ لو لب سی لو خاموش رہو''

''ویری ویری ویل ڈن......! اینڈ بنڈل آف تھینکس......! سو سویٹ......! بھابی جی......! ریلی......! آپ نے تو مجھے انشا جی کا عاشق بنا دیا ہے۔ آپ کے پاس ان کی کوئی بک ہے تو مجھے ضرور دیجئے گا۔''

اسما اتنی خوش ہوئی تھی کہ فرط جذبات میں آگے ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ کر بڑا والہانہ قسم کا بوسہ ثبت کیا۔ جہاں ایمان جھینپی تھی، وہاں اشعر بدک گیا تھا۔

''اُف...... اُف بیگم صاحبہ......! کنٹرول یور سیلف......! کہ آپ کی ان چمیوں وہ چومیوں پہ میں

ہی نہیں، ولی بھائی بھی ماننڈ کر سکتے ہیں کہ آپ ہمارے حقوق کو پامال کر رہی ہیں۔"

اسماء زور سے ہنس پڑی۔ بڑی شوخ کھنکتی ہنسی تھی، نفسہ اور عاقب بھائی بھی مسکرا رہے تھے۔ ولید حسن کے ہونٹوں پر بڑی دل آویز مسکان اتری تھی۔ ایمان کا چہرہ نہ جانے کس جذبے کے تحت بے تحاشہ سرخ پڑ گیا۔

"ارے رے......! آپ کدھر بھاگ رہی ہیں......؟"

ایمان کو سوتے ہوئے اُمید حسن کو اپنی گود میں اُٹھا کر کھڑے ہوئے دیکھ کر اشعر بری طرح بدحواس ہوا۔

"اُمید کو سلانا ہے اشعر......! نیند خراب ہو رہی ہے اس کی۔"

خود کو سنبھال کر وہ کسی قدر رسانیت سے بولی تو اشعر نے ہاتھ بڑھا کر اُمید حسن کو اس سے لے لیا۔

"میں سمجھ گیا، آپ سے اُٹھایا نہیں جا رہا ناں......! یہ لیں، اب بیٹھیں آرام سے، خبردار جو کسی نے بھی اُٹھنے کا نام لیا۔"

ایمان جز بز سی ہوگئی کہ بہرحال گفتار میں وہ اس سے نہیں جیت سکتی تھی۔

"ولی بھائی......! آپ کی آواز اب بھی اچھی ہے، گاتے ہیں......؟"

اشعر کے سوال پر ولید جو ایمان کے بے زاری ٹپکاتے چہرے کو کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا، چونک سا پڑا۔

"یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔"

اس نے سنبھل کر جواب دیا تو اشعر نے اسے گھورا تھا، پھر مزے سے بولا۔

"چلیں پھر کوئی گانا سنائیں......! تاکہ ہمیں پتا چلے، آپ کی آواز کو زنگ تو نہیں لگ گیا......؟"

ایمان کو ہرگز یقین نہیں تھا کہ اب وہ اس کی بات رکھے گا، مگر اس وقت اسے دھچکا لگا جب ولید گلا کھنکارتا گانے کی پوزیشن میں آیا۔

"تاکتے رہتے تجھ کو سانجھ سویرے
نینوں میں بسیاں جیسے نین یہ تیرے
تیرے مست مست دو نین
میرے دل کا لے گئے چین
تیرے مست مست دو نین
میرے دل کا لے گئے چین"

اس کی آواز نے ایک دلکش سماں باندھ دیا۔ اسما اور اشعر تو باقاعدہ جھوم رہے تھے، جبکہ ایمان کا اضطراب یہ جان یک بارگی بڑھ گیا تھا کہ ولید حسن کی نگاہوں کا مرکز اسی کا چہرہ ہے۔

"ماہی بے آب سا دل ہے بے تاب سا
تڑپا جائے تڑپا، تڑپا جائے
ماہی بے آب سا دل بے تاب سا
تڑپا جائے تڑپا، تڑپا جائے
نینوں کی جھیل میں اُترا تھا یوں ہی دل
ڈوبا جائے ڈوبا، ڈوبا جائے
ہوش و حواس اب تو کھونے لگے ہیں
ہم بھی دیوانے تیرے ہونے لگے ہیں
تیرے مست مست دو نین
میرے دل کا لے گئے چین
تیرے مست مست دو نین
میرے دل کا لے گئے چین"

اس کے لہجے اور آواز کے ساتھ اس کی نظریں بھی بہکنے لگیں۔ پیغام دیتیں، شوخ افسانے سناتی ہوئیں نگاہیں، یہ اس کی نگاہ کا فریب ہی ہوسکتا تھا ناں......! اسے کیا ہو رہا تھا......؟ دل برباد اسے کیسے کیسے سہانے سپنے جاگتی آنکھوں سے دکھانے لگا تھا......؟

وہ اتنا گھبرائی کہ اشعر کی گود میں سوئے اُمید حسن کو اُٹھا کر تیز قدموں سے وہاں سے باہر نکل آئی۔ اپنے کمرے میں جانے کی غرض سے سیڑھیوں پر پہلا قدم رکھا ہی تھا کہ اسے لگا پیچھے سے کسی نے پکارا ہے۔ اس نے گردن موڑی تو ولید حسن ہی تھا، اس کے سمت دیکھتا ہوا۔

ایمان چاہنے کے باوجود ایک قدم آگے نہ بڑھا سکی کہ کچھ لہجے، کچھ آوازیں اپنے اندر طلسماتی کشش رکھتی ہیں، جکڑ لیتی ہیں، بے بس کر جاتی ہیں۔

"اُمید حسن کو میں اپنے ساتھ سلا لوں، اگر تمہیں برا نہ لگے تو......؟"

اس کے لہجے میں ہچکچاہٹ اور تذبذب تھا۔ ایمان نے کچھ کہے بغیر وہیں کھڑے کھڑے اُمید کو ہاتھوں میں اُٹھا کر آگے کر دیا۔ ولید مضبوط قدم اُٹھاتا ہوا بڑھا تھا اور اس سے اُمید حسن کو لے لیا تھا۔ ایمان پلٹی اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر چلی گئی۔ ولید حسن گہرا سانس کھینچ کر رہ گیا کہ آیا تو اس سے بات کرنے تھا، مگر جب منہ سے بات نکلی تو کچھ اور ہی نکلی۔

"پتا نہیں میں اسے کیسے منا پاؤں گا......؟"

اس کے اپنے کمرے کی سمت اُٹھتے ہوئے قدموں سے یاسیت لپٹی تھی۔

☆☆☆

"تم میرے پاس رہو
میرے قاتل میرے دلدار میرے پاس رہو
جس گھڑی سیاہ رات چلے
آسمانوں کا لہو پی کے سیاہ رات چلے

بین کرتی ہوئی ہنستی ہوئی گاتی نکلے

درد کی کاسنی پازیب بجاتی نکلے

پھر نا آسودگی مچلے تو منائے نہ منے

جب کوئی بات بنائے نہ بنے

جب نہ کوئی بات چلے

جس گھڑی ماتمی سنسان سیاہ رات چلے

تم میرے پاس رہو

میرے قاتل میرے دلدار میرے پاس رہو"

اپنے کمرے سے وہ شور کی کچھ مبہم سی آواز سن کر باہر آیا تو فضہ اور اسما ہراساں سی کھڑی تھیں، جبکہ تائی ماں روتے بلکتے اُمید حسن کو بہلاتے ہوئے صاف مضطرب نظر آئی تھیں۔

"کیا ہوا......؟ خیریت......؟"

وہ آہستگی سے آگے بڑھ آیا اور سوالیہ نگاہیں تینوں خواتین پر ٹکائیں۔ تائی ماں نے دیکھا اور برہم سے انداز میں منہ پھیر لیا۔ وہ کچھ کھسیایا تو تھا، مگر اس سوال کے ہمراہ فضہ کو دیکھا۔ ہراس جس کی آنکھوں سے ہی نہیں، چہرے پر بھی گویا ثبت ہو گیا تھا۔ آنکھیں یوں نم تھیں گویا ابھی رو کے فارغ ہوئی ہو۔

"کچھ نہیں بھائی......! ایمان کو چوٹ لگ گئی ہے، ہاسپٹل لے کر گئے ہیں عاقب اور تاؤ جی۔"

"وات......؟"

وہ کس قدر وحشت سے بولا۔

"کب......؟ کیسے......؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے......! اسید گرنے لگا تھا سیڑھیوں سے، اسے بچانے کی کوشش میں خود سب سے اوپر کی سیڑھی سے نیچے آ گری، بے ہوش ہو گئی تھی۔ دیکھیں کتنا خون بہا ہے اس کا۔"

بادامی کارپٹ پر سرخ دھبے کی سمت اشارہ کر کے تفصیل بتاتے ہوئے فضہ کی آنکھیں پھر لبالب پانیوں سے بھر گئیں، جبکہ ولید کے اندر اسی سرعت سے وحشت اور غیض اُترا تھا۔

"اتنا کچھ ہو گیا اور آپ میں سے کسی نے مجھے بتانا بھی گوارہ نہیں کیا......؟ گھر میں ہی تھا ناں میں......؟"

وہ ضبط کھو کر چیخ پڑا تھا۔ اس کا یہ اشتعال تائی ماں کو ایک آنکھ نہیں بھایا تھا، جبھی روتے ہوئے اُمید حسن کو کاندھے سے لگا کر تھپکتے ہوئے ہاتھ نچا کر طنز کے انداز میں بولی تھیں۔

"تجھے کیوں بتاتے بھئی......؟ وہ لگتی ہی کیا ہے تیری......؟ نام بھی سننا تجھے تو گوارہ نہیں ہے اس کا، پھر تجھ سے اس کی مرہم پٹی کی توقع کیوں رکھتے ہم......؟ بتا ذرا......؟"

ان کی ناراضگی اور خفگی کا پیمانہ عروج پر تھا۔ ولید حسن کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑ گیا۔ مگر پھر خود کو سنبھال کر فضہ سے مخاطب ہو کر بولا تو لہجہ ہنوز مضطرب اور متوحش سا تھا۔

"کون سے ہاسپٹل لے کر گئے ہیں......؟ مجھے نام بتائیں......!"

"مجھے تو کچھ پتا نہیں ہے ولی بھائی......! پلیز آپ عاقب کو فون کر کے پوچھ لیں۔"

فضہ کے جواب پہ وہ اپنی جیبیں ٹٹول کر سیل فون برآمد کرنے کے بعد عاقب کا نمبر ملانے لگا۔ حالانکہ یہ سامنے کی بات تھی، مگر اس کے حواس ہی کام نہیں کر رہے تھے۔ وہ عاقب کا نمبر ملا ملا کر ہار گیا، مگر عاقب کال ریسیو نہیں کر رہا تھا، جس سے اس کا اضطراب وحشت کا روپ دھارنے لگا۔

اور جب وہ پورے ایک گھنٹے تک ٹہل ٹہل کر اور عاقب کا نمبر ملا ملا کر تھک گیا، تب عاقب کی گاڑی گیٹ سے اندر آتی نظر آئی تھی۔ وہ سب سے پہلے لپک کر تقریباً دوڑتے قدموں سے پورا ئیکو میں آیا تھا۔

"کہاں تھے تم......؟ بندہ کم از کم کال تو ریسیو کرتا ہے......؟ پیچھے رہ جانے والے بھلے وسوسوں کا شکار ہو کر ہارٹ فیل کرا بیٹھیں۔"

پچھلی سیٹ پر ماما اور پاپا کے درمیان ماتھے پر پٹی باندھے نڈھال سی بیٹھی ایمان کو صحیح سالم دیکھ لینے کے باوجود وہ بے دریغ عاقب پر برس پڑا تھا۔ عاقب کے ساتھ ساتھ باقی کے حاضرین نے بھی اس کی پریشانی اور کھسیاہٹ اور خفگی کو حیرت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

"سوری یار......! تمہیں زحمت ہوئی۔ ایکچولی میرا سیل فون سائیلنٹ پر تھا، جبھی تمہاری کال کا اندازہ ہی نہیں ہو سکا۔"

عاقب اپنی حیرت چھپا کر رسانیت سے وضاحت پیش کر رہا تھا۔

"مگر پتر......! آپ یہ زحمت کر کس سلسلے میں رہے تھے بھلا......؟ بتائیں گے......؟"

تاؤ جی کا لہجہ بھی کسی قدر ٹھنڈا ٹھنڈا طنز سموئے ہوئے تھا۔ ولید حسن نے کھسیا کر انہیں دیکھا تو نگاہ ان کے کاندھے کے پار ماما کے سہارے حیران، بھونچکی سی اپنی طرف تکتی ایمان سے جا ملی، جس نے نظریں چار ہوتے ہی بغیر کسی تاثر کے نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا تھا۔

ولید کو اپنی ہچکچاہٹ اور گریز پہ تاؤ آیا۔ اب وہ مزید دیر نہیں کرنا چاہتا تھا، جبھی وہاں موجود لوگوں کی پرواہ کیے بغیر آگے بڑھا اور ایمان کے نزدیک آ کر بہت استحقاق بھرے انداز میں اپنا ہاتھ اس کی کمر کے گرد حمائل کرتے ہوئے تھوڑے سہارا دیتے ہوئے بولا تھا۔

"چلو......! میں تمہیں اندر لے کر چلتا ہوں۔"

ایمان کے اعصاب کو گویا ہزار وولٹیج کا کرنٹ لگا تھا۔ کچھ کہے بغیر بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اس نے بہت درشتی سے اس کا بازو جھٹکا اور ماما کا ہاتھ پکڑ کر اندرونی حصے کی جانب چلی گئی۔ اب ایسا بھی نہیں تھا کہ کسی نے یہ سارا کھیل دیکھا نہ ہو، البتہ الگ بات کہ کسی نے دیکھ کر نظر انداز کر دیا تو کوئی اگلے ہی لمحے وہاں سے رفو چکر ہو گیا، جیسے عاقب۔

"کیوں پتر جی......! ہو گئی آپ کی تشفی......! چلو چلو......! اب کر لو جو کرنا ہے۔"

تاؤ جی کے الفاظ نے ولید حسن کو جتنی کھسیاہٹ میں مبتلا کیا، وہ الگ تھا، جو تاؤ دلایا، اس کی تو بات ہی کیا......؟

اسے ہمیشہ سے یہ احساس تھا کہ تاؤ جی اس کے باپ ہو کر بھی ایمان کو سر پر چڑھائے ہوتے ہیں۔
اس تمسخر اڑاتے فقرے پہ اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، جبھی پیر پٹختے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا۔

"بھائی صاحب......! وہ برا بھی مان سکتا ہے، آپ کو اس طرح نہیں کہنا چاہئے تھا۔"

پاپا نے بڑے بھائی کو ٹوکا تو انہوں نے یوں ہاتھ ہلایا گویا مکھی اڑائی ہو۔

☆☆☆

"مسلسل روکتی ہوں اس کو شہرِ دل میں آنے سے
مگر وہ کوہ کن رکتا نہیں دیوار ڈھانے سے
بھلا کیا دکھ کے آنگن میں سلگتی لڑکیاں جانیں
کہاں چھپتے ہیں آنسو آنچلوں میں منہ چھپانے سے۔
تجھے تنہا محبت کا یہ دریا پار کرنا ہے
ندامت ہوگی اس کے حوصلوں کو آزمانے سے
ابھی تو عشق میں آنکھیں بجھی ہیں دل سلامت ہے
زمین بانجھ ہوتی ہے کبھی فصلیں جلانے سے
تجھے بھی ضبطِ غم کے شوق نے پتھر بنا ڈالا
تجھے اے دل بہت روکا تھا رسم و راہ نبھانے سے"

وہ بیڈ پر لیٹی تھی، پہلو سے ذرا سہما اُمید حسن چمٹا ہوا تھا۔ چھوٹے سے کمرے میں اس وقت تقریباً گھر کے سبھی افراد سمائے ہوئے تھے۔ پریشانی ختم ہوگئی تھی۔ اب سب ہی تقریباً ایک دوسرے سے محوِ گفتگو تھے۔ مگر اس کا دل و دماغ جیسے غیر حاضر سا تھا۔

ولید حسن کا بدلا بدلا سا یہ روپ، چہرے کی پریشانی، آنکھوں کی ندامت اس کا وہم نہیں تھی۔ عاقب سے اس کا اُلجھنا، پھر اس کی سمت بڑھ کر اپنا استحقاق جتانا بہت معانی رکھتا تھا۔ اس کی کمر کے گرد جیسے اس کا لمس ابھی تک اپنا احساس بخش رہا تھا۔ وہ جیسے بیٹھے بیٹھے گم ہونے لگی۔

"کیوں کر رہے ہیں وہ ایسا......؟ کیا کوئی نیا زخم لگانے کے لئے......؟"

اس کا دل نئے سرے سے بھرانے لگا۔ اسما کسی بات پر زور سے ہنسی تھی، وہ جیسے چونک کر متوجہ ہوئی اور خالی خالی نظروں سے سب کو تکنے لگی۔

"چلو بھئی......! اٹھو سب، بچی کو آرام کرنے دو، دوا لی ہے اس نے۔"

تائی ماں نے اُٹھ کر سب کو ایک ساتھ مخاطب کیا تو پاپا نے بھی ان کی تائید کی تھی۔ پاپا اور تاؤ جی نے ایمان کا سر تھپکا اور اپنا خیال رکھنے کی تاکید کے ساتھ باہر نکل گئے۔ ماما کی نماز بھی قضا ہو چکی تھی۔ وہ بھی چلی گئیں۔ البتہ تائی ماں نے پہلے فضہ کو تاکید کی تھی کہ یاد سے ایمان کو دودھ کا گلاس دے دے، پھر ان سب کو ایک بار پھر وہاں سے جانے کا کہتیں خود بھی کمرے سے نکل گئیں تو ایمان نے اپنی پشت پہ لگے تکیے کو ہٹایا اور نیم دراز ہوگئی۔ اُمید کو نرمی و محبت سے سرکا کر خود سے کچھ اور نزدیک کر لیا۔

"ایمی......! دودھ میں اوولٹین ڈال کر لاؤں یا مائلو......؟ بتا دو......!"

فضہ کے استفسار پر اس سے پہلے اشعر نے شریر سے انداز میں لقمہ دیا تھا۔

"نہ اوولٹین نہ مائلو، انہیں دیسی گھی ڈال کر گرم دودھ پلا دیں۔"

ایمان کا فوری منہ بن گیا۔ فضہ ہنسنے لگی۔

"بے فکر رہو......! میں دودھ میں گھی نہیں ڈالوں گی۔"

اس کی تسلی پر ایمان قدرے مطمئن ہوئی، مگر یہ اطمینان عارضی ثابت ہوا کہ اسی پل دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے والے ولید حسن کو دیکھ کر اس کے چہرے پر تاریک سا سایہ لرز اُٹھا تھا۔ دھڑکنوں میں غیر معمولی ہلچل مچی اُٹھی۔

"آہا......! آیئے جناب......! کہئے ——! کیسے تشریف لائے......؟"

اشعر اسے دیکھتے ہی چہک اُٹھا۔ ولید حسن جو ایمان کی سمت متوجہ تھا بھنوؤں کو اُچکا کر دوستانہ انداز میں مسکرایا۔ ایمان نے فی الفور نگاہ پھیر لی۔ کسی انجان سی بے چینی کا اضطراب رگ و پے میں بکھرنے لگا۔

"اسی سلسلے میں جس سلسلے میں آپ تشریف فرما ہیں۔"

"مگر ہم تو ان کے اپنے ہیں۔"

اشعر نے معنی خیز مسکراہٹ سمیت اپنے تئیں اسے لاجواب کرنا چاہا، مگر وہ ہارنے والوں میں سے نہیں تھا، ترکی بہ ترکی بولا۔

"اور ہم آپ سے بھی زیادہ اپنے ہیں، نہیں یقین تو پوچھو ان سے......؟"

اس نے گمبھیر، ذو معنی جواب دیتے ہوئے باقاعدہ ایمان کی سمت اشارہ کیا جو حق دق بیٹھی تھی۔ وہ اشعر کے شوخ قہقہے اور ولید کی نگاہوں کی حرارت پر ایک دم نروس ہوگئی۔

"جی میم......! اب آپ ہی فیصلہ کیجئے......!"

اس نے ولید حسن کے براہ راست مخاطب کر لینے پر ٹپٹا کر نظریں جھکائیں۔

"یہ کیا مذاق ہے اشعر......؟"

اس نے کسی قدر ناراضگی سے اشعر کو مخاطب کیا جو سر کھجا رہا تھا۔

"اور کہیں چوٹ تو نہیں لگی......؟ میں آپ کے سر کا زخم دیکھ سکتا ہوں......؟"

ولید حسن کرسی بیڈ کے نزدیک کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تو اس سے پہلے کہ ایمان کوئی جواب دیتی، اشعر کھنکار کر بولا تھا۔

"میرا خیال ہے، اب ہمیں چلنا چاہئے۔"

لہجے و انداز سے شوخ قسم کی شرارت کے ساتھ بے پایاں اطمینان ٹپک رہا تھا۔ کچھ ایسی ہی حالت اور کیفیت عاقب، فضہ اور اسما کی بھی تھی۔ ایمان اس دھاندلی پر بُرے طرح گھبرائی۔

"ہرگز نہیں......! آپ لوگ کہیں نہیں جاؤ گے، بلکہ ان سے کہیں، تشریف لے جائیں، مجھے ان سے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔"

بنا کسی مروت ولحاظ کے اس نے کسی قدر کڑوے انداز میں کہا تو ولید حسن اٹھ کھڑا ہوا، آگے بڑھا، دروازہ کھولا اور ان سب کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

''انہیں میں بخوشی سنبھال لوں گا، بہت بہت شکریہ......!''

''خیال سے، دھیان سے، پیار سے......!''

اشعر نے بانک لگائی اور دانت نکالتے ہوئے بھاگ گیا۔ ان کے جانے کے بعد ولید حسن اس کی جانب دروازہ بند کر کے پلٹا تو اسے ہراساں ومتوحش دیکھ کر دل آویزی سے مسکرایا۔

''ایسے کیوں دیکھ رہی ہو مجھے......؟ کیا بہت خوفناک لگ رہا ہوں......؟''

''آپ یہاں سے فی الفور چلے جائیں ورنہ میں تاؤ جی کو بلا لوں گی۔''

ایمان نے تنک کر کہا تو ولید نے کاندھے اچکا دیے۔

''ہاں تو بلا لو......! میں ڈرتا تھوڑی ہوں ان سے......؟''

''آپ اس طرح آخر گھسے کیوں ہیں میرے کمرے میں......؟ مقصد کیا ہے آپ کا......؟''

وہ چیخ کر بولی تو جواباً ولید حسن کی آنکھیں شرارت سے لو دینے لگیں۔

''جب کوئی جوان لڑکا اس طرح رات کے وقت کسی جوان، خوب صورت لڑکی کے کمرے میں زبردستی گھس آئے تو اس کے ارادے بہت خطرناک ہوا کرتے ہیں، یو نو......!''

وہ بھاری گمبھیر لہجے میں کہتا آہستہ آہستہ چلتا اس کے بالکل نزدیک آگیا۔ ایمان کی دھڑکنوں میں سرکش سے جھنور اٹھنے لگے۔ وہ کسی قدر برہمی سے چیخ پڑی تھی۔

''مجھے آپ کا یہ مذاق بالکل پسند نہیں آیا، سمجھے آپ......؟''

''اوکے......! نیور مائنڈ......! سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔''

اس نے اپنے لہکتے لہجے پر تو قابو پالیا، مگر نگاہوں کا بہکا پن ہنوز تھا۔ ایمان نے ہونٹ بھینچ لیے۔

ولید نے گہرا سانس کھینچا اور خود کو کمپوز کر کے بولا تو واقعی سنجیدہ ہو چکا تھا۔

''چوٹ کیسے لگی تھی تمہیں......؟''

''گر گئی تھی، پتا چل تو گیا ہے آپ کو......؟''

وہ جھنجلا گئی۔

''خود گری تھی ناں......؟''

ایمان نے اب کی مرتبہ ٹھٹک کر اسے دیکھا، جس میں ناگواری وناپسندیدگی کا عنصر تھا۔

''مطلب کیا ہے آپ کا......؟''

ترچھا، کاٹ دار انداز۔ ولید حسن نے اس کا ہاتھ آہستگی ونرمی سے اپنے ہاتھ میں جکڑ لیا۔

''میں خوف زدہ ہو گیا تھا، یہ سوچ کر کہ تم نے خودکشی کی کوشش کی ہے۔''

''میں ایسی حماقت کیوں کرتی لوگوں کی فضول باتوں کی وجہ سے......؟''

اس نے نخوت سے ناک چڑھائی۔ ولید حسن کے چہرے پر ایک تاریک سایہ لہرا گیا۔

''مجھے پتا تھا، ہمارے بیچ یہ فاصلے در آئے ہوں گے۔''

وہ ایک دم ملول ہونے لگا۔ ایمان نے چونک کر اسے دیکھا۔ ولید حسن نے جھک کر اس کے ہاتھ کو چوم لیا تھا۔ ایمان بے ساختہ کسمسائی اور اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا، مگر گرفت بہت مضبوط تھی۔

''مجھے معاف کر دو گی ایمی......؟''

ایمان کے اعصاب کو دھچکا لگا تھا۔ اس نے تحیر واستعجاب میں گھر کر اسے دیکھا۔

''حیران ہو ناں......! اس کایا پلٹ پہ......؟ مجھے موسیٰ نے سب کچھ بتا دیا ہے۔''

وہ چونکی، پھر اس کی آنکھوں میں نمی بھر گئی۔

''اگر وہ نہ بتاتا تو آپ ساری زندگی مجھے یہ سزا دیتے......؟''

وہ سب کچھ بھول کر شاکی ہو گئی۔ ولید نے اس کی آنکھوں میں مچلتے آنسوؤں کو دیکھا اور بے چین و بے قرار ہو کر اس کے نزدیک آیا اور اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

''آخری بار معاف کر دو ایمی......! پلیز......! پھر کبھی تمہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گا، نہ کبھی بدگمانی آئے گی ہمارے بیچ اور نہ ہی کبھی انا۔ بلیو می......!''

پھر ذرا توقف کیا اور کسی قدر شاکی ہو کر بولا تھا۔

''ویسے اگر تم نے مجھ پہ اعتماد کیا ہوتا تو ہمارے بیچ یہ نارسائی اور ہجر وفراق کے موسم نہ آئے ہوتے۔''

''میں ڈر گئی تھی، بہت ڈر گئی تھی ولید......! مجھے لگا تھا وہ......''

''کچھ نہیں کر سکتا تھا وہ گھٹیا آدمی......!''

ولید حسن جھک کر اس کی پلکوں سے گالوں پر بکھرتے آنسوؤں پر ہونٹ رکھ چکا تھا اور ایمان کو لگا تھا، تمام دُکھوں کا مداوا اسی ایک گھڑی میں ہو گیا تھا۔

''ایمی......! تم نے مجھے معاف کر دیا ناں......؟''

وہ اس کی جانب منتظر نگاہوں سے تکنے لگا۔

''گلہ کیوں سوائے اس کے کہ

بہت دیر کر دی مہرباں آتے آتے......!''

وہ بہت ضبط، حوصلے سمیت بھیگی آنکھوں سے مسکرائی تو ولید حسن اس ضبط وحوصلے اور اعلیٰ ظرفی کے مظاہرے پر دل کو کچھ اور بھی گداز ہوتا محسوس کرنے لگا تھا۔

''میں تمہارا مجرم ہوں ایمان......! مجھے اعتراف میں عار نہیں ہے کہ یہ میرے مزاج کی شدت اور انتہا پسندی ہی تھی جس نے تم سے وحشت اور دُکھ کے اتنے صحرا پار کرائے ہیں۔ تم نے محبت میں ایثار اور قربانی دے کر ثابت کیا کہ محبت کو کیسے نبھایا جاتا ہے۔

مجھے معاف کر دو ایمان......! اس عہد کے ساتھ کہ میں آئندہ کبھی انشاء اللہ تمہیں دانستہ نہیں ستاؤں گا، بلکہ اگر میں کبھی غلطی پر ہوں تو میری غلطی بتانا، اور اصلاح کرنا بھی تمہارا فرض ہے۔''

آخر میں اس کا لہجہ کچھ شرارتی ہوگیا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔ اس مسکان میں فتح مندی تھی، سرشاری تھی۔ وہ اپنے رب کی مشکور تھی جس نے اسے یہ سرخ روئی عطا فرمائی تھی۔

اسے پتا تھا صبح نضہ نے اس سے تفصیلات پوچھنی ہیں، تو اس کے اتنی آسانی سے مان جانے پر اسے گھورنا ہے۔ مگر اسے جواب پتا ہے کہ کیا دینا ہے......؟

''محبت میں اَنا نہیں ہوتی اور جہاں اَنا ہو، وہاں محبت نہیں ہوتی۔''

پھر ایمان کی خالص اور شدید محبت میں تو اَنا کبھی آئی ہی نہیں تھی۔ پھر بھلا وہ جان سے پیارے محبوب کی پذیرائی کرنے کی بجائے کیسے جھٹک دیتی......؟

ایسا ممکن ہی نہیں تھا۔

☆☆☆